فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین

ماہنامہ السنة جہلم

شمارہ نمبر
43,44,45

جمادی ثانیہ، رجب، شعبان ۱۴۳۲ھ
بمطابق مئی، جون، جولائی ۲۰۱۲

مدیر

غلام مصطفی ظہیر امن پوری

خصوصی اشاعت

وسیلہ نمبر

- نمازِ غوثیہ
- تُو اگر نہ ہوتا...
- آدم علیہ السلام کا وسیلہ
- وسیلہ اور قرآنِ کریم
- مختلف مکاتبِ فکر اور وسیلہ
- وسیلہ ..... مفہوم واقسام
- وسیلے کی ممنوع اقسام پر دلائل کا جائزہ
- وسیلہ، صحیح احادیث اور فہم سلف کی روشنی میں

دار التخصص والتحقیق، جہلم، پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین

ماہنامہ السنۃ جہلم

دار التخصص والتحقیق، جہلم، پاکستان

جلد نمبر ۲ | جمادی الثانی، رجب، شعبان ۱۴۳۳ھ بمطابق مئی، جون، جولائی ۲۰۱۲ء | شمارہ نمبر ۴۳، ۴۴، ۴۵

مدیر
غلام مصطفی ظہیر
0300-5482125

نائب مدیر
حافظ ابو یحییٰ نورپوری
ایم اے
Ejaz_saqi@hotmail.com
0301.6808274

قیمت وسیلہ نمبر 200 روپے | سالانہ: 350 روپے | پاکستان مع محصول ڈاک

اس شمارے میں

1۔ وسیلہ...... مفہوم و اقسام	ابن ہلال زین	02
2۔ وسیلہ اور قرآن کریم	ابن شہاب سلفی	09
3۔ وسیلہ، صحیح احادیث اور فہم سلف کی روشنی میں	حافظ ابو یحییٰ نورپوری	58
4۔ مختلف مکاتب فکر اور وسیلہ	غلام مصطفی ظہیر امن پوری	75
5۔ وسیلے کی ممنوع اقسام پر دلائل کا جائزہ	غلام مصطفی ظہیر امن پوری	115
6۔ آدم علیہ السلام کا وسیلہ	ابو عبد اللہ صارم	208
7۔ گر وا گرنے والا......	ابن الحسن محمدی	246
8۔ نماز خوشبو	ابو سعید سلفی	258

خط و کتابت
شوکت نصیب خان
ریلوے ہسپتال روڈ، مشین محلہ نمبر ۱
جہلم، پاکستان

مقام اشاعت
دار التخصص والتحقیق
جہلم، پاکستان

ناشر
محمد اشرف الحنفی
0300-5133346

وسیلہ کا معنی ومفہوم:

لغوی طور پر وسیلہ سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کے ذریعے کسی ذات تک رسائی یا قرب حاصل کیا جاسکتا ہو۔ لغتِ عرب کی قدیم اور معروف کتاب ''الصحاح'' میں ہے:

اَلْوَسِیلَةُ: مَا یُتَقَرَّبُ بِهِ إِلَی الْغَیْرِ . ''وسیلہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کسی کا قرب حاصل کیا جائے۔''

(الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية لأبي نصر إسماعيل بن حماد الجوہري المتوفی 393ھ، باب اللام، فصل الواو، مادة وسل: 5/1841، دار العلم للملايين، بيروت، 1407ھ)

مشہور لغوی اور اصولی، علامہ مبارک بن محمد المعروف بہ ابن الاثیر جزری (544-606ھ) لکھتے ہیں:

فِي حَدِیثِ الْأَذَانِ: اَللّٰهُمَّ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِیلَةَ، هِيَ فِي الْأَصْلِ: مَا یُتَوَصَّلُ بِهِ إِلَی الشَّيْءِ وَیُتَقَرَّبُ بِهِ، وَجَمْعُهَا: وَسَائِلُ، یُقَالُ: وَسَلَ إِلَیْهِ وَسِیلَةً وَتَوَسَّلَ، وَالْمُرَادُ بِهِ فِي الْحَدِیثِ الْقُرْبُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی، وَقِیلَ: هِيَ الشَّفَاعَةُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ .

''اذان (کا جواب دینے کی فضیلت) والی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ اے اللہ! محمد (ﷺ) کو وسیلہ دے۔ وسیلہ اصل میں وہ چیز ہے جس کے ذریعے کسی چیز تک پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل کیا جائے۔ اس کی جمع وسائل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں کی طرف وسیلہ بنایا۔ حدیثِ نبوی میں وسیلے سے مراد اللہ تعالیٰ کا قرب ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قیامت کے دن ہونے والی شفاعت ہے۔'' (النهاية في غريب الحديث والأثر، باب الواو

مع السين، مادة وسل :5/555، المكتبة العلمية، بيروت، 1399ھ)

مشہور لغوی، علامہ ابوالفضل محمد بن مکرم بن علی، المعروف بہ ابن منظور افریقی (م:711ھ)

لکھتے ہیں:

اَلْوَسِيلَةُ: اَلْمَنْزِلَةُ عِنْدَ الْمَلِكِ، وَالْوَسِيلَةُ: اَلدَّرَجَةُ، وَالْوَسِيلَةُ: اَلْقُرْبَةُ.

''وسیلہ سے مراد بادشاہ کے ہاں مقام و مرتبہ ہے۔ اس کا معنیٰ درجہ اور قربت بھی ہوتا ہے۔'' (لسان العرب، حرف اللام، فصل الواو مادۃ وسل :11/724، دار صادر، بیروت، 1414ھ)

معلوم ہوا کہ وسیلہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کا تقرب اور اس کی خوشنودی حاصل کرتا ہے اور اس سے مراد نیک اعمال ہیں، جیسا کہ:

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (المائدۃ 5:35)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جاؤ اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو، تاکہ تم کامیاب ہوسکو۔''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ وسیلہ کیا ہے؟ تمام سنی مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد نیک اعمال ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں مضمون ''وسیلہ اور قرآنِ کریم''۔

دعا میں وسیلہ

اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہوئے اس کو قبولیت کے درجے تک پہنچانے کے لیے جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، اسے بھی وسیلہ کہہ دیا جاتا ہے۔ دُعا چونکہ عبادت ہے اور ہر عبادت کا طریقہ بھی قرآن وسنت سے ہی معلوم کیا جاتا ہے، لہٰذا دعا میں وسیلے کے بارے میں قرآن وسنت کی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے گا۔ دعا میں وسیلے کا جو جو طریقہ کتاب وسنت سے ثابت ہوگا، وہ جائز

اور مشروع ہوگا جبکہ دوسرے طریقے ناجائز وغیر مشروع ہوں گے۔ آیئے ملاحظہ فرمائیں:

وسیلے کی اقسام

جائز وسیلہ: دُعا میں وسیلے کی تین قسمیں مشروع و جائز ہیں:

① انسان اللہ تعالیٰ کو اس کے اسمائے حسنیٰ کا وسیلہ پیش کرے، مثلاً: یا اللہ! تجھے تیری رحمت کا واسطہ، ہمارے حال پر رحم فرما۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ (الأعراف 7:180)

''اللہ تعالیٰ کے بہت اچھے اچھے نام ہیں، اس سے ان ناموں کے ساتھ دُعا کیا کرو۔''

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں علامہ ابوعبداللہ قرطبی رحمہ اللہ (م: 671ھ) فرماتے ہیں:

قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿فَادْعُوْهُ بِهَا﴾، أَيِ اطْلُبُوا مِنْهُ بِأَسْمَائِهِ، فَيُطْلَبُ بِكُلِّ اسْمٍ مَّا يَلِيقُ بِهِ، تَقُولُ: يَا رَحِيمُ ارْحَمْنِي......

''اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: ﴿فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ (تم اسے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ پکارو)، یعنی اس سے اس کے ناموں کے وسیلے مانگو۔ ہر نام کے وسیلے اس سے ملتی جلتی چیز مانگی جائے، مثلاً اے رحیم، مجھ پر رحم فرما۔۔۔'' (الجامع لأحکام القرآن: 327/7)

② ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے نیک اعمال کا وسیلہ پیش کیا جائے، جیسا کہ:

❁ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کی ایک صفت یوں بیان کی ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

(آل عمران 3:16)

''وہ لوگ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے ہیں، لہٰذا ہمارے گناہ معاف کر دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے۔''

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں خاتمۃ المفسرین، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (م: 774ھ) فرماتے ہیں:

﴿الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَآ إِنَّنَآ اٰمَنَّا﴾، أَيْ: بِكَ وَبِكِتَابِكَ وَبِرَسُولِكَ، ﴿فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا﴾، أَيْ بِإِيمَانِنَا بِكَ وَبِمَا شَرَعْتَهُ لَنَا، فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَتَقْصِيرَنَا مِنْ أَمْرِنَا بِفَضْلِكَ وَرَحْمَتِكَ، ﴿وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾.

''مومن کہتے ہیں: اے ہمارے ربّ! ہم تجھ پر، تیری کتاب پر اور تیرے رسول پر ایمان لے آئے ہیں۔ تُو اپنے ساتھ ایمان رکھنے اور اپنی نازل کردہ شریعت کو تسلیم کرنے کے طفیل اپنے فضل ورحمت سے ہمارے گناہ معاف اور ہماری کوتاہیاں سے درگزر فرما۔''

(تفسیر القرآن العظیم:23/2)

- اسی طرح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا ایک قول اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

﴿رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِينَ﴾

(آل عمران3:53)

''اے ہمارے ربّ! ہم تیری نازل کردہ وحی پر ایمان لائے اور تیرے رسول کی پیروی کی، لہٰذا ہمارا نام بھی تصدیق کرنے والوں میں شامل فرمادے۔''

- عقل مند لوگوں کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿رَبَّنَآ إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ اٰمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ﴾ (آل عمران3:193)

''اے ہمارے ربّ! ہم نے ایک پکارنے والے کی یہ پکار سنی کہ اپنے ربّ پر ایمان لاؤ، چنانچہ ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے ربّ! (اس ایمان کے طفیل) ہمارے گناہ معاف فرما دے، ہم سے ہماری برائیاں دور کردے اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت دے۔''

ان آیاتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ دُعا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو اپنے نیک اعمال کا واسطہ دینا مشروع ہے۔ نیک اور عقل مند لوگوں کا یہی وطیرہ رہا ہے۔ مسلمانوں کو یہ جائز وسیلہ استعمال کرنا چاہیے۔

● صحیح حدیث میں اصحابِ غار والا مشہور واقعہ موجود ہے، جنھوں نے مصیبت میں اللہ تعالیٰ کو اپنے اپنے نیک اعمال کا وسیلہ پیش کیا تھا اور ان کی پریشانی رفع ہوگئی تھی۔
(صحیح البخاري: 2/883، ح: 5974، صحیح مسلم: 2/353، ح: 2743)

③ تیسری مشروع صورت یہ ہے کہ کسی زندہ، صالح اور موحّد انسان سے دعا کرائی جائے، جیسا کہ سورۂ نساء (64) میں اس کا ثبوت مذکور ہے۔ اس کی مکمل تفصیل اسی شمارے کے آئندہ صفحات میں دیکھیے۔

● صحابۂ کرام نبی اکرم ﷺ سے مصیبت اور پریشانی میں دُعا کراتے تھے۔ اس بارے میں بہت ساری احادیث موجود ہیں۔ ایک نابینا شخص نے نبی کریم ﷺ سے اپنے حق میں دعا کرائی تھی۔ (سنن الترمذي: 3578، وسندہٗ حسن)

● اسی طرح سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے دعا کرائی۔ (صحیح البخاري: 1/137، ح: 1010)

قرآن وسنت سے وسیلے کی یہی تین قسمیں ثابت ہیں۔ اہلِ سنت والجماعت کا انھی پر عمل رہا ہے اور مسلمانوں کو انھی پر اکتفا کرنا چاہیے۔

وسیلے کی ناجائز صورتیں :

ان مذکورہ تین صورتوں کے علاوہ وسیلہ کی تمام قسمیں غیر مشروع، ناجائز اور بدعت ہیں۔ بعض صورتیں یہ ہیں کہ حاضر یا غائب، زندہ یا فوت شدہ کی ذات کا وسیلہ پیش کیا جائے یا صاحبِ قبر کو یہ کہا جائے کہ آپ میرے حق میں دعا اور سفارش کریں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں یا آپ کی وفات کے بعد آپ کی ذات کا وسیلہ پیش نہیں کیا، سلف صالحین اور ائمہ محدثین سے بھی یہ قطعاً ثابت نہیں۔ پھر وسیلے کی ان ناجائز اور غیر مشروع صورتوں کو اپنانا دین کیسے بن سکتا ہے؟

وسیلے کی یہ صورتیں ایک تو اس وجہ سے غیر مشروع اور ناجائز و ممنوع ہیں کہ یہ بدعت ہیں،

قرآن وحدیث میں ان کا کوئی ثبوت نہیں اور صحابہ کرام اور سلف صالحین کا ان پر عمل نہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمانِ گرامی ہے:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا، لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا، فَهُوَ رَدٌّ))

"جو آدمی کوئی ایسا کام کرے جس پر ہمارا امر نہ ہو، وہ مردود ہے۔"

(صحیح مسلم: 2/77، 18/1877)

اسی سلسلے میں صحابیٔ رسول سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان بھی ملاحظہ فرماتے جایئے جو امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ (م: 238ھ) نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے:

أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، نَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ: عَجَبًا لِتَرْكِ النَّاسِ هٰذَا الْإِهْلَالَ، وَلِتَكْبِيرِهِمْ مَا بِي، إِلَّا أَنْ يَكُونَ التَّكْبِيرُ حَسَنًا، وَلٰكِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْتِي الْإِنْسَانَ مِنْ قِبَلِ الْإِثْمِ، فَإِذَا عُصِمَ مِنْهُ جَاءَهُ مِنْ نَحْوِ الْبِرِّ، لِيَدَعَ سُنَّةً وَلِيَبْتَدِعَ بِدْعَةً.

"سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لوگوں کے اس تلبیہ کو چھوڑ کر تکبیر کہنے پر تعجب ہے۔ میرے نزدیک تکبیر اچھی چیز ہے، لیکن شیطان انسان کے پاس گناہ کے دروازے سے آتا ہے۔ جب وہ اس داؤ سے بچ جائے تو وہ اس کے پاس نیکی کے دروازے سے آتا ہے، تاکہ وہ سنت کو چھوڑ کر بدعت کو اپنا لے۔" (مسند إسحاق بن راهويه: 482، وسندهٗ صحيح)

یاد رہے کہ امام ابن جریج رحمہ اللہ "مدلس" ہیں، لیکن ان کی امام عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ سے روایت سماع ہی پر محمول ہوتی ہے، اگرچہ وہ لفظوں میں سماع کی تصریح نہ بھی کریں۔

وہ خود بیان کرتے ہیں: عَطَاءٌ، فَأَنَا سَمِعْتُهُ مِنْهُ، وَإِنْ لَمْ أَقُلْ سَمِعْتُ.

"میں نے امام عطاء بن ابی رباح سے سنا ہوتا ہے، اگرچہ میں سننے کی صراحت نہ بھی کروں۔" (تاريخ ابن أبي خيثمة: 2/241، 247، وسندهٗ صحيح)

لہٰذا اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔ والحمد للہ!

وسیلے کی ان صورتوں کے غیر مشروع اور ناجائز ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ غلوّ پر مبنی ہیں، جبکہ نبی کریم ﷺ کا فرمانِ گرامی ہے:

((وَإِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ فِي الدِّينِ))

''تم دین میں غلوّ کرنے سے بچے رہنا، کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو دین میں غلوّ ہی نے ہلاک کر دیا تھا۔'' (مسند الإمام أحمد: 1/215، سنن النسائي: 3059، سنن ابن ماجه: 3029، مسند أبي يعلى: 2427، المستدرك على الصحيحين للحاكم: 1/466، وسندهٔ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن الجارود (473)، امام ابنِ خزیمہ (2867)، امام ابنِ حبان (3871) رحمہم اللہ نے ''صحیح'' اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اس کو امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر ''صحیح'' کہا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت بھی کی ہے۔

ہر بدعت کا منشاء دین میں غلوّ ہوتا ہے۔ غلوّ سے مراد یہ ہے کہ عبادات میں شریعت کی بیان کردہ حدود و قیود اور طریقہ ہائے کار پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ ان کی ادائیگی میں خود ساختہ طریقوں کا اضافہ کر دیا جائے۔ چونکہ دین میں غلوّ ہلاکت و بربادی کا موجب ہے، لہٰذا عبادات کو بجالانے کے سلسلے میں قرآن وسنت ہی پر اکتفا ضروری ہوتا ہے۔

سابقہ مضمون میں بیان ہو چکا ہے کہ کتاب وسنت سے وسیلے کی کون کون سی صورتیں ثابت ہیں۔قرآن وحدیث کی روشنی میں مختصراً ان کے دلائل بھی قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔اس کے برعکس بعض لوگ وسیلے کی ان صورتوں کے قائل وفاعل ہیں جو کتاب وسنت سے ثابت نہیں۔دیگر گمراہ کن عقائد کے حاملین کی طرح یہ لوگ بھی اپنے ہمنواؤں کو طفل تسلی دینے کے لیے اپنے دلائل قرآنِ کریم سے تراشنے کی کوشش کرتے ہیں،حالانکہ ان کی اختیار کردہ صورتیں کتاب و سنت سے صریحاً متصادم ہیں۔اصلاحِ احوال کی خاطر ان کی طرف سے دیئے جانے والے قرآنی دلائل کا علمی اور تحقیقی جائزہ پیشِ خدمت ہے:

دلیل نمبر ①: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (المائدۃ5:35)

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کے راستے میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو سکو۔"

تبصرہ: گزشتہ صفحات میں ہم نے بتایا تھا کہ باتفاقِ مفسرین اس آیتِ کریمہ میں وسیلے سے مراد ذاتی نیک اعمال کے ذریعے اللہ کا تقرب حاصل کرنا ہے۔بعض لوگوں کا اس سے فوت شدگان کے وسیلہ پر دلیل لینا قرآنِ مجید کی معنوی تحریف کے مترادف ہے۔آیئے اب مفسرین کرام کے اقوال با تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

امام المفسرین،علامہ ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید طبری رحمہ اللہ (م310ھ) لکھتے ہیں:

﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ يَقُولُ: وَاطْلُبُوا الْقُرْبَةَ إِلَيْهِ بِالْعَمَلِ بِمَا يُرْضِيهِ،

وَالْوَسِيلَةُ: هِيَ الْفَعِيلَةُ مِنْ قَوْلِ الْقَائِلِ: تَوَسَّلْتُ إِلَى فُلَانٍ بِكَذَا، بِمَعْنَى: تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ...... وَبِنَحْوِ الَّذِي قُلْنَا فِي ذٰلِکَ قَالَ أَهْلُ التَّأْوِيلِ، ذِكْرُ مَنْ قَالَ ذٰلِکَ: حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: ثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ، قَالَ: ثَنَا سُفْيَانُ،..... عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ: ﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ (المائدة 5: 35)، قَالَ: الْقُرْبَةُ فِي الْأَعْمَالِ.

﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ (المائدة 5: 35) (اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو)، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کو راضی کرنے والے اعمال کے ذریعے اس کا تقرب حاصل کرو۔ وسیلہ تَوَسَّلَ سے فَعِيلَةٌ کا وزن ہے جس کا معنیٰ ہوتا ہے: کسی چیز کے ذریعے کسی ذات کا تقرب حاصل کرنا۔۔۔ وسیلے کے معنیٰ ومفہوم کے بارے میں مفسرین کرام وہی کہتے ہیں جو کچھ ہم نے کہہ دیا ہے۔ ان کا تذکرہ ہم یہاں (اپنی سند سے) کیے دیتے ہیں۔ ہمیں محمد بن بشار (ثقہ، حافظ) نے بتایا۔ انہیں ابو احمد زبیری (ثقہ، ثبت) نے اور انہیں امام سفیان ثوری (ثقہ، حجۃ، فقیہ، عابد) نے بیان کیا، وہ منصور (ثقہ، ثبت) کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ (ثقہ تابعی) امام ابووائل شقیق بن سلمہ رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: ﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ (المائدة 5: 35) (اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو) کا مطلب یہ ہے کہ نیک اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرو۔'' (جامع البيان في تأويل آي القرآن: 8/403)

نحو ولغت اور عربی ادب کے امام، معروف مفسر، علامہ زمخشری (م: 538ھ) اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اَلْوَسِيلَةُ: كُلُّ مَا يُتَوَسَّلُ بِهِ، أَيْ يُتَقَرَّبُ مِنْ قَرَابَةٍ أَوْ صَنِيعَةٍ أَوْ غَيْرِ ذٰلِکَ، فَاسْتُعِيرَتْ لِمَا يُتَوَسَّلُ بِهِ إِلَى اللهِ تَعَالَى، مِنْ فِعْلِ الطَّاعَاتِ وَتَرْكِ الْمَعَاصِي، وَأَنْشَدَ لِلَبِيدٍ:

أَرَى النَّاسَ لَا يَدْرُونَ مَاقَدْرُ أَمْرِهِمْ أَلَا كُلُّ ذِي لُبٍّ إِلَى اللّٰهِ وَاسِلُ

''وسیلہ (لغوی معنی کے اعتبار سے) ہر وہ رشتہ داری یا عمل ہے جس کے ذریعے کسی کا قرب حاصل کیا جا سکے۔ پھر اس کا استعمال نیک اعمال کی بجا آوری اور معاصی سے اجتناب پر ہونے لگا اور اسی کے وسیلے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے۔ لبید کے ایک شعر کا مفہوم ہے: میں دیکھتا ہوں کہ لوگ اپنی حیثیت کا احساس نہیں کرتے، ہر عقل مند کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہیے۔'' (الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل: 628/1)

مشہور مفسر و متکلم، فلسفی و اصولی، علامہ فخر الدین رازی (م: 606ھ) فرماتے ہیں:

وَقَالَ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾، كَأَنَّهُ قِيلَ: قَدْ عَرَفْتُمْ كَمَالَ جَسَارَةِ الْيَهُودِ عَلَى الْمَعَاصِي وَالذُّنُوبِ، وَبُعْدِهِمْ عَنِ الطَّاعَاتِ الَّتِي هِيَ الْوَسَائِلُ لِلْعَبْدِ إِلَى الرَّبِّ، فَكُونُوا يَا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ! بِالضِّدِّ مِنْ ذٰلِكَ، وَكُونُوا مُتَّقِينَ عَنْ مَعَاصِي اللّٰهِ، مُتَوَسِّلِينَ إِلَى اللّٰهِ بِطَاعَاتِ اللّٰهِ.

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ (اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو)، یعنی مسلمانو! تم نے دیکھ لیا ہے کہ یہود معصیت و نافرمانی کے ارتکاب میں کس قدر جرأت سے کام لیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری، جو کہ بندے کے لیے اپنے ربّ کے تقرب کا وسیلہ ہوتا ہے، سے کتنا دور تھے۔ تم اس کے بالکل برعکس ہو جانا، اللہ کی معصیت و نافرمانی سے بچنا اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کو وسیلہ بنا کر اس کا تقرب حاصل کرتے رہنا۔''

(مفاتیح الغیب، المعروف بالتفسیر الکبیر: 349,348/11)

معروف مفسر، علامہ ابوالحسن، علی بن محمد، المعروف بہ خازن (م: 741ھ) لکھتے ہیں:

قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ أَيْ خَافُوا اللّٰهَ بِتَرْكِ

الْمَنْهِيَّاتِ، ﴿وَابْتَغُوْا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ يَعْنِي : وَاطْلُبُوا إِلَيْهِ الْقُرْبَ بِطَاعَتِهِ وَالْعَمَلِ بِمَا يَرْضَي، وَإِنَّمَا قُلْنَا ذٰلِكَ، لِأَنَّ مَجَامِعَ التَّكَالِيفِ مَحْصُورَةٌ فِي نَوْعَيْنِ، لَا ثَالِثَ لَهُمَا، أَحَدُ النَّوْعَيْنِ : تَرْكُ الْمَنْهِيَّاتِ، وَإِلَيْهِ الْإِشَارَةُ بِقَوْلِهِ: ﴿اتَّقُوا اللهَ﴾، وَالثَّانِي: التَّقَرُّبُ إِلَى اللهِ تَعَالٰى بِالطَّاعَاتِ، وَإِلَيْهِ الْإِشَارَةُ بِقَوْلِهِ: ﴿وَابْتَغُوْا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾.

''فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ﴾ (ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو)، یعنی اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کی تمام منع کردہ چیزوں سے رک جاؤ۔ ﴿وَابْتَغُوْا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ (اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو)، یعنی اس کی فرمانبرداری اور خوشنودی والے اعمال کے ذریعے اس کا تقرب حاصل کرو۔ ہم نے یہ اس لیے کہا ہے کہ تمام شرعی پابندیاں آخرکار دو قسموں میں منقسم ہو جاتی ہیں۔ ایک قسم ممنوعات سے احتراز ہے، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور دوسری قسم احکاماتِ الٰہی پر عمل کر کے اس کا تقرب حاصل کرنا ہے اور اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اس کا تقرب حاصل کرو۔'' (لباب التأويل في معاني التنزيل: 39/2)

سنی مفسر، حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (م: 774ھ) لکھتے ہیں:

وَهٰذَا الَّذِي قَالَهُ هٰؤُلَاءِ الْأَئِمَّةُ، لَا خِلَافَ بَيْنَ الْمُفَسِّرِينَ.

''ان ائمہ دین نے جو فرمایا ہے، یہ مفسرین کرام کا اتفاقی فیصلہ ہے۔''

(تفسیر ابن کثیر: 535/2)

قارئین کرام! یہ تھے امتِ مسلمہ کے معروف مفسرین جن کی زبانی آپ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر ملاحظہ فرمائی ہے۔ سب نے بالاتفاق وسیلے سے ذاتی نیک اعمال مراد لیے ہیں۔ کسی بھی تفسیر میں اس آیتِ کریمہ سے دعا میں فوت شدگان کا وسیلہ دینے کا اثبات نہیں کیا

گیا۔ حیرانی تو یہ ہے کہ ہمارے جو بھائی فروعی مسائل میں تقلید شخصی کے لازم ہونے کے لیے یہ دلیل دیتے ہیں کہ ہم ازخود قرآن وسنت کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے، وہی عقیدے کے اس مسئلے میں سب مفسرین کو "بائی پاس" کرتے ہوئے خود مفسر قرآن بن کر آیتِ مبارکہ کا ایسا بدعی اور خود ساختہ مفہوم لیتے ہیں جو اسلافِ امت میں سے کسی نے بیان نہیں کیا۔

ثابت ہوا کہ اس آیتِ کریمہ سے دعا میں فوت شدہ نیک لوگوں کی ذات یا اعمال کا وسیلہ پیش کرنے کا جواز قطعاً ثابت نہیں ہوتا، بلکہ یہ آیت تو علی الاعلان اس کی نفی کر رہی ہے، جیسا کہ:

علامہ فخر الدین رازی (544-606ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّهُ تَعَالَى حَكَى عَنْهُمْ أَنَّهُمْ قَالُوا: ﴿نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ﴾ (المائدۃ5: 18)

أَيْ: نَحْنُ أَبْنَاءُ أَنْبِيَاءِ اللَّهِ، فَكَانَ افْتِخَارُهُمْ بِأَعْمَالِ آبَائِهِمْ، فَقَالَ تَعَالَى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا! لِيَكُنْ مُفَاخَرَتُكُمْ بِأَعْمَالِكُمْ، لَا بِشَرَفِ آبَائِكُمْ وَأَسْلَافِكُمْ، فَاتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ.

"اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ: ﴿نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ﴾ (المائدۃ5: 18) (ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں)، یعنی یہود ونصاریٰ اس بات پر خوش ہوتے رہتے تھے کہ وہ انبیائے کرام کے بیٹے ہیں۔ وہ اپنے آباء واجداد کے اعمال پر فخر کرتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایمان والو! اپنے آباء واسلاف کے شرف پر فخر نہ کرو، بلکہ اپنے ذاتی اعمال ہی پر نظر رکھو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کا قرب تلاش کرو۔" (مفاتیح الغیب: 11/349)

معلوم ہوا کہ نیک بزرگوں کی شخصیات اور اسلافِ امت کے اعمال کو اپنی نجات کے لیے وسیلہ بنانا یہود ونصاریٰ کی روش تھی جسے ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی، لیکن داد دیجیے اس جرأت کی کہ بعض لوگ آج اسی آیتِ کریمہ سے فوت شدہ صالحین کا توسل ثابت کر رہے ہیں۔ العیاذ باللہ!

دلیل نمبر ②: اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾ (الاسراء17:57)

''یہ لوگ جنہیں مشرکین پکارتے ہیں، یہ تو اپنے ربّ کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔''

امام المفسرین، علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ (224-310ھ) اس آیتِ کریمہ کی تفسیر یوں فرماتے ہیں:

يَقُولُ تَعَالَىٰ ذِكْرُهُ : هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ يَدْعُوهُمْ هٰؤُلَاءِ الْمُشْرِكُونَ أَرْبَابًا ﴿يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾، يَقُولُ : يَبْتَغِي الْمَدْعُوُّونَ أَرْبَابًا إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْقُرْبَةَ وَالزُّلْفَةَ، لِأَنَّهُمْ أَهْلُ إِيمَانٍ بِهِ، وَالْمُشْرِكُونَ بِاللّٰهِ يَعْبُدُونَهُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ.

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن (نیک) لوگوں کو مشرکین اپنے ربّ سمجھے بیٹھے ہیں وہ تو خود اپنے ربّ کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں، یعنی وہ نیک لوگ اپنے ربّ کا قرب ڈھونڈتے ہیں۔ اس طرح کہ وہ اللہ کے ساتھ ایمان لاتے ہیں، جبکہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے غیراللہ کی عبادت کرتے ہیں۔'' (جامع البیان في تأویل القرآن: 17/471)

علامہ ابو اللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم سمرقندی رحمہ اللہ (م:373ھ) لکھتے ہیں:

﴿يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾، يَقُولُ : يَطْلُبُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْقُرْبَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَالْكَرَامَةَ بِالْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ.

''یہ نیک لوگ اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں، یعنی وہ نیک اعمال کے ذریعے اپنے ربّ کا قرب، اس کے ہاں فضیلت اور کرامت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔''

(بحر العلوم: 2/317)

معروف مفسرِ قرآن، حافظ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی (م:671ھ) فرماتے ہیں:

وَ"يَبْتَغُونَ" يَطْلُبُونَ مِنَ اللّٰهِ الزُّلْفَةَ وَالْقُرْبَةَ، وَيَتَضَرَّعُونَ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَىٰ فِي

طَلَبِ الْجَنَّةِ، وَهِيَ الْوَسِيلَةُ .

''وہ نیک لوگ اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے جنت کی طلب کے لیے بڑی گریہ وزاری سے کام لیتے ہیں۔ یہی وسیلہ ہے۔'' (الجامع لأحكام القرآن: 279/10)

علامہ ابوسعید عبداللہ بن عمر شیرازی بیضاوی (م: 685ھ) لکھتے ہیں:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾، هٰؤُلَاءِ الْآلِهَةُ يَبْتَغُونَ إِلَى اللّٰهِ الْقَرَابَةَ بِالطَّاعَةِ .

''فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾ (یہ لوگ جنہیں مشرکین پکارتے ہیں، یہ تو اپنے ربّ کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں)، یعنی یہ نیک لوگ اطاعت وفرمانبرداری کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔'' (أنوار التنزيل وأسرار التأويل: 259/3)

مشہور تفسیر ''جلالین'' میں اس آیت کی تفسیر یوں کی گئی ہے:

يَطْلُبُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ، الْقُرْبَةَ بِالطَّاعَةِ .

''وہ نیک لوگ (جنہیں مشرکین اپنے معبود سمجھے بیٹھے ہیں) اپنے ربّ کی طرف وسیلہ بناتے ہیں، یعنی نیک اعمال کے ذریعے اس کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔''

(تفسير الجلالين: 372)

علامہ ابوالقاسم محمود بن عمرو زمخشری (م: 538ھ) کی طرف سے اس آیت کی تفسیر یہ ہے:

ضِمْنَ يَبْتَغُونَ الْوَسِيلَةَ مَعْنَى يَحْرِصُونَ، فَكَأَنَّهُ قِيلَ: يَحْرِصُونَ أَيُّهُمْ يَكُونُ أَقْرَبَ إِلَى اللّٰهِ، وَذٰلِكَ بِالطَّاعَةِ، وَازْدِيَادِ الْخَيْرِ وَالصَّلَاحِ .

''وسیلہ تلاش کرنے میں حرص وطمع کا معنیٰ ہے، گویا کہ یوں کہا گیا ہے: وہ اس حرص میں ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا زیادہ قرب حاصل ہو جائے۔ اور یہ قرب اطاعتِ الٰہی اور خیر وبھلائی

کے کاموں میں آگے بڑھنے سے ملتا ہے۔" (الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل:2/673)

دارالعلوم دیو بند کے شیخ الحدیث جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب (م:1352ھ) کہتے ہیں:

أَمَّا قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾، فَذٰلِكَ وَإِنِ اقْتَضَى ابْتِغَاءَ وَاسِطَةٍ، لٰكِنْ لَّا حُجَّةَ فِيهِ عَلَى التَّوَسُّلِ الْمَعْرُوفِ بِالْأَسْمَاءِ فَقَطْ، وَذَهَبَ ابْنُ تَيْمِيَّةَ إِلَى تَحْرِيمِهِ، وَأَجَازَهُ صَاحِبُ الدُّرِّ الْمُخْتَارِ، وَلٰكِنْ لَّمْ يَأْتِ بِنَقْلٍ عَنِ السَّلَفِ.

"فرمانِ باری تعالیٰ ﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ اگرچہ کسی وسیلے کی تلاش کا متقاضی ہے لیکن اس آیت ِکریمہ میں ہمارے ہاں رائج ناموں کے توسل کی کوئی دلیل نہیں۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس کو حرام قرار دیتے ہیں، جبکہ صاحب ِدرِّ مختار نے اسے جائز قرار دیا ہے، البتہ انہوں نے اس بارے میں سلف سے کوئی روایت بیان نہیں کی۔" (فیض الباري:3/434)

جناب کشمیری صاحب کو اعتراف ہے کہ متاخرین احناف کا اختیار کردہ وسیلہ سلف سے منقول نہیں۔ کسی ثقہ امام نے اس آیت ِکریمہ سے توسل بالاموات یا توسل بالذوات کا نظریہ ثابت نہیں کیا۔ قرآنِ مجید کی وہی تفسیر وتعبیر معتبر ہے جو سلف سے منقول ہے۔ اس کے علاوہ سب کچھ فضول ہے۔ صاحب ِدرّ مختار کا سلف صالحین کی مخالفت میں اسے جائز قرار دینا درست نہیں۔

اسلافِ امت میں سے کسی نے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے کبھی بھی کسی فوت شدہ شخصیت کا وسیلہ پیش نہیں کیا۔ لیکن آج بعض لوگ انہی کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کو وسیلہ پیش کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی گنگا الٹی بہتی ہے۔

دلیل نمبر ③: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا﴾ (النساء4:64)

”(اے نبی!)اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آپ کے پاس آئیں، پھر اللہ سے معافی مانگیں اور ان کے لیے اللہ کا رسول بھی معافی مانگے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور نہایت رحیم پائیں گے۔“

تبصرہ: اس آیتِ مبارکہ سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ گناہ گار لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں۔ خود اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی کی سفارش کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے گا۔ ہم بتا چکے ہیں کہ زندہ لوگوں سے دعا کرانا تو مشروع وسیلہ ہے۔ اس میں کسی کو کوئی اختلاف ہی نہیں۔ اس آیتِ کریمہ میں فوت شدگان کا وسیلہ پیش کرنے سے متعلق کوئی دلیل نہیں۔ یہ آیتِ کریمہ تو ہماری دلیل ہے جو وسیلہ کی مشروع صورت پر مبنی ہے، نہ کہ ان لوگوں کی جو وسیلہ ”بالذوات و بالاموات“ کے قائل و فاعل ہیں۔

آپ ﷺ کے پاس آنے والا یہ معاملہ تو آپ کی زندگی تک محدود تھا۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد کسی صحابہ، تابعی یا ثقہ امام نے آپ ﷺ کی قبر مبارک پر آ کر آپ سے سفارش کرنے کی درخواست نہیں کی۔ صدیوں بعد بعض لوگوں نے یہ بدعت گھڑ لی اور اس کے ثبوت پیش کرنے کے لیے قرآنِ کریم میں تحریفِ معنوی شروع کر دی۔ ان کی کارروائی ملاحظہ ہو:

① ابنِ حجر ہیتمی (909-974ھ) اس آیت کے متعلق کہتے ہیں:

دَلَّتْ عَلٰی حَثِّ الْأُمَّةِ عَلَی الْمَجِيءِ إِلَیْهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، وَالِاسْتِغْفَارِ عِنْدَهُ، وَالِاسْتِغْفَارِ لَهُمْ، وَهٰذَا لَا یَنْقَطِعُ بِمَوْتِهِ، وَدَلَّتْ أَیْضًا عَلٰی تَعْلِیقِ وِجْدَانِهِمِ اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیمًا بِمَجِیئِهِمْ، وَاسْتِغْفَارِهِمْ، وَاسْتِغْفَارِ الرَّسُولِ لَهُمْ.

”یہ آیتِ کریمہ امت کو آپ ﷺ کے پاس آنے اور آپ کے پاس آ کر استغفار کرنے کی ترغیب دیتی ہے اور بتاتی ہے کہ آپ ان کے لیے استغفار کریں۔ یہ معاملہ آپ ﷺ کی وفات سے منقطع نہیں ہوا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ آپ کے پاس آئیں گے، اپنے

گناہوں کی معافی مانگیں گے اور آپ ﷺ بھی ان کے لیے استغفار کریں گے تو ہی اللہ ان کی توبہ قبول کر کے ان پر رحم فرمائے گا۔" (الجوھر المنظم، ص:12)

② حنفی مذہب کی معتبر ترین کتاب میں نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کے آداب کے ضمن میں لکھا ہے:

وَيُبَلِّغُهُ سَلَامَ مَنْ أَوْصَاهُ، فَيَقُولُ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ، يَسْتَشْفِعُ بِكَ إِلٰى رَبِّكَ، فَاشْفَعْ لَهُ وَلِجَمِيعِ الْمُسْلِمِينَ.

"(قبر مبارک کی زیارت کے لیے آنے والا) آپ ﷺ کو سلام بھیجنے والے کا سلام پہنچاتے ہوئے کہے: یا رسول اللہ! یہ فلاں بن فلاں کی طرف سے ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں آپ کی سفارش کا طلب گار ہے۔ آپ اس کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے سفارش فرما دیجیے۔" (الفتاوی الھندیۃ المعروف بہ "فتاوی عالمگیری": 282/1، طبع مصر)

③ دار العلوم دیوبند کے بانی جناب محمد قاسم نانوتوی (1248-1297ھ) اس آیت کریمہ کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں، آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو، آپ کا وجودِ تربیت تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہے کہ قبر میں زندہ ہوں۔"

(آب حیات، ص:40)

④ جناب ظفر احمد عثمانی تھانوی دیوبندی (م:1394ھ) لکھتے ہیں:

فَثَبَتَ أَنَّ حُكْمَ الْآيَةِ بَاقٍ بَعْدَ وَفَاتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

"ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ کا حکم آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔"

(إعلاء السنن: 330/10)

⑤ علی بن عبد الکافی سبکی (683-756ھ) بھی لکھتے ہیں کہ یہ آیت اس بارے

میں صریح ہے۔(شفاء السقام، ص:128)

⑥ علی بن عبداللہ بن احمد سمہودی (844-911ھ) نے لکھا ہے:

وَالْعُلَمَاءُ فَهِمُوا مِنَ الْآيَةِ الْعُمُومَ بِحَالَتَيِ الْمَوْتِ وَالْحَيَاةِ، وَاسْتَحَبُّوا لِمَنْ أَتَى الْقَبْرَ أَنْ يَتْلُوَهَا وَيَسْتَغْفِرَ اللّٰهَ تَعَالٰى، وَحِكَايَةُ الْأَعْرَابِيِّ فِي ذٰلِكَ نَقَلَهَا جَمَاعَةٌ مِّنَ الْأَئِمَّةِ عَنِ الْعُتْبِيِّ.

''علماء نے اس آیت سے موت اور زندگی دونوں حالتوں کا عموم سمجھا ہے اور انہوں نے قبر مبارک پر جا کر اس آیت کی تلاوت کرنے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنے کو مستحب قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک بدوی والی حکایت کو ائمہ کی ایک جماعت نے عتبی سے نقل کیا ہے۔''

(وفاء الوفاء:411/2)

سلف صالحین میں سے تو کوئی بھی ایسا نہیں کہتا، بعد کے لوگوں کی تفسیر فہم دین میں کوئی مقام نہیں رکھتی۔ سلف میں کون سے علماء نے اس آیت سے وفاتِ نبوی کے بعد بھی آپ ﷺ سے استغفار کرانے کا فہم لیا ہے؟

علامہ سبکی نے بھی یہی بات کی تھی۔ ان کا رد کرتے ہوئے ان کے ایک ہم عصر عالم، حافظ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ (704-744ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ فَهِمَ هٰذَا مِنْ سَلَفِ الْأُمَّةِ وَأَئِمَّةِ الْإِسْلَامِ، فَاذْكُرْ لَنَا عَنْ رَّجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ أَوِ التَّابِعِينَ، أَوْ تَابِعِي التَّابِعِينَ أَوِ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ، أَوْ غَيْرِهِمْ مِّنَ الْأَئِمَّةِ وَأَهْلِ الْحَدِيثِ وَالتَّفْسِيرِ أَنَّهُ فَهِمَ الْعُمُومَ بِالْمَعْنَى الَّذِي ذَكَرْتَهُ، أَوْ عَمِلَ بِهِ أَوْ أَرْشَدَ إِلَيْهِ، فَدَعْوَاكَ عَلَى الْعُلَمَاءِ بِطَرِيقِ الْعُمُومِ هٰذَا الْفَهْمَ دَعْوٰي بَاطِلَةٌ ظَاهِرَةُ الْبُطْلَانِ.

''اسلافِ امت اور ائمہ اسلام میں سے کس نے اس آیت سے یہ سمجھا ہے؟ ہمیں صحابہ

عَلِمَ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مِمَّا يُسْتَحَبُّ وَيُؤْمَرُ بِهِ، بَلِ الْمَنْقُولُ الثَّابِتُ عَنْهُ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَهْيِهِ عَنِ اتِّخَاذِ قَبْرِهِ عِيدًا وَوَثَنًا، وَعَنِ اتِّخَاذِ الْقُبُورِ مَسَاجِدَ.

''اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو نفاق چھوڑ کر توبہ کرنے کی دعوت دی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے ساتھ کمال رحمت ہے کہ گناہ سے پہلے اپنی اطاعت کا حکم دیتا ہے اور گناہ کے بعد معافی مانگنے کا۔ دونوں صورتوں میں اللہ اپنے بندوں کے لیے نہایت مشفق ہے۔۔۔کسی انسان کا رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر آنا اور کہنا کہ میرے لیے استغفار کریں، میرے لیے رب سے سوال کریں، میرے لیے دعا کریں، یا آپ کی غیر موجودگی میں اس کا کہنا کہ اللہ کے رسول! میرے لیے دعا کیجیے، میرے لیے مغفرت مانگیے، میرے لیے اپنے رب سے فلاں فلاں سوال کیجیے۔ یہ ایسا کام ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ قرونِ ثلاثہ کے معروف اسلافِ امت میں سے کسی نے ایسا کام نہیں کیا، نہ اس کام کو ان میں سے کوئی جانتا تھا۔ اگر یہ کام مستحب ہوتا تو سلف صالحین اس پر کاربند ہوتے اور یہ ان کے ہاں معروف و مشہور ہوتا اور ان سے منقول ہوتا۔ جب اس طرح کا کام گناہوں کی معافی اور حاجت روائی کا سبب ہو تو اس کو انجام دینے اور اس کو روایت کرنے کے اسباب و وسائل بہت زیادہ ہوتے ہیں، خصوصاً ان لوگوں میں جو بھلائی کے کاموں کے بڑے حریص تھے۔ جب ان لوگوں سے ایسا کرنا معروف و منقول نہیں تو معلوم ہو گیا کہ یہ کام نہ مستحب ہے، نہ فرض۔ اس کے برعکس بحکمِ الٰہی، رسولِ اکرم ﷺ کا اپنی قبر کو میلہ گاہ اور بت بنانے اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے منع کرنا ثابت ہے۔''

(قاعدة في المحبة: 2/190، جامع الرسائل: 375,376)

نیز فرماتے ہیں: وَأَيْضًا فَإِنَّ طَلَبَ شَفَاعَتِهِ وَدُعَائِهِ وَاسْتِغْفَارِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ، وَعِنْدَ قَبْرِهِ لَيْسَ مَشْرُوعًا عِنْدَ أَحَدٍ مِّنْ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ، وَلَا ذَكَرَ هٰذَا أَحَدٌ

مِّنَ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ وَأَصْحَابِهِمِ الْقُدَمَاءِ .

''پھر یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی قبر کے پاس آ کر سفارش، دعا اور استغفار طلب کرنا ائمہ مسلمین میں سے کسی کے ہاں جائز نہیں۔ ائمہ اربعہ اور ان کے متقدمین شاگردوں میں سے کسی نے اس کا ذکر بھی نہیں کیا۔'' (مجموع الفتاوی:1/241)

مفتی احمد یار خان نعیمی گجراتی صاحب (1324-1391ھ) لکھتے ہیں:

''اس آیت میں ظلم، ظالم، زمان ومکان، کسی قسم کی قید نہیں۔ ہر قسم کا مجرم، ہر زمانے میں، خواہ کسی قسم کا جرم کر کے تمہارے آستانہ پر آ جاوے اور (جَاؤُوكَ) میں یہ قید نہیں کہ مدینہ مطہرہ میں ہی آئے، بلکہ ان کی طرف توجہ کرنا بھی ان کی بارگاہ میں حاضری ہے۔ اگر مدینہ پاک کی حاضری نصیب ہو جائے تو زہے نصیب۔۔۔'' (نور العرفان، ص:138)

مفتی صاحب نے کلامِ الٰہی کا ایسا مطلب ومعنیٰ بیان کیا ہے جو سلف صالحین کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔ اپنی طرف سے کلامِ الٰہی کی تفسیر کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ مفتی صاحب کو نہ خوف الٰہی دامن گیر ہوا، نہ سلف کی مخالفت پر انہیں کوئی پشیمانی ہوئی، نہ ان کو دیانتِ علمی کا ذرا بھی احساس ہوا۔ کیا کیا جائے؟!!!

اب آیتِ کریمہ کے متعلق ان لوگوں کی طرف سے شبہات کا تفصیلی جواب ذکر کیے دیتے ہیں تاکہ قارئین کو مفید معلومات فراہم ہو سکیں۔

حافظ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ (704-744ھ) اسی بارے میں فرماتے ہیں:

فَأَمَّا اسْتِدْلَالُهُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاؤُوكَ﴾ (النساء4:64)، فَالْكَلَامُ فِيهَا فِي مَقَامَيْنِ، أَحَدُهُمَا: عَدَمُ دَلَالَتِهَا عَلَى مَطْلُوبِهِ، اَلثَّانِي: بَيَانُ دَلَالَتِهَا عَلَى نَقِيضِهِ، وَإِنَّمَا يَتَبَيَّنُ الْأَمْرَانِ بِفَهْمِ الْآيَةِ، وَمَا أُرِيدَ بِهَا وَسِيقَتْ لَهُ، وَمَا فَهِمَهُ مِنْهَا أَعْلَمُ الْأُمَّةِ بِالْقُرْآنِ وَمَعَانِيهِ، وَهُمْ سَلَفُ الْأُمَّةِ وَمَنْ

کرام، تابعین عظام، تبع تابعین، ائمہ اربعہ یا اہل حدیث وتفسیر میں سے کسی ایک شخص سے بھی دکھا دو کہ اس نے اس آیت سے وہ عموم سمجھا ہو جو تم نے ذکر کیا ہے یا اس نے اس پر عمل کیا ہو یا اس کی طرف رہنمائی کی ہو۔تمہارا سارے علمائے کرام کے بارے میں اس آیت میں یہ عموم سمجھنے کا دعویٰ کرنا صریح باطل اور جھوٹا دعویٰ ہے۔'' (الصارم المنكي في الرد على السبكي، ص:321)

رہی بدوی والی حکایت تو اسے علمائے کرام نے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ذکر کیا ہے، نہ کہ حجت اور دلیل بنانے کے لیے۔ بہت سے علمائے کرام نے اس من گھڑت قصے کی قلعی کھولی ہے۔اس کی حقیقت اسی مضمون میں واضح کردی گئی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) اس بارے میں فرماتے ہیں:

فَدَعَاهُمْ سُبْحَانَهُ بَعْدَ مَا فَعَلُوهُ مِنَ النِّفَاقِ إِلَى التَّوْبَةِ، وَهٰذَا مِنْ كَمَالِ رَحْمَتِهِ بِعِبَادِهِ يَأْمُرُهُمْ قَبْلَ الْمَعْصِيَةِ بِالطَّاعَةِ، وَبَعْدَ الْمَعْصِيَةِ بِالِاسْتِغْفَارِ وَهُوَ رَحِيمٌ بِهِمْ فِي كِلَا الْأَمْرَيْنِ ..... فَأَمَّا مَجِيءُ الْإِنْسَانِ إِلَى الرَّسُولِ عِنْدَ قَبْرِهِ، وَقَوْلُهُ: اِسْتَغْفِرْ لِي، أَوْ سَلْ لِي رَبَّكَ، أَوِ ادْعُ لِي، أَوْ قَوْلُهُ فِي مَغِيبِهِ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)! أُدْعُ لِي، أَوِ اسْتَغْفِرْ لِي، أَوْ سَلْ لِي رَبَّكَ كَذَا وَكَذَا، فَهٰذَا لَا أَصْلَ لَهُ، وَلَمْ يَأْمُرِ اللّٰهُ بِذٰلِكَ، وَلَا فَعَلَهُ وَاحِدٌ مِّنْ سَلَفِ الْأُمَّةِ الْمَعْرُوفِينَ فِي الْقُرُونِ الثَّلَاثَةِ، وَلَا كَانَ ذٰلِكَ مَعْرُوفًا بَيْنَهُمْ، وَلَوْ كَانَ هٰذَا مِمَّا يُسْتَحَبُّ لَكَانَ السَّلَفُ يَفْعَلُونَ ذٰلِكَ، وَلَكَانَ ذٰلِكَ مَعْرُوفًا فِيهِمْ، بَلْ مَشْهُورًا بَيْنَهُمْ وَمَنْقُولًا عَنْهُمْ، فَإِنَّ مِثْلَ هٰذَا إِذَا كَانَ طَرِيقًا إِلَى غُفْرَانِ السَّيِّئَاتِ وَقَضَاءِ الْحَاجَاتِ لَكَانَ مِمَّا تَتَوَافَرُ الْهِمَمُ وَالدَّوَاعِي عَلَى فِعْلِهِ وَعَلَى نَقْلِهِ، لَا سِيَّمَا فِيمَنْ كَانُوا أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى الْخَيْرِ، فَإِذَا لَمْ يُعْرَفْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَفْعَلُونَ ذٰلِكَ، وَلَا نَقَلَهُ أَحَدٌ عَنْهُمْ،

سلک سبيلهم، ولم يفهم منها أحد من السلف والخلف إلا المجيء إليه في حياته ليستغفر لهم، وقد ذم تعالى من تخلف عن هذا المجيء إذا ظلم نفسه وأخبر أنه من المنافقين، فقال تعالى: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُم مُّسْتَكْبِرُونَ﴾ (المنافقون 63:5)، وكذلک هذه الآية إنما هي في المنافق الذي رضي بحكم كعب بن الأشرف وغيره من الطواغيت دون حكم رسول الله صلى الله عليه وسلم، فظلم نفسه بهذا أعظم ظلم، ثم لم يجيء إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ليستغفر له، فإن المجيء إليه ليستغفر له توبة وتنصل من الذنب، وهذه كانت عادة الصحابة معه صلى الله عليه وسلم أن أحدهم متى صدر منه ما يقتضي التوبة جاء إليه، فقال: يا رسول الله! فعلت كذا وكذا فاستغفر لي، وكان هذا فرقا بينهم وبين المنافقين، فلما استأثر الله عز وجل نبيه صلى الله عليه وسلم، ونقله من بين أظهرهم إلى دار كرامته، لم يكن أحد منهم قط يأتي إلى قبره ويقول: يا رسول الله! فعلت كذا وكذا فاستغفر لي، ومن نقل هذا عن أحد منهم فقد جاهر بالكذب والبهت، وافترى على الصحابة والتابعين، وهم خير القرون على الإطلاق، هذا الواجب الذي ذم الله سبحانه من تخلف عنه، وجعل التخلف عنه من أمارات النفاق، ووفق له من لا توبة له من الناس ولا يعد في أهل العلم، وكيف أغفل هذا الأمر أئمة الإسلام وهداة الأنام من أهل الحديث والفقه والتفسير ومن لهم لسان صدق في الأمة، فلم يدعوا إليه، ولم يحضوا عليه، ولم

يُرْشِدُوا إِلَيْهِ، وَلَمْ يَفْعَلْهُ أَحَدٌ مِّنْهُمْ اَلْبَتَّةَ، بَلِ الْمَنْقُولُ الثَّابِتُ عَنْهُمْ مَّا قَدْ عُرِفَ، مِمَّا يَسُوءُ الْغُلَاةَ فِيمَا يَكْرَهُهُ وَيَنْهَي عَنْهُ، مِنَ الْغُلُوِّ وَالشِّرْكِ، اَلْجُفَاةَ عَمَّا يُحِبُّهُ وَيَأْمُرُ بِهِ مِنَ التَّوْحِيدِ وَالْعُبُودِيَّةِ، وَلَمَّا كَانَ هٰذَا الْمَنْقُولُ شَجًا فِي حُلُوقِ الْغُلَاةِ، وَقَذًى فِي عُيُونِهِمْ، وَرِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ، قَابَلُوهُ بِالتَّكْذِيبِ، وَالطَّعْنِ فِي النَّاقِلِ، وَمَنْ أَسْتَحْيَى مِنْهُمْ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْآثَارِ، قَابَلَهُ بِالتَّحْرِيفِ وَالتَّبْدِيلِ، وَيَأْبَى اللّٰهُ إِلَّا أَنْ يُعْلِيَ مَنَارَ الْحَقِّ، وَيُظْهِرَ أَدِلَّتَهُ لِيَهْتَدِيَ الْمُسْتَرْشِدُ وَتَقُومَ الْحُجَّةُ عَلَى الْمُعَانِدِ، فَيُعْلِي اللّٰهُ بِالْحَقِّ مَنْ يَّشَاءُ، وَيَضَعُ بِرَدِّهِ وَبَطَرِهِ وَغَمْصِ أَهْلِهِ مَنْ يَّشَاءُ، وَيَا لِلّٰهِ الْعَجَبُ أَكَانَ ظُلْمُ الْأُمَّةِ لِأَنْفُسِهَا، وَنَبِيُّهَا حَيٌّ بَيْنَ أَظْهُرِهَا مَوْجُودٌ، وَقَدْ دُعِيَتْ فِيهِ إِلَى الْمَجِيءِ إِلَيْهِ لِيَسْتَغْفِرَ لَهَا وَذُمَّ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْ هٰذَا الْمَجِيءِ، فَلَمَّا تُوُفِّيَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْتَفَعَ ظُلْمُهَا لِأَنْفُسِهَا، بِحَيْثُ لَا يَحْتَاجُ أَحَدٌ مِّنْهُمْ إِلَى الْمَجِيءِ إِلَيْهِ لِيَسْتَغْفِرَ لَهُ؟ وَهٰذَا يُبَيِّنُ أَنَّ هٰذَا التَّأْوِيلَ الَّذِي تَأَوَّلَ عَلَيْهِ الْمُعْتَرِضُ هٰذِهِ الْآيَةَ تَأْوِيلٌ بَاطِلٌ قَطْعًا، وَلَوْ كَانَ حَقًّا لَّسَبَقُونَا إِلَيْهِ عِلْمًا وَّعَمَلًا وَّإِرْشَادًا وَّنَصِيحَةً، وَلَا يَجُوزُ إِحْدَاثُ تَأْوِيلٍ فِي آيَةٍ أَوْ سُنَّةٍ لَّمْ يَكُنْ عَلَى عَهْدِ السَّلَفِ وَلَا عَرَفُوهُ وَلَا بَيَّنُوهُ لِلْأُمَّةِ، فَإِنَّ هٰذَا يَتَضَمَّنُ أَنَّهُمْ جَهِلُوا الْحَقَّ فِي هٰذَا وَضَلُّوا عَنْهُ، وَاهْتَدَى إِلَيْهِ هٰذَا الْمُعْتَرِضُ الْمُسْتَأْخِرُ، فَكَيْفَ إِذَا كَانَ التَّأْوِيلُ يُخَالِفُ تَأْوِيلَهُمْ وَيُنَاقِضُهُ، وَبُطْلَانُ هٰذَا التَّأْوِيلِ أَظْهَرُ مِنْ أَنْ يُّطْنَبَ فِي رَدِّهِ، وَإِنَّمَا نُنَبِّهُ عَلَيْهِ بَعْضَ التَّنْبِيهِ، وَمِمَّا يَدُلُّ عَلَى بُطْلَانِ تَأْوِيلِهِ قَطْعًا أَنَّهُ لَا يَشُكُّ مُسْلِمٌ أَنَّ مَنْ دُعِيَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَيَاتِهِ، وَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ.

لِيَسْتَغْفِرَ لَهُ فَأَعْرَضَ عَنِ الْمَجِيءِ وَأَبَاهُ مَعَ قُدْرَتِهِ عَلَيْهِ، كَانَ مَذْمُومًا غَايَةَ الذَّمِّ مَغْمُوصًا بِالنِّفَاقِ، وَلَا كَذٰلِكَ مَنْ دُعِيَ إِلَى قَبْرِهِ لِيَسْتَغْفِرَ لَهُ، وَمَنْ سَوَّى بَيْنَ الْأَمْرَيْنِ وَبَيْنَ الْمَدْعُوَّيْنِ وَبَيْنَ الدَّعْوَتَيْنِ، فَقَدْ جَاهَرَ بِالْبَاطِلِ، وَقَالَ: عَلَى اللّٰهِ وَكَلَامِهِ وَرَسُولِهِ وَأُمَنَاءِ دِينِهِ غَيْرَ الْحَقِّ، وَأَمَّا دَلَالَةُ الْآيَةِ عَلَى خِلَافِ تَأْوِيلِهِ، فَهُوَ أَنَّهُ سُبْحَانَهُ صَدَّرَهَا بِقَوْلِهِ: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ﴾ (النساء 4: 64)، وَهٰذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ مَجِيئَهُمْ إِلَيْهِ لِيَسْتَغْفِرَ لَهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ طَاعَةً لَّهُ، وَلِهٰذَا ذَمَّ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْ هٰذِهِ الطَّاعَةِ، وَلَمْ يَقُلْ مُسْلِمٌ: إِنَّ عَلَى مَنْ ظَلَمَ نَفْسَهُ بَعْدَ مَوْتِهِ أَنْ يَذْهَبَ إِلَى قَبْرِهِ وَيَسْأَلَهُ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لَهُ، وَلَوْ كَانَ هٰذَا طَاعَةً لَّهُ لَكَانَ خَيْرُ الْقُرُونِ قَدْ عَصَوْا هٰذِهِ الطَّاعَةَ وَعَطَّلُوهَا وَوُفِّقَ لَهَا هٰؤُلَاءِ الْغُلَاةُ الْعُصَاةُ، وَهٰذَا بِخِلَافِ قَوْلِهِ: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (النساء 4: 65)، فَإِنَّهُ نَفَى الْإِيمَانَ عَمَّنْ لَّمْ يُحَكِّمْهُ، وَتَحْكِيمُهُ هُوَ تَحْكِيمُ مَا جَاءَ بِهِ حَيًّا أَوْ مَيِّتًا، فَفِي حَيَاتِهِ كَانَ هُوَ الْحَاكِمَ بَيْنَهُمْ بِالْوَحْيِ، وَبَعْدَ وَفَاتِهِ نُوَّابُهُ وَخُلَفَاؤُهُ، يُوَضِّحُ ذٰلِكَ أَنَّهُ قَالَ: «لَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا»، وَلَوْ كَانَ يُشْرَعُ لِكُلِّ مُذْنِبٍ أَنْ يَأْتِيَ إِلَى قَبْرِهِ لِيَسْتَغْفِرَ لَهُ، لَكَانَ الْقَبْرُ أَعْظَمَ أَعْيَادِ الْمُذْنِبِينَ، وَهٰذِهِ مُضَادَّةٌ صَرِيحَةٌ لِّدِينِهِ وَمَا جَاءَ بِهِ.

وَالْمُعْتَرِضُ قَرَّرَ هٰذَا التَّأْوِيلَ عَلَى تَقْدِيرِ حَيَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَوْتِهِ، وَقَدْ تَبَيَّنَ بُطْلَانُهُ، وَلَوْ قُدِّرَ أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ فِي قَبْرِهِ، مَعَ أَنَّ هٰذَا التَّأْوِيلَ الْبَاطِلَ إِنَّمَا يَتِمُّ بِهِ، وَقَوْلُهُ: إِنَّ مِنْ شَفَقَتِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أُمَّتِهِ

أَنَّهُ لَا يُتْرَكُ الِاسْتِغْفَارُ لِمَنْ جَاءَ مِنْ أُمَّتِهِ، فَهٰذَا مِنْ أَبْيَنِ الْأَدِلَّةِ عَلَى بُطْلَانِ هٰذَا التَّأْوِيلِ، فَإِنَّ هٰذَا لَوْ كَانَ مَشْرُوعًا بَعْدَ مَوْتِهِ لَأَمَرَ بِهِ أُمَّتَهُ وَحَضَّهُمْ عَلَيْهِ وَرَغَّبَهُمْ فِيهِ، وَلَكَانَ الصَّحَابَةُ وَتَابِعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ أَرْغَبَ شَيْءٍ فِيهِ وَأَسْبَقَ إِلَيْهِ، وَلَمْ يُنْقَلْ عَنْ أَحَدٍ مِّنْهُمْ قَطُّ، وَهُمُ الْقُدْوَةُ، بِنَوْعٍ مِّنْ أَنْوَاعِ الْأَسَانِيدِ أَنَّهُ جَاءَ إِلَى قَبْرِهِ لِيَسْتَغْفِرَ لَهُ، وَلَا شَكَى إِلَيْهِ وَلَا سَأَلَهُ، وَالَّذِي صَحَّ عَنْهُ مِنَ الصَّحَابَةِ مَجِيءُ الْقَبْرِ هُوَ ابْنُ عُمَرَ وَحْدَهُ، إِنَّمَا كَانَ يَجِيءُ لِلتَّسْلِيمِ عَلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى صَاحِبَيْهِ عِنْدَ قُدُومِهِ مِنْ سَفَرٍ، وَلَمْ يَكُنْ يَزِيدُ عَلَى التَّسْلِيمِ شَيْئًا الْبَتَّةَ، وَمَعَ هٰذَا فَقَدْ قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْعُمَرِيُّ، الَّذِي هُوَ أَجَلُّ أَصْحَابِ نَافِعٍ مَوْلَى ابْنِ عُمَرَ، أَوْ مِنْ أَجَلِّهِمْ، لَا نَعْلَمُ أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ ذٰلِكَ إِلَّا ابْنَ عُمَرَ، وَمَعْلُومٌ أَنَّهُ لَا هَدْيَ أَكْمَلُ مِنْ هَدْيِ الصَّحَابَةِ، وَلَا تَعْظِيمَ لِلرَّسُولِ فَوْقَ تَعْظِيمِهِمْ، وَلَا مَعْرِفَةَ لِقَدْرِهِ فَوْقَ مَعْرِفَتِهِمْ، فَمَنْ خَالَفَهُمْ إِمَّا أَنْ يَكُونَ أَهْدٰى مِنْهُمْ، أَوْ مُرْتَكِبًا لِّنَوْعِ بِدْعَةٍ، كَمَا قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُودٍ لِّقَوْمٍ قَدْ رَآهُمُ اجْتَمِعُوا عَلَى ذِكْرٍ يَقُولُونَهُ بَيْنَهُمْ: لَأَنْتُمْ أَهْدٰى مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ، أَوْ أَنْتُمْ عَلَى شُعْبَةِ ضَلَالَةٍ، فَتَبَيَّنَ أَنَّهُ لَوْ كَانَ اسْتِغْفَارُهُ لِمَنْ جَاءَهُ مُسْتَغْفِرًا بَعْدَ مَوْتِهِ مُمْكِنًا، أَوْ مَشْرُوعًا لَكَانَ كَمَالُ شَفَقَتِهِ وَرَحْمَتِهِ، بَلْ رَأْفَةُ مُرْسِلِهِ وَرَحْمَتُهُ بِالْأُمَّةِ يَقْتَضِي تَرْغِيبَهُمْ فِي ذٰلِكَ وَحَضُّهُمْ عَلَيْهِ وَمُبَادَرَةُ خَيْرِ الْقُرُونِ إِلَيْهِ، وَأَمَّا قَوْلُ الْمُعْتَرِضِ: وَأَمَّا الْآيَةُ وَإِنْ وَرَدَتْ فِي أَقْوَامٍ مُّعَيَّنِينَ فِي حَالِ الْحَيَاةِ، فَإِنَّهَا تَعُمُّ بِعُمُومِ الْعِلَّةِ فَحَقٌّ، فَإِنَّهَا تَعُمُّ مَا وَرَدَتْ فِيهِ، وَكَانَ مِثْلُهُ عَامَّةً فِي حَقِّ كُلِّ مَنْ ظَلَمَ

نَفْسَهُ وَجَاءَهُ كَذٰلِكَ، وَأَمَّا دَلَالَتُهَا عَلَى الْمَجِيءِ إِلَيْهِ فِي قَبْرِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ فَقَدْ عُرِفَ بُطْلَانُهُ، وَقَوْلُهُ: وَكَذٰلِكَ فَهِمَ الْعُلَمَاءُ مِنَ الْآيَةِ الْعُمُومَ فِي الْحَالَتَيْنِ، فَيُقَالُ لَهُ: مَنْ فَهِمَ هٰذَا مِنْ سَلَفِ الْأُمَّةِ وَأَئِمَّةِ الْإِسْلَامِ، فَاذْكُرْ لَنَا عَنْ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ أَوِ التَّابِعِينَ، أَوْ تَابِعِي التَّابِعِينَ أَوِ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ، أَوْ غَيْرِهِمْ مِنَ الْأَئِمَّةِ وَأَهْلِ الْحَدِيثِ وَالتَّفْسِيرِ أَنَّهُ فَهِمَ الْعُمُومَ بِالْمَعْنَى الَّذِي ذَكَرْتَهُ، أَوْ عَمِلَ بِهِ أَوْ أَرْشَدَ إِلَيْهِ، فَدَعْوَاکَ عَلَى الْعُلَمَاءِ بِطَرِيقِ الْعُمُومِ هٰذَا الْفَهْمَ دَعْوَى بَاطِلَةٌ ظَاهِرَةُ الْبُطْلَانِ.

''سورۂ نساء کی آیت نمبر 64 سے بھی سبکی نے استدلال کیا ہے۔ ہم اس بارے میں دو طرح کا تبصرہ کریں گے۔ ایک تو یہ کہ اس آیت سے اس کا مدعا ثابت نہیں ہوتا اور دوسرے یہ کہ یہ آیت اس کے مذہب کے خلاف ہے۔ یہ دونوں باتیں آیتِ کریمہ، اس کی صحیح تفسیر، سیاقِ کلام اور سلف اور ان کی پیروی کرنے والے لوگوں کے فہم پر غور کرنے سے بالکل واضح ہو جاتی ہیں۔ اسلافِ امت ہی قرآنِ کریم اور اس کے معانی کو ساری امت سے بڑھ کر سمجھتے تھے۔ سلف اور (ان کے متبعین) خلف میں سے کسی نے اس آیتِ کریمہ سے آپ ﷺ کی زندگی میں آپ سے استغفار کرانے کے لیے آنے کے سوا کچھ نہیں سمجھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی مذمت کی ہے جو گناہ کرنے کے بعد آپ ﷺ کے پاس نہیں آتا اور اسے منافق قرار دیا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ﴾ (المنافقون 63:5) (اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمہارے لیے اللہ کے رسول استغفار کریں، تو وہ اعراض کرتے ہیں اور آپ انہیں تکبر سے منہ پھیرتے ہوئے دیکھتے ہیں)۔ زیرِ بحث آیتِ کریمہ بھی اسی مفہوم کی ہے۔ اس میں اُس منافق کا تذکرہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو چھوڑ کر کعب بن اشرف اور دیگر طاغوتوں کے

فیصلے پر راضی ہوا۔ یوں اُس نے اپنی جان پر بہت بڑا ظلم کیا۔ پھر وہ آپ ﷺ کے پاس بھی نہیں آیا کہ آپ اس کے لیے استغفار کریں۔ آپ ﷺ کی خدمت میں استغفار کرانے کے لیے حاضر ہو جانا توبہ کی قبولیت اور گناہوں کی معافی کا پروانہ تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہی عادت مبارکہ تھی۔ ان میں سے کسی سے جب کوئی ایسی لغزش صادر ہو جاتی جس پر توبہ ضروری ہوتی تو وہ آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرتے: اللہ کے رسول! میں فلاں فلاں غلطی کا مرتکب ہو گیا ہوں، لہٰذا میرے لیے استغفار کیجیے۔ صحابہ کرام اور منافقین میں یہی بات فرق کرتی تھی۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو فوت کیا اور مؤمنوں کی رفاقت سے نکال کر اپنے دارِ کرامت میں منتقل کر لیا تو کوئی بھی صحابی آپ ﷺ کی قبر پر نہیں آتا تھا اور یہ نہیں کہتا تھا کہ اللہ کے رسول! مجھ سے فلاں گناہ سرزد ہو گیا ہے، لہٰذا میرے لیے اللہ سے معافی کی درخواست کریں۔ جو شخص کسی صحابی سے کوئی ایسی روایت نقل کرتا ہے، وہ صریح طور پر جھوٹا اور واضح طور پر بہتان تراش ہے۔ (جب ایسی کوئی روایت موجود نہیں تو نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد بھی آپ سے استغفار طلب کرنے والے) نے مطلق طور پر خیر القرون قرار پانے والے تمام صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین پر (نفاق کا) جھوٹا الزام لگایا ہے کہ وہ اس فرض کو ترک کیے ہوئے تھے جس سے پیچھے رہنے والوں کی اللہ تعالیٰ نے مذمت کی ہے اور جس سے پیچھے رہنے کو نفاق کی علامت بتایا ہے۔ محدثین، فقہاء اور مفسرین ائمہ دین جو کہ پوری دنیا کے رہنما تھے اور جن کا تذکرۂ خیر پوری امت کرتی ہے، وہ اس فرض سے کیونکر غافل رہے؟ انہوں نے نہ اس کی طرف دعوت دی، نہ لوگوں کو اس کی ترغیب دی، نہ اس کی طرف رہنمائی کی، نہ ان میں سے کبھی کسی نے ایسا کوئی کام کیا۔ کیا اس فرض کی ادائیگی ان لوگوں نے کی، جن کی کوئی اہمیت نہیں، نہ وہ اہل علم میں شمار کیے جاتے ہیں؟ اسلافِ امت سے تو وہی باتیں منقول ہیں جو غالی لوگوں کو بری لگتی ہیں، یعنی غلو اور شرک سے ممانعت اور توحید و عبودیت کی دعوت۔ جب یہ مرویاتِ سلف غالی لوگوں کے حلق کا کانٹا، ان کی آنکھ کا تنکا اور ان کے دل کا روگ بن جاتی ہیں تو وہ انہیں جھٹلانا اور

ان کے راویوں میں طعن کرنا شروع کر دیتے ہیں، نیز علمِ حدیث میں درک رکھنے والوں سے جب ان کا پالا پڑتا ہے تو وہ تحریف سے کام لینے لگتے ہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ منارۂ حق ہی کو بلند رکھتا ہے تاکہ راہِ حق کے متلاشیوں کو ہدایت مل سکے اور دشمنانِ حق پر حجت قائم ہو جائے۔اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، حق کی پیروی کرنے پر بلند کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے، حق کو ٹھکرانے، تکبر کرنے اور اہل حق کو حقیر جاننے کی بنا پر رسوا کر دیتا ہے۔یہ تو بہت تعجب خیز بات ہے کہ امت اپنی جانوں پر ظلم صرف اسی وقت کرتی تھی جب رسولِ اکرم ﷺ ان کے پاس موجود تھے اور اسی وقت انہیں آپ ﷺ سے استغفار کرانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دیا گیا اور آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہونے والوں کو سخت وعید سنائی گئی لیکن جب آپ ﷺ فوت ہو گئے تو امت کے ظلم ختم ہو گئے اور اب ان میں سے کسی کو آپ ﷺ کے پاس جانے کی ضرورت نہ رہی؟؟؟ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سبکی کی طرف سے کی گئی آیتِ کریمہ کی تفسیر یقیناً باطل ہے۔اگر یہ تفسیر حق ہوتی تو صحابہ و تابعین اور ائمہ دین اس کے علم و عمل اور تبلیغ و نصیحت میں ہم سے بہت آگے ہوتے (یعنی وہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد قبرِ نبوی پر حاضر ہو کر اپنے لیے استغفار کی درخواست کرتے لیکن ان سے ایسا کچھ منقول نہیں)۔کسی آیت یا حدیث کی کوئی ایسی تفسیر ایجاد کرنا جائز نہیں جو سلف کے دور میں نہیں ہوئی، نہ ان کے علم میں آئی اور نہ انہوں نے امت کے لیے اس تفسیر کو بیان کیا۔ایسی تفسیر کرنے سے تو یہ لازم آتا ہے کہ اسلافِ امت حق سے جاہل اور بھٹکے رہے، جبکہ حق کا علم اس بعد والے معترض کو ہو گیا!!! جب بعد والوں کی تفسیر اسلاف کی تفسیر کے معارض و مخالف ہو اور اس کا بطلان بغیر لمبی چوڑی بحث و تمحیص کے نہایت واضح ہو تو مذکورہ صورت ہی لازم آتی ہے۔ہم اس پر کچھ مزید تنبیہات کریں گے۔۔۔یہ بات بھی سبکی کی تفسیر کو قطعی طور پر باطل قرار دیتی ہے کہ ہر مسلمان کو یقینی طور پر معلوم ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی زندگی میں جس نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اسے آپ ﷺ سے استغفار کرانے کی دعوت دی گئی لیکن اس نے باوجود قدرت کے آنے سے اعراض کیا، وہ انتہائی مذموم شخص ہے اور اسے منافق قرار دیا

جائے گا، لیکن آپ ﷺ کی وفات کے بعد اگر کسی شخص کو آپ کی قبر کے پاس آ کر استغفار کی درخواست کرنے کی دعوت دی جائے اور وہ اسے ٹھکرا دے، تو اس پر یہ حکم نہیں لگے گا۔ جو ان دونوں معاملوں، دونوں شخصوں اور دونوں دعوتوں کا ایک ہی حکم بیان کرے گا، وہ باطل کا علمبردار ہوگا اور اللہ تعالیٰ، اس کے کلام، اس کے رسول اور اس کے دین کے محافظوں پر جھوٹ باندھنے کا مرتکب ہوگا۔۔۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ یہ آیتِ کریمہ سبکی کی تفسیر کی مخالفت کیسے کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کا آغاز یوں فرمایا کہ: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ﴾ (النساء4: 64) (ہم نے ہر رسول کو اس لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے کے بعد آپ کے پاس آ جائیں۔۔۔)، اس سے معلوم ہوا کہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے کے بعد آپ ﷺ کے پاس آنا اطاعتِ نبوی کا نام ہے، اسی لیے اس اطاعت کی طرف نہ آنے والے کی مذمت کی گئی۔ جبکہ آج تک کسی مسلمان نے یہ نہیں کہا کہ گناہگار پر نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی قبر پر حاضر ہونا اور اپنے لیے استغفار کی درخواست کرنا فرض ہے۔ اگر یہ اطاعتِ نبوی پر مبنی کام ہے تو بہترین زمانوں والے مسلمان (صحابہ و تابعین و تبع تابعین) کیا اس حکم کی نافرمانی کرتے رہے؟ اور کیا اس حکم کی بجا آوری ان غالیوں اور نافرمانوں نے کی؟ یہ بات تو اس فرمانِ باری تعالیٰ کے بھی خلاف ہے کہ: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (النساء4: 65) (آپ کے رب کی قسم، یہ لوگ اس وقت تک ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک وہ اپنے جھگڑوں کا فیصلہ لے کر آپ کے پاس نہ آ جائیں)۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس شخص سے ایمان کی نفی کر دی ہے جو فیصلے کے لیے آپ ﷺ کے پاس نہیں آتا۔ یہ فیصلہ آپ ﷺ کی زندگی میں بھی آپ ہی سے کرایا جائے گا اور آپ کی وفات کے بعد بھی۔ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ ﷺ وحیٔ الٰہی کی روشنی میں خود فیصلہ فرماتے تھے اور آپ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے نائبین اور خلفاء یہ کام کرنے لگے۔ پھر اس کی مزید

وضاحت اس فرمانِ نبوی سے ہوتی ہے کہ میری قبر کو میلہ گاہ مت بنانا (مسند الإمام أحمد: 367/2، سنن أبي داود، 2041، وسندہٗ حسن)۔ اگر ہر گناہگار کے لیے استغفار کی خاطر نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر جانا مشروع ہو تو وہ گناہگاروں کی سب سے بڑی میلہ گاہ بن جائے گی اور یہ سلسلہ آپ ﷺ کے دین اور تعلیمات کے سراسر خلاف ہوگا۔

سبکی کا کہنا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضری کا تعلق آپ کی حیات و وفات دونوں حالتوں سے ہے۔ اس تفسیر کا باطل ہونا تو نہایت واضح ہو چکا ہے۔ سبکی کی تفسیر کا تقاضا یہ ہے اور ان کے ایک دوسرے قول کا مطلب بھی یہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی قبر مبارک میں (دنیاوی زندگی کے ساتھ) زندہ ہیں۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے تو خود یہی بات اس کی تفسیر کو رد کرنے کے لیے کافی ہے۔ وہ اس طرح کہ اگر آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ سے استغفار کی درخواست کرنا شریعت میں جائز ہوتا تو آپ ﷺ اپنی امت کو اس کا حکم فرماتے اور ان کو اس کی ترغیب دیتے، پھر صحابہ کرام اور ان کے سچے متبعین سب سے بڑھ کر اس کی طرف رغبت اور سبقت کرتے۔ صحابہ کرام ہی ہمارے لیے مشعل راہ ہیں، ان میں سے کسی ایک سے بھی کسی ضعیف سند کے ساتھ بھی یہ منقول نہیں کہ وہ آپ ﷺ کی قبر پر استغفار طلب کرنے، شکایت کرنے یا کچھ مانگنے آئے ہوں۔ صحابہ میں سے صرف سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں جن سے آپ ﷺ کی قبر مبارک پر آنا ثابت ہے اور وہ بھی صرف سفر سے واپسی پر آپ کو اور آپ کے صاحبین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کو سلام کہنے کے لیے آتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ قطعاً کچھ بھی نہیں کرتے تھے۔ پھر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے غلام نافع کے سب سے عظیم شاگرد عبید اللہ بن عمر العمری ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سوائے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے، کسی بھی صحابی کو نہیں جانتے جو ایسا کرتا ہو۔ یہ بات تو تسلیم شدہ ہے کہ صحابہ کرام کا طریقہ کامل ترین طریقہ ہے اور رسولِ اکرم ﷺ کی جو تعظیم انہوں نے کی، اس سے بڑھ کر کوئی تعظیم کر ہی نہیں سکتا، نیز آپ ﷺ کی قدر و قیمت کو صحابہ کرام سے بڑھ کر کوئی نہیں پہچان سکتا۔ جو شخص صحابہ کرام کی مخالفت کرے گا، وہ یا تو (نعوذ باللہ) ان

سے بڑھ کر ہدایت یافتہ ہوگا (اور ایسا ممکن ہی نہیں) یا پھر ایک بدعت کا مرتکب ہوگا (اور یقیناً ایسا ہی ہوگا)۔سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو ایک جگہ جمع دیکھا، وہ باہم مل کر ایک ذکر کر رہے تھے۔ان کو دیکھ کر انہوں نے فرمایا: یا تو تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے بڑھ کر ہدایت یافتہ ہو یا پھر ایک گمراہی کے مرتکب ہو (مسند الدارمي: 68/1، 69، وفي نسخة (بتحقيق حسين سليم أسد):1/286، 287، وسندهٔ حسنٌ)۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قبر مبارک پر آنے والے کے لیے آپ کا استغفار کرنا ممکن ہوتا یا شریعت میں اس کا جواز ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال شفقت ورحمت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنے والے اللہ کی رحمت ورافت اس چیز کی متقاضی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں اپنی امت کو ترغیب دیتے اور خیر القرون کے لوگ اس میں سبقت کرتے۔سبکی کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں کچھ خاص لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی لیکن یہ آیت اپنی علت کے اعتبار سے عام ہے۔۔۔تو یہ بات درست ہے۔ہم بھی کہتے ہیں کہ جو بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں گناہ کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں استغفار کی درخواست لے کر حاضر ہوا، اس کی توبہ قبول کر لی گئی۔رہی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قبر مبارک پر آنے کی، تو اس کا بطلان ہماری گزشتہ معروضات سے معلوم ہو چکا ہے۔سبکی کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس آیت کریمہ سے علمائے کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ووفات دونوں حالتوں میں آپ سے استغفار طلب کرنے کا عموم سمجھا ہے۔ہمارا اس سے سوال ہے کہ اسلافِ امت اور ائمہ اسلام میں سے کس نے اس آیت سے یہ سمجھا ہے؟ ہمیں صحابہ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین، ائمہ اربعہ یا اہل حدیث وتفسیر میں سے کسی ایک شخص سے بھی دکھا دو کہ اس نے اس آیت سے وہ عموم سمجھا ہو جو تم نے ذکر کیا ہے یا اس نے اس پر عمل کیا ہو یا اس کی طرف رہنمائی کی ہو۔تمہارا سارے علمائے کرام کے بارے میں اس آیت سے یہ عموم سمجھنے کا دعویٰ صریح باطل اور جھوٹا دعویٰ ہے۔۔۔‘‘

(الصارم المنكي في الرد على السبكي، ص: 317-321)

اس آیتِ کریمہ کے متعلق ہم علامہ فہامہ، محمد بشیر سہسوانی ہندی رحمہ اللہ (1252-1326ھ) کی فیصلہ کن گفتگو پر بات کو ختم کرتے ہیں۔ ایک شخص [احمد بن زینی دحلان (م:1304ھ)] نے اسی مسئلے پر الدرر السنیۃ في الرد علی الوھابیۃ نامی ایک رسالہ لکھا تھا، علامہ موصوف نے اس کا بھرپور علمی رد کیا۔ اسی ضمن میں لکھتے ہیں:

أَقُولُ: فِي هٰذَا الِاسْتِدْلَالِ فَسَادٌ مِّنْ وُجُوهٍ؛ الْأَوَّلُ: إِنَّ قَوْلَهُ: دَلَّتِ الْآيَةُ عَلٰى حَثِّ الْأُمَّةِ عَلَى الْمَجِيءِ إِلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَاذَا أَرَادَ بِهِ؟ إِنْ أَرَادَ حَثَّ جَمِيعِ الْأُمَّةِ فَغَيْرُ مُسَلَّمٍ، فَإِنَّ الْآيَةَ وَرَدَتْ فِي قَوْمٍ مُّعَيَّنِينَ كَمَا سَيَأْتِي، وَلَيْسَ هُنَاكَ لَفْظٌ عَامٌّ حَتّٰى يُقَالَ: الْعِبْرَةُ لِعُمُومِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوصِ الْمَوْرِدِ، بَلِ الْأَلْفَاظُ الدَّالَّةُ عَلَى الْأُمَّةِ الْوَاقِعَةُ فِي هٰذِهِ الْآيَةِ كُلُّهَا ضَمَائِرُ، وَقَدْ ثَبَتَ فِي مَقَرِّهٖ أَنَّ الضَّمَائِرَ لَا عُمُومَ لَهَا، وَلِذَا لَمْ يَتَشَبَّثْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُسْتَدِلِّينَ بِهٰذِهِ الْآيَةِ عَلَى الْقُرْبَةِ مِنَ التَّقِيِّ السُّبْكِيِّ وَالْقَسْطَلَانِيِّ وَابْنِ حَجَرٍ الْمَكِّيِّ بِعُمُومِ اللَّفْظِ، حَتّٰى إِنَّ صَاحِبَ الرِّسَالَةِ أَيْضًا لَمْ يَذْكُرْهُ. وَأَمَّا مَا قَالَ صَاحِبُ الرِّسَالَةِ تَبَعًا لِلتَّقِيِّ السُّبْكِيِّ وَالْقَسْطَلَانِيِّ وَابْنِ حَجَرٍ الْمَكِّيِّ مِنْ أَنَّ الْآيَةَ تَعُمُّ بِعُمُومِ الْعِلَّةِ، فَفِيهِ أَنَّهُ عَلٰى هٰذَا التَّقْدِيرِ لَا يَكُونُ الدَّلِيلُ كِتَابَ اللّٰهِ بَلِ الْقِيَاسُ، وَقَدْ فَرَضَ أَنَّ الدَّلِيلَ كِتَابُ اللّٰهِ، عَلٰى أَنَّ الْمُعْتَبَرَ عِنْدَ مَنْ يَّقُولُ بِحُجَّةِ الْقِيَاسِ قِيَاسُ الْمُجْتَهِدِ الَّذِي سَلِمَ اجْتِهَادُهُ الْجَامِعِ لِلشُّرُوطِ الْمُعْتَبَرَةِ فِيهِ، الْمَذْكُورَةِ فِي عِلْمِ الْأُصُولِ، وَتَحَقُّقُ كِلَا الْأَمْرَيْنِ فِيمَا نَحْنُ فِيهِ مَمْنُوعٌ، كَيْفَ وَصَاحِبُ الرِّسَالَةِ مِنَ الْمُقَلِّدِينَ، وَالْمُقَلِّدُ لَا يَكُونُ مِنْ أَهْلِ الِاجْتِهَادِ، مَعَ أَنَّ الِاجْتِهَادَ عِنْدَ الْمُقَلِّدِينَ قَدِ انْقَطَعَ بَعْدَ الْأَئِمَّةِ

الْأَرْبَعَةِ، بَلِ الْمُقَلِّدُ لَا يَصْلُحُ لِأَنْ يَسْتَدِلَّ بِوَاحِدٍ مِنَ الْأَدِلَّةِ الشَّرْعِيَّةِ، وَمَا لَهُ وَلِلدَّلِيلِ؟ فَإِنَّ مَنْصِبَهُ قُبُولُ قَوْلِ الْغَيْرِ بِلَا دَلِيلٍ، فَذِكْرُ صَاحِبِ الرِّسَالَةِ الْأَدِلَّةَ الشَّرْعِيَّةَ هُنَاكَ خِلَافُ مَنْصِبِهِ، وَإِنْ أَرَادَ حَثَّ بَعْضِ الْأُمَّةِ فَلَا يَتِمُّ التَّقْرِيبُ.

وَالثَّانِي: أَنَّ صَاحِبَ الرِّسَالَةِ جَعَلَ الْمَجِيءَ إِلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَارِدَ فِي الْآيَةِ عَامًّا شَامِلًا لِلْمَجِيءِ إِلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَيَاتِهِ، وَلِلْمَجِيءِ إِلَى قَبْرِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَمَاتِهِ، وَلَمْ يَدْرِ أَنَّ اللَّفْظَ الْعَامَّ لَا يَتَنَاوَلُ إِلَّا مَا كَانَ مِنْ أَفْرَادِهِ، وَالْمَجِيءُ إِلَى قَبْرِ الرَّجُلِ لَيْسَ مِنْ أَفْرَادِ الْمَجِيءِ إِلَى الرَّجُلِ، لَا لُغَةً وَلَا شَرْعًا وَلَا عُرْفًا، فَإِنَّ الْمَجِيءَ إِلَى الرَّجُلِ لَيْسَ مَعْنَاهُ إِلَّا الْمَجِيءَ إِلَى عَيْنِ الرَّجُلِ، وَلَا يُفْهَمُ مِنْهُ أَصْلًا أَمْرٌ زَائِدٌ عَلَى هٰذَا، فَإِنِ ادَّعَى مُدَّعٍ فَهْمَ ذٰلِكَ الْأَمْرِ الزَّائِدِ مِنْ هٰذَا اللَّفْظِ، فَنَقُولُ لَهُ: هَلْ يُفْهَمُ مِنْهُ كُلُّ أَمْرٍ زَائِدٍ، أَوْ كُلُّ أَمْرٍ زَائِدٍ يَصِحُّ إِضَافَتُهُ إِلَى الرَّجُلِ، أَوِ الْأَمْرُ الْخَاصُّ أَيِ الْقَبْرُ؟ وَالشِّقُّ الْأَوَّلُ مِمَّا لَا يَقُولُ بِهِ أَحَدٌ مِنَ الْعُقَلَاءِ، فَإِنِ اخْتِيرَ الشِّقُّ الثَّانِي يُقَالُ: يَلْزَمُ عَلَى قَوْلِكَ الْفَاسِدِ أَنْ يُطْلَقَ الْمَجِيءُ إِلَى الرَّجُلِ عَلَى الْمَجِيءِ إِلَى بَيْتِ الرَّجُلِ، وَإِلَى أَزْوَاجِهِ، وَإِلَى أَوْلَادِهِ، وَإِلَى أَصْحَابِهِ، وَإِلَى عَشِيرَتِهِ وَإِلَى أَقَارِبِهِ، وَإِلَى قَوْمِهِ، وَإِلَى أَتْبَاعِهِ، وَإِلَى أُمَّتِهِ، وَإِلَى مَوْلِدِهِ، وَإِلَى مَجَالِسِهِ، وَإِلَى آبَارِهِ، وَإِلَى بَسَاتِينِهِ، وَإِلَى مَسْجِدِهِ، وَإِلَى بَلَدِهِ، وَإِلَى سِكَكِهِ، وَإِلَى دِيَارِهِ، وَإِلَى مَهْجَرِهِ، وَهٰذَا لَا يَلْتَزِمُهُ إِلَّا جَاهِلٌ غَبِيٌّ، وَإِنِ الْتَزَمَهُ أَحَدٌ فَيَلْزَمُهُ أَنْ يَلْتَزِمَ أَنَّ الْآيَةَ دَالَّةٌ عَلَى قُرْبَةِ الْمَجِيءِ إِلَى الْأَشْيَاءِ الْمَذْكُورَةِ كُلِّهَا، وَهٰذَا مِنْ أَبْطَلِ الْأَبَاطِيلِ، وَإِنِ اخْتِيرَ الشِّقُّ الثَّالِثُ، فَيُقَالُ: مَا

الدَّلِيلُ عَلٰى هٰذَا الْفَهْمِ؟ وَلَنْ تَجِدَ عَلَيْهِ دَلِيلًا مِّنَ اللُّغَةِ وَالْعُرْفِ وَالشَّرْعِ، أَمَا تَرٰى أَنَّ أَحَدًا مِّنَ الْمُوَافِقِينَ وَالْمُخَالِفِينَ لَا يَقُولُ فِي قَبْرِ غَيْرِ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَهُ أَحَدٌ أَنَّهُ جَاءَ ذٰلِكَ الرَّجُلَ، وَلَا يَفْهَمُ أَحَدٌ مِّنَ الْعُقَلَاءِ مِنْ هٰذَا الْقَوْلِ أَنَّهُ جَاءَ قَبْرَ ذٰلِكَ الرَّجُلِ، فَتَحَصَّلَ مِنْ هٰذَا أَنَّ الْمَجِيءَ إِلَى الرَّجُلِ أَمْرٌ، وَالْمَجِيءَ إِلٰى قَبْرِ الرَّجُلِ أَمْرٌ آخَرُ، كَمَا أَنَّ الْمَجِيءَ إِلَى الرَّجُلِ أَمْرٌ، وَالْمَجِيءَ إِلَى الْأُمُورِ الْمَذْكُورَةِ أُمُورٌ أُخَرُ، لَيْسَ أَحَدُهَا فَرْدًا لِلْآخَرِ. إِذَا تَقَرَّرَ هٰذَا فَالْقَوْلُ بِشُمُولِ الْمَجِيءِ إِلَى الرَّسُولِ الْمَجِيءَ إِلَى الرَّسُولِ وَالْمَجِيءَ إِلٰى قَبْرِ الرَّسُولِ، كَالْقَوْلِ بِشُمُولِ الْإِنْسَانِ الْإِنْسَانَ وَالْفَرَسَ، وَهٰذَا هُوَ تَقْسِيمُ الشَّيْءِ إِلٰى نَفْسِهِ وَإِلٰى غَيْرِهِ، وَهُوَ بَاطِلٌ بِإِجْمَاعِ الْعُقَلَاءِ، وَهٰكَذَا جَعَلَ الْاِسْتِغْفَارَ عِنْدَهُ عَامًّا شَامِلًا لِلْاِسْتِغْفَارِ عِنْدَهُ فِي حَيَاتِهِ وَلِلْاِسْتِغْفَارِ عِنْدَ الْقَبْرِ بَعْدَ مَمَاتِهِ، مَعَ أَنَّ الْاِسْتِغْفَارَ عِنْدَ قَبْرِهِ لَيْسَ مِنْ أَفْرَادِ الْاِسْتِغْفَارِ عِنْدَهُ، فَإِنْ قُلْتَ: لَا تَقُولُ: إِنَّ الْمَجِيءَ إِلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَامِلٌ لِلْمَجِيءِ إِلَيْهِ فِي حَيَاتِهِ وَلِلْمَجِيءِ إِلٰى قَبْرِهِ بَعْدَ مَمَاتِهِ حَتّٰى يَرِدَ مَا أَوْرَدْتُّمْ، بَلْ نَقُولُ: إِنَّ الْمَجِيءَ إِلَيْهِ شَامِلٌ لِلْمَجِيءِ إِلَيْهِ فِي حَيَاتِهِ الدُّنْيَوِيَّةِ الْمَعْهُودَةِ وَالْمَجِيءِ إِلَيْهِ فِي حَيَاتِهِ الْبَرْزَخِيَّةِ، وَلَمَّا كَانَ الْمَجِيءُ إِلَيْهِ فِي حَيَاتِهِ الْبَرْزَخِيَّةِ مُسْتَلْزِمًا لِلْمَجِيءِ إِلٰى قَبْرِهِ، ثَبَتَ مِنَ الْآيَةِ الْمَجِيءُ إِلٰى قَبْرِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي هُوَ الْمُسَمّٰى بِزِيَارَةِ الْقَبْرِ، قُلْنَا: لَا سَبِيلَ إِلٰى إِثْبَاتِ الْحَيَاةِ الْبَرْزَخِيَّةِ مِنْ لُّغَةٍ وَّلَا عُرْفٍ، فَلَا يُفْهَمُ مِنْ هٰذَا اللَّفْظِ -بِحَسْبِ اللُّغَةِ وَالْعُرْفِ- إِلَّا الْمَجِيءَ إِلَيْهِ فِي حَيَاتِهِ الدُّنْيَوِيَّةِ الْمَعْهُودَةِ، فَلَا

يَكُونُ الْمَجِيءُ إِلَيْهِ فِي حَيَاتِهِ الْبَرْزَخِيَّةِ فَرْدًا لِلْمَجِيءِ إِلَيْهِ بِحَسْبِ اللُّغَةِ وَالْعُرْفِ، إِنَّمَا تَثْبُتُ الْحَيَاةُ الْبَرْزَخِيَّةُ بِبَيَانِ الشَّرْعِ، لٰكِنْ يَبْقَى الْكَلَامُ فِي أَنَّ كَوْنَ الْمَجِيءِ إِلَيْهِ فِي حَيَاتِهِ الْبَرْزَخِيَّةِ فَرْدًا مِّنَ الْمَجِيءِ إِلَيْهِ، هَلْ يَثْبُتُ مِنَ الشَّرْعِ أَمْ لَا؟ وَعَلَى مُدَّعِي الثُّبُوتِ الْبَيَانُ.

''سبکی نے قبرِ نبوی پر جا کر استغفار طلبی کے لیے قرآنِ کریم کی سورۂ نساء کی ایک آیت (64) سے استدلال کیا ہے،لیکن یہ استدلال کئی وجہ سے غلط ہے۔ ① سبکی نے کہا ہے کہ اس آیت میں امت کو آپ ﷺ کے پاس آنے کی ترغیب دی گئی ہے۔نہ جانے لفظِ امت سے ان کی کیا مراد ہے؟ اگر انہوں نے ساری امت مراد لی ہے تو یہ نا قابلِ تسلیم بات ہے کیونکہ یہ آیت تو مخصوص لوگوں کے لیے نازل ہوئی تھی اور اس میں کوئی ایسا عام لفظ بھی نہیں جس کے پیشِ نظر یہ کہا جا سکے کہ خاص سببِ نزول کا نہیں، بلکہ لفظ کی عمومیت کا اعتبار ہوگا۔اس آیتِ کریمہ میں امت پر دلیل بننے والے جتنے بھی الفاظ ہیں، وہ سب ضمیریں ہیں اور خود باقرارِ سبکی یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ ضمیروں میں عموم نہیں ہوتا۔یہی وجہ ہے کہ اس آیت سے استدلال کرنے والوں، مثلاً تقی سبکی، قسطلانی اور ابن حجر مکی، میں سے کسی نے بھی لفظ کی عمومیت کو دلیل نہیں بنایا،حتی کہ اس صاحبِ رسالہ (ابنِ دحلان) نے بھی اس کا ذکر تک نہیں کیا۔البتہ اس نے سبکی، قسطلانی اور ابن حجر مکی کی نقالی میں یہ کہا ہے کہ اس آیت کا حکم اپنی علت کے عام ہونے کی وجہ سے عام ہے،لیکن اس صورت میں اس کی دلیل قرآنِ کریم نہیں، بلکہ ذاتی قیاس ہے۔اس نے سمجھ یہ رکھا ہے کہ اس کی دلیل قرآنِ کریم ہے، حالانکہ قیاس کی حجیت کے قائل لوگوں کے نزدیک وہ قیاس معتبر ہے جو ایک تو نصوصِ شرعیہ کے خلاف نہ ہو، دوسرے اس میں وہ تمام معتبر شرائط موجود ہوں جو کتبِ علمِ اصول میں مذکور ہیں۔یہ قیاس ان دونوں باتوں پر پورا نہیں اترتا۔ اس کی بڑی واضح دلیل یہ ہے کہ ابنِ دحلان مُقلِّد ہے اور مقلد اجتہاد کر ہی نہیں سکتا۔پھر مقلدین کے نزدیک ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل ﷭) کے بعد

اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ مقلد کے لیے شرعی دلائل سے استدلال کرنا جائز ہی نہیں۔ مقلد کا دلیل سے کیا واسطہ؟ اس کا کام تو بس کسی امتی کے قول کو بلا دلیل تسلیم کرنا ہے۔ صاحبِ رسالہ کا منصب اس کو شرعی دلائل سے استدلال کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ بات تو اس وقت ہے جب وہ اس آیت سے ساری امت مراد لے۔ اگر وہ کہے کہ اس آیت میں بعض امت مراد ہے، تو اس کا مقصود پورا ہی نہیں ہوتا۔ ② ابن دحلان نے مذکورہ آیت ِ کریمہ میں رسولِ اکرم ﷺ کے پاس آنے کو عام قرار دیا ہے اور اس میں آپ ﷺ کی حیات ِ مبارکہ میں آنا اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی قبر مبارک پر آنا، دونوں کو شامل کیا ہے۔ اس کی سمجھ میں یہ بات بھی نہیں آسکی کوئی بھی عام لفظ صرف اور صرف ان چیزوں کے لیے عام ہوتا ہے جو اس لفظ کے تحت داخل ہوتی ہیں۔ کسی شخص کی قبر پر آنا لغوی، شرعی اور عرفی کسی بھی طور پر اس شخص کے پاس آنے کے مترادف نہیں ہے۔ کسی کے پاس آنے کا مطلب صرف اور صرف اس کی ذات کے پاس آنا ہوتا ہے۔ اس سے زائد کچھ سمجھنا قطعاً غلط ہے۔ اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اس سے زائد بھی کچھ سمجھا جا سکتا ہے تو ہمارا اس سے سوال ہے کہ اس لفظ میں ہر زائد چیز شامل ہو گی یا وہ ہر زائد چیز جس کا تعلق اس شخص سے ہو گا یا صرف قبر ہی؟ پہلی بات، یعنی ہر زائد چیز کو عموم میں شامل کرنے کے بارے میں کوئی ذی شعور آدمی نہیں کہہ سکتا۔ اگر دوسری بات اختیار کی جائے، یعنی اس شخص سے تعلق رکھنے والی تمام چیزیں اس عموم میں شامل ہیں، تو اس فاسد قول سے یہ لازم آئے گا کہ کسی کے گھر آنے سے، اس کی بیوی کے پاس آنے سے، اس کی اولاد کے پاس آنے سے، اس کے دوستوں کے پاس آنے سے، اس کے خاندان کے پاس آنے سے، اس کے رشتہ داروں کے پاس آنے سے، اس کی قوم کے پاس آنے سے، اس کے پیروکاروں کے پاس آنے سے، اس کی امت کے پاس آنے سے، اس کی جائے پیدائش پر آنے سے، اس کی نشست گاہوں پر آنے سے، اس کے کنوؤں پر آنے سے، اس کے باغات میں آنے سے، اس کی مسجد میں آنے سے، اس کے علاقے، اس کی گلیوں اور اس کے محلوں میں آنے سے اور اس کی

ہجرت گاہ میں آنے سے، اس کی ذات کے پاس آنا مراد ہے۔ایسی بات تو کوئی جاہل اور بد دماغ ہی کر سکتا ہے۔اب اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس آنا، آپ کی ذات کے پاس آنے کے مترادف ہے، تو اسے یہ بھی کہنا پڑے گا کہ آپ ﷺ سے تعلق رکھنے والی مذکورہ چیزوں کے پاس آنا بھی آپ ہی کے پاس آنا ہے اور یہ ابطل الاباطیل ہے۔اگر وہ شخص کہے کہ میں تیسری چیز کو اختیار کرتا ہوں، یعنی میں صرف قبر مبارک پر آنا ہی آپ ﷺ کی ذات کے پاس آنے کے مترادف سمجھتا ہوں، تو اس سے پوچھا جائے گا: تمہارے پاس اس فہم کی کیا دلیل ہے؟ اس پر آپ کو لغت، عرف اور شریعت سے کوئی دلیل نہیں ملے گی۔اس موقف کے موافقین ومخالفین میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ کسی امتی کی قبر پر جانے سے مراد صاحبِ قبر کے پاس جانا ہے۔کوئی عاقل کسی کی قبر پر جانے کو صاحبِ قبر کے پاس جانا نہیں سمجھتا۔اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح کسی شخص کے پاس جانے اور اس سے تعلق رکھنے والی ان مذکورہ چیزوں کے پاس جانے میں فرق ہے، اسی طرح کسی شخص کے پاس جانا اور بات ہے، جبکہ اس کی قبر پر جانا اور بات۔ان میں کوئی بھی چیز دوسری چیز کا مترادف نہیں۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی تو رسولِ اکرم ﷺ کے پاس آنے میں آپ ﷺ کے پاس آنے اور آپ کی قبر پر آنے، دونوں کو شامل کرنا گویا انسان میں انسان اور گھوڑے، دونوں کو شامل کرنا ہے۔اس سے تو کسی چیز کو اپنے اور غیر میں تقسیم کرنا لازم آتا ہے۔عقل مندوں کے ہاں ایسا کرنا باطل ہے۔یہی کام ابنِ دحلان نے کیا ہے کہ آپ ﷺ کے پاس آ کر استغفار کرنا، آپ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ کی ذات کے پاس آنے اور آپ کی وفات کے بعد قبر مبارک کے پاس آنے، دونوں صورتوں کو شامل کر دیا ہے، حالانکہ آپ ﷺ کی قبر مبارک کے پاس استغفار کرنا، خود آپ ﷺ کے پاس آ کر استغفار کرنے کے مترادف نہیں۔اگر یہ لوگ کہیں کہ ہم یہ اعتراض لازم ہی نہیں آنے دیتے۔ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ کے پاس آنے سے مراد آپ کی حیاتِ مبارکہ میں آنا اور آپ کی وفات کے بعد آنا ہے، بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ آپ کے پاس آنے سے مراد آپ کی دنیوی زندگی میں آنا اور

آپ کی برزخی زندگی میں آنا ہے۔ جب برزخی زندگی میں آپ کے پاس آنا اسی صورت ممکن ہے کہ ہم آپ ﷺ کی قبر مبارک پر آئیں، یعنی زیارتِ قبر نبوی کریں، تو اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ آپ ﷺ کی قبر پر آ کر استغفار کرنا جائز ہے۔۔۔ تو ہم عرض کریں گے کہ لغت و عرف کے اعتبار سے آیتِ کریمہ یہی بتاتی ہے کہ اس سے مراد آپ ﷺ کی دنیاوی زندگی ہی میں آنا ہے۔ کیونکہ لغت و عرف کسی بھی اعتبار سے برزخی زندگی میں آپ کی قبر مبارک کے پاس آنا، آپ ﷺ کے پاس آنے کے مترادف نہیں۔ برزخی زندگی تو شریعت کے بیان کرنے سے ثابت ہو گئی، البتہ یہ بات باقی رہ گئی کہ شریعت میں اس برزخی زندگی میں آنا، دنیوی زندگی میں آنے کے مترادف ہے کہ نہیں؟ اور اس کا ثبوت مدعی ہی کے ذمے ہے۔۔۔"

(صیانۃ الإنسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان، ص:28-31)

اس طویل بحث سے ثابت ہوا کہ بعض لوگوں کا آیتِ کریمہ سے اپنا من مانا مفہوم نکالنا باطل ہے۔ قبر رسول پر جا کر معافی کی درخواست کرنا بدعت ہے۔ اگر یہ دین ہوتا تو سلف صالحین ضرور اس کو اختیار کرتے، کیونکہ وہ خیر و بھلائی کے بڑے حریص تھے۔ باقی علمائے کرام نے اس آیت کے تحت جو حکایات و روایات ذکر کی ہیں، وہ مستند نہیں ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

قبر نبوی سے توسل والی روایات کا تجزیہ

روایت نمبر ①: ابو حرب ہلالی کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے فریضۂ حج ادا کیا، پھر وہ مسجد نبوی کے دروازے پر آیا، وہاں اپنی اونٹنی بٹھا کر اسے باندھنے کے بعد مسجد میں داخل ہو گیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی قبر مبارک کے پاس آیا اور آپ کے پاؤں مبارک کی جانب کھڑا ہو گیا اور کہا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! پھر ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو سلام کیا، پھر آپ ﷺ کی قبر مبارک کی طرف بڑھا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں گناہ گار ہوں، اس لیے آیا ہوں تا کہ اللہ کے ہاں آپ کو وسیلہ بنا سکوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ

نے اپنی کتاب قرآنِ کریم میں فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ (النساء 4: 64) (اے نبی!) اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آپ کے پاس آئیں، پھر اللہ سے معافی مانگیں اور ان کے لیے اللہ کا رسول بھی معافی مانگے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور نہایت رحیم پائیں گے)۔"

(شعب الایمان للبیهقي: 3/495، ح: 4178، وفي نسخة: 3880)

حالانکہ یہ سخت قسم کی "ضعیف" روایت ہے، کیونکہ:

① محمد بن روح بن یزید مصری راوی کے حالات نہیں مل سکے۔

② ابوحرب ہلالی کون ہے؟ معلوم نہیں۔

③ عمرو بن محمد بن عمرو بن الحسین کے نہ حالات ملے ہیں، نہ توثیق۔

یہ "مجہول" راویوں میں سے کسی کی کارستانی ہے۔ ایسی روایت سے دلیل لینا اہل حق کا وطیرہ نہیں۔

حافظ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ (705-744ھ) فرماتے ہیں: بِإِسْنَادٍ مُظْلِمٍ.

"یہ واقعہ سخت مجہول سند سے مروی ہے۔"

(الصارم المنكي في الرد على السبكي، ص: 384)

روایت نمبر ②:

ابوالجوزاء اوس بن عبد اللہ تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

قُحِطَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ قَحْطًا شَدِيدًا، فَشَكَوْا إِلَى عَائِشَةَ، فَقَالَتْ: اُنْظُرُوا قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاجْعَلُوا مِنْهُ كِوًى إِلَى السَّمَاءِ، حَتَّى لَا يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ، قَالَ: فَفَعَلُوا، فَمُطِرْنَا مَطَرًا حَتَّى نَبَتَ الْعُشْبُ، وَسَمِنَتِ الْإِبِلُ، حَتَّى تَفَتَّقَتْ مِنَ الشَّحْمِ، فَسُمِّيَ عَامَ الْفَتْقِ.

"ایک مرتبہ اہل مدینہ سخت قحط میں مبتلا ہو گئے، انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے (اس کیفیت کے بارے میں) شکایت کی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس جاؤ اور وہاں سے ایک کھڑکی آسمان کی طرف اس طرح کھولو کہ قبر اور آسمان کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ رہے۔ راوی کہتا ہے کہ لوگوں نے اسی طرح کیا تو بہت زیادہ بارش ہوئی یہاں تک کہ خوب سبزہ اُگ آیا اور اونٹ ایسے ہو گئے کہ (محسوس ہوتا تھا) جیسے وہ چربی سے پھٹ پڑیں گے، لہٰذا اس سال کا نام عام الفتق (پیٹ پھٹنے والا سال) رکھ دیا گیا۔"

(مسند الدارمی: 1/58، ح: 93، مشکاۃ المصابیح: 5650)

تبصرہ: اس روایت کی سند "ضعیف" ہے، اس کے راوی عمرو بن مالک نکری (ثقہ و حسن الحدیث) کی حدیث ابوالجوزاء سے غیر محفوظ ہوتی ہے، یہ روایت بھی ایسی ہی ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَقَالَ ابْنُ عَدِيٍّ : حَدَّثَ عَنْهُ عَمْرُو بْنُ مَالِكٍ قَدْرَ عَشْرَةِ أَحَادِيثَ غَيْرِ مَحْفُوظَةٍ.

"امام ابن عدی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ابوالجوزاء سے عمرو بن مالک نے تقریباً دس غیر محفوظ احادیث بیان کی ہیں۔" (تہذیب التہذیب: 1/336)

یہ جرح مفسر ہے، یہ اثر بھی عمرو بن مالک النکری نے اپنے استاذ ابوالجوزاء سے روایت کیا ہے، لہٰذا غیر محفوظ ہے۔

اس کی نکارت پر وہ بات بھی دلالت کرتی ہے، جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَمَا رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا مِنْ فَتْحِ الْكَوَّةِ مِنْ قَبْرِهٖ إِلَى السَّمَاءِ، لِيَنْزِلَ الْمَطَرُ فَلَيْسَ بِصَحِيحٍ، وَلَا يَثْبُتُ إِسْنَادُهُ، وَمِمَّا يُبَيِّنُ كِذْبَ هٰذَا أَنَّهُ فِي مُدَّةِ حَيَاةِ

عائِشَةَ لَمْ يَكُنْ لِلْبَيْتِ كَوَّةٌ، بَلْ كَانَ بَاقِيًا كَمَا كَانَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ -، بَعْضُهُ مَسْقُوفٌ وَبَعْضُهُ مَكْشُوفٌ، وَكَانَتِ الشَّمْسُ تَنْزِلُ فِيهِ، كَمَا ثَبَتَ فِي الصَّحِيحَيْنِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ - كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا، لَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ بَعْدُ، وَلَمْ تَزَلِ الْحُجْرَةُ النَّبَوِيَّةُ كَذٰلِكَ فِي مَسْجِدِ الرَّسُولِ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ - ... وَمِنْ حِينَئِذٍ دَخَلَتِ الْحُجْرَةُ النَّبَوِيَّةُ فِي الْمَسْجِدِ، ثُمَّ إِنَّهُ بُنِيَ حَوْلَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ الَّتِي فِيهَا الْقَبْرُ جِدَارٌ عَالٍ، وَبَعْدَ ذٰلِكَ جُعِلَتِ الْكَوَّةُ لِيَنْزِلَ مِنْهَا مَنْ يَنْزِلُ إِذَا احْتِيجَ إِلَى ذٰلِكَ لِأَجْلِ كَنْسٍ أَوْ تَنْظِيفٍ. وَأَمَّا وُجُودُ الْكَوَّةِ فِي حَيَاةِ عَائِشَةَ، فَكَذِبٌ بَيِّنٌ.

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بارش کے لیے جو قبر نبوی پر سے روشن دان کھولنے کی روایت مروی ہے، وہ صحیح نہیں۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اس کے خلافِ واقعہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حیاتِ مبارکہ میں حجرۂ مبارکہ میں کوئی روشن دان نہیں تھا۔ وہ حجرہ تو اسی طرح تھا جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھا کہ اس کا بعض حصہ چھت والا اور بعض کھلا تھا۔ دھوپ اس میں داخل ہوتی تھی جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں ثابت ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب عصر کی نماز ادا فرماتے تو ابھی حجرہ مبارکہ میں دھوپ ہوتی تھی اور ابھی تک سایہ نہ آیا ہوتا تھا۔ مسجد نبوی کے ساتھ یہ حجرہ نبویہ بالکل اسی طرح قائم رہا۔۔۔ (پھر جب مسجد میں توسیع ہوئی) تو اس وقت سے حجرہ مسجد میں داخل ہو گیا۔ پھر حجرۂ عائشہ، جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک ہے، اس کے گرد ایک بلند دیوار بنا دی گئی۔ اس کے بعد اس دیوار میں ایک کھڑکی رکھی گئی تاکہ صفائی وغیرہ کی ضرورت کے لیے اس میں داخل ہوا جا سکے۔ جہاں تک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حیاتِ مبارکہ میں کسی کھڑکی کے ہونے کی، تو یہ واضح طور پر غلط ہے۔''

(الرد علی البکری، ص: 68-74)

اگر اس روایت کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس سے توسل کی وہ صورت ثابت نہیں ہوتی جس کا اثبات بعض لوگ اس سے کرتے ہیں۔ بلکہ اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام، نبی اکرم ﷺ کی ذات سے توسل نہیں کرتے تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہی فرماتے ہیں:

لَوْ صَحَّ ذٰلِکَ لَکَانَ حُجَّةً وَّدَلِیلًا عَلٰی أَنَّ الْقَوْمَ لَمْ یَکُونُوا یُقْسِمُونَ عَلَی اللّٰهِ بِمَخْلُوقٍ، وَّلَا یَتَوَسَّلُونَ فِي دُعَائِهِمْ بِمَیِّتٍ، وَلَا یَسْأَلُونَ اللّٰهَ بِهٖ، وَإِنَّمَا فَتَحُوا عَلَی الْقَبْرِ لِتَنْزِلَ الرَّحْمَةُ عَلَیْهِ، وَلَمْ یَکُنْ هُنَاکَ دُعَاءٌ یُقْسِمُونَ بِهٖ عَلَیْهِ، فَأَیْنَ هٰذَا مِنْ هٰذَا.

”اگر یہ روایت صحیح ہو تو بھی اس بات پر دلیل بنے گی کہ صحابہ کرام نہ تو اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی قسم دیتے تھے، نہ اپنی دعا میں فوت شدگان کا وسیلہ دیتے تھے، نہ اللہ تعالیٰ سے اس کے وسیلے سے مانگتے تھے۔ انہوں نے تو صرف اس قبر مبارک سے روشن دان کھولا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو۔ وہاں کوئی دعا تو نہیں مانگی تھی انہوں نے۔ اس کا مسئلہ توسل سے کیا تعلق؟“

(الرد علی البکري، ص:74)

یعنی یہ روایت فوت شدگان سے توسل لینے والوں کو کوئی فائدہ نہیں دیتی۔

ایک الزامی جواب:

اس روایت کا ایک الزامی جواب یہ بھی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

وَمَنْ حَدَّثَکَ أَنَّهٗ یَعْلَمُ الْغَیْبَ، فَقَدْ کَذَبَ، وَهُوَ یَقُولُ: لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ إِلَّا اللّٰهُ.

”جو کوئی تمہیں یہ بتائے کہ محمد ﷺ غیب جانتے ہیں، وہ جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ غیب کی باتوں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“

(صحیح البخاري:2/298، ح:7380، صحیح مسلم:1/98، ح:177)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ بات چونکہ قبوری مذہب کے سخت خلاف تھی، اس لیے اس کے جواب میں ”بعض الناس“ نے لکھا ہے:

”آپ کا یہ قول اپنے رائے سے ہے، اس پر کوئی حدیثِ مرفوع پیش نہیں فرماتیں، بلکہ

آیات سے استدلال فرماتی ہیں۔"

("جاء الحق": 1/124)

ہم پوچھتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم غیب کے متعلق قول قبول نہیں تو ان کا نبی کریم ﷺ کی قبر کے متعلق یہ قول قبول کیوں ہے؟ جب کہ وہ اس پر بھی کوئی آیت یا حدیث پیش نہیں فرما رہیں۔ پھر اس پر سہاگہ کہ یہ قول ثابت بھی نہیں ہے۔

روایت نمبر ③:

قاضی عیاض بن موسیٰ (م: 544ھ) لکھتے ہیں:

حَدَّثَنَا الْقَاضِي أَبُو عَبْدِ اللهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَشْعَرِيُّ وَأَبُو الْقَاسِمِ أَحْمَدُ ابْنُ بَقِيٍّ الْحَاكِمُ وَغَيْرُ وَاحِدٍ فِيمَا أَجَازُونِيهِ، قَالُوا: أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ أَحْمَدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ دِلْهَاثٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ فِهْرٍ، حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ الْفَرَجِ، حَدَّثَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُنْتَابِ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِسْحَاقَ بْنِ أَبِي إِسْرَائِيلَ، حَدَّثَنَا ابْنُ حُمَيْدٍ، قَالَ: نَاظَرَ أَبُو جَعْفَرٍ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ مَالِكًا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهُ مَالِكٌ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! لَا تَرْفَعْ صَوْتَكَ فِي هٰذَا الْمَسْجِدِ، فَإِنَّ اللهَ تَعَالٰى أَدَّبَ قَوْمًا، فَقَالَ: ﴿لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ الْآيَةَ، وَمَدَحَ قَوْمًا، فَقَالَ: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ﴾ الْآيَةَ، وَذَمَّ قَوْمًا، فَقَالَ: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ﴾ الْآيَةَ، وَإِنَّ حُرْمَتَهُ مَيِّتًا كَحُرْمَتِهِ حَيًّا، فَاسْتَكَانَ لَهَا أَبُو جَعْفَرٍ، وَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ! أَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ وَأَدْعُو، أَمْ أَسْتَقْبِلُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ: وَلِمَ تَصْرِفُ وَجْهَكَ عَنْهُ وَهُوَ وَسِيلَتُكَ وَوَسِيلَةُ أَبِيكَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى اللهِ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ بَلِ اسْتَقْبِلْهُ وَاسْتَشْفِعْ بِهِ، فَيُشَفِّعُهُ اللهُ، قَالَ اللهُ

تعالی: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ﴾ الآیۃ.

''محمد بن حمید کا بیان ہے کہ مسجد نبوی میں امیر المومنین ابوجعفر کا امام مالک رحمہ اللہ سے مناظرہ ہوا۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: امیر المومنین! اس مسجد میں اپنی آواز بلند نہ کیجیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو نبی اکرم ﷺ کا ادب سکھاتے ہوئے فرمایا تھا: ﴿لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ...﴾ (تم اپنی آوازوں کو میرے نبی کی آواز سے بلند نہ کرو)۔ نیز کچھ لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ...﴾ (جو لوگ اللہ کے رسول کے پاس اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں [وہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں])۔ کچھ لوگوں کی مذمت میں فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ ...﴾ (جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں [ان میں سے اکثر بے عقل ہیں])۔ نبی اکرم ﷺ کی عزت و تکریم موت کے بعد بھی اسی طرح ہے جس طرح زندگی میں تھی۔ یہ سن کر ابوجعفر لاجواب ہو گئے اور کہنے لگے: ابوعبداللہ! میں قبلے کی طرف رُخ کر کے اللہ تعالیٰ سے دُعا کروں یا رسولِ اکرم ﷺ کی طرف رُخ کروں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: آپ رسولِ اکرم ﷺ سے اپنا چہرہ کیوں پھیریں گے؟ آپ ﷺ ہی تو روزِ قیامت آپ کا اور آپ کے باپ آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہوں گے۔ آپ رسولِ اکرم ﷺ ہی کی طرف رُخ کریں اور آپ کو سفارشی بنائیں، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی سفارش قبول کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ...﴾ (اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر لینے کے بعد [آپ کے پاس آئیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور آپ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کریں تو اللہ تعالیٰ ضرور انہیں معاف فرمائے گا])۔۔۔''

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ: 41/2)

تبصرہ: یہ روایت درج ذیل نامعلوم اور مجہول راویوں کی کارروائی ہے:

① ابوالحسن علی بن فہر۔ ② ابوبکر محمد بن احمد بن فرج۔

③ ابوالحسن عبداللہ بن منتاب۔

ان تینوں راویوں کی توثیق ثابت نہیں ہو سکی۔ علامہ سبکی (شفاء السقام، ص: 115) اور سمہودی (وفاء الوفاء: 2/422) کا اس کی سند کو "جید" قرار دینا اور بعض لوگوں کا ان کی بات پر اعتماد کر لینا بے تکی بات ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَكَذٰلِكَ مَنْ نَقَلَ عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ جَوَّزَ سُؤَالَ الرَّسُولِ أَوْ غَيْرِهِ بَعْدَ مَوْتِهِمْ أَوْ نَقَلَ ذٰلِكَ عَنْ إِمَامٍ مِّنْ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ - غَيْرِ مَالِكٍ - كَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَغَيْرِهِمَا، فَقَدْ كَذَبَ عَلَيْهِمْ، وَلٰكِنْ بَعْضُ الْجُهَّالِ يَنْقُلُ هٰذَا عَنْ مَالِكٍ، وَيَسْتَنِدُ إِلٰى حِكَايَةٍ مَكْذُوبَةٍ عَنْ مَالِكٍ، وَلَوْ كَانَتْ صَحِيحَةً لَّمْ يَكُنِ التَّوَسُّلُ الَّذِي فِيهَا هُوَ هٰذَا، بَلْ هُوَ التَّوَسُّلُ بِشَفَاعَتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلٰكِنْ مِّنَ النَّاسِ مَنْ يُحَرِّفُ نَقْلَهَا، وَأَصْلُهَا ضَعِيفٌ.

"اسی طرح جو امام مالک رحمہ اللہ یا دیگر ائمہ مسلمین، مثلاً امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ وغیرہما سے یہ نقل کرے کہ انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور نیک انسان کی موت کے بعد ان سے سوال کرنا جائز قرار دیا، وہ ان ائمہ کرام پر جھوٹ باندھتا ہے۔ بعض جاہل لوگ اس بات کو امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں اور اس سلسلے میں ایک جھوٹی روایت پر اعتماد کرتے ہیں۔ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو اس میں مذکورہ وسیلہ وہ نہیں جو متنازع فیہ ہے، بلکہ اس میں قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت مراد ہے۔ لیکن بعض لوگ اس میں تحریفِ معنوی کرتے ہیں۔ بہرحال اس روایت کی سند ہی ضعیف ہے۔" (قاعدة جليلة في التوسل والوسيلة، ص: 128)

علامہ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ (705-744ھ) اس سند کے بارے میں فرماتے ہیں:

إِسْنَادُهَا إِسْنَادٌ لَيْسَ بِجَيِّدٍ، بَلْ هُوَ إِسْنَادٌ مُّظْلِمٌ مُّنْقَطِعٌ.

"اس کی سند جید نہیں بلکہ جہالت سے بھرپور اور منقطع ہے۔"

(الصارم المنكي في الرد على السبكي، ص: 260)

روایت نمبر④: اسی سلسلے کی ایک اور روایت یوں ہے:

رَوٰی أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْكَرْخِيُّ عَنْ عَلِيِّ ابْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْهَيْثَمِ الطَّائِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ أَبِي صَادِقٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَدِمَ عَلَيْنَا أَعْرَابِيٌّ بَعْدَ مَا دَفَنَّا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثَلَاثَةِ أَيَّامٍ، فَرَمٰى بِنَفْسِهِ عَلٰى قَبْرِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَثَا عَلٰى رَأْسِهِ مِنْ تُرَابِهِ، فَقَالَ: قُلْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! فَسَمِعْنَا قَوْلَكَ، وَوَعَيْتَ عَنِ اللّٰهِ، فَوَعَيْنَا عَنْكَ، وَكَانَ فِيمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ﴾ الْآيَةَ، وَقَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِي وَجِئْتُكَ تَسْتَغْفِرُ لِي، فَنُودِيَ مِنَ الْقَبْرِ: إِنَّهُ قَدْ غُفِرَ لَكَ.

''سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے تین دن بعد ہمارے پاس ایک بدوی آیا۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر لیٹ گیا اور اس کی مٹی اپنے سر پر ڈالی۔ پھر کہنے لگا: اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا تو ہم نے آپ کی بات کو غور سے سنا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے وحی کو محفوظ کیا تو ہم نے آپ سے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بھی آپ پر نازل فرمائی تھی: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ...﴾ (جب وہ اپنے جانوں پر ظلم کر بیٹھیں، پھر آپ کے پاس آ کر اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کریں اور آپ بھی ان کے لیے مغفرت کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں ضرور معاف کر دے گا)۔ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور آپ کے پاس آ گیا ہوں۔ آپ میرے لیے اللہ سے مغفرت طلب کیجیے۔ اسی اثنا میں قبر مبارک سے آواز آئی کہ تجھے معاف کر دیا گیا ہے۔'' (كنز العمال للمتقي الهندي: 4322، الصارم المنكي في الرد على السبكي لابن عبد الهادي، ص: 430، تفسير القرطبي: 6/439، جامع الأحاديث للسيوطي: 34153)

تبصرہ: یہ جھوٹی اور من گھڑت حکایت ہے۔

علامہ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ اسے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

إِنَّ هٰذَا خَبَرٌ مُّنْكَرٌ مَّوْضُوعٌ، وَأَثَرٌ مُّخْتَلَقٌ مَّصْنُوعٌ، لَا يَصِحُّ الْاِعْتِمَادُ عَلَيْهِ، وَلَا يَحْسُنُ الْمَصِيرُ إِلَيْهِ، وَإِسْنَادُهُ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ، وَالْهَيْثَمُ جَدُّ أَحْمَدَ بْنِ الْهَيْثَمِ، أَظُنُّهُ ابْنَ عَدِيٍّ الطَّائِيَّ، فَإِنْ يَّكُنْ هُوَ، فَهُوَ مَتْرُوكٌ كَذَّابٌ، وَإِلَّا فَهُوَ مَجْهُولٌ.

''یہ روایت منکر، موضوع، من گھڑت اور خود ساختہ ہے۔ اس پر اعتماد کرنا اور اس کے مطابق عقیدہ بنانا درست نہیں۔ اس کی سند میں اندھیرے ہی اندھیرے ہیں۔ ہیثم جو کہ احمد ابن ہیثم کا دادا ہے، میرے خیال میں وہ عدی طائی کا بیٹا ہے۔ اگر یہ واقعی وہی ہے تو وہ متروک اور کذاب ہے، ورنہ مجہول ہے۔'' (الصارم المنكي في الرد على السبكي، ص:430)

اس روایت کا راوی ہیثم بن عدی ''کذاب'' اور ''متروک'' ہے۔ اس کے بارے میں:

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَيْسَ بِثِقَةٍ، كَانَ يَكْذِبُ.

''یہ معتبر راوی نہیں تھا، بلکہ جھوٹ بولتا تھا۔'' (تاريخ يحيى بن معين:626/2)

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سَكَتُوا عَنْهُ.

''یہ متروک الحدیث راوی ہے۔'' (الكامل في ضعفاء الرجال:104/7، وسندهٔ حسن)

امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے ''متروک الحدیث'' قرار دیا ہے۔

(كتاب الضعفاء والمتروكين:637)

امام عجلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: كَذَّابٌ، وَقَدْ رَأَيْتُهُ.

''یہ سخت جھوٹا شخص تھا۔ یہ میرا دیکھا بھالا ہے۔'' (تاريخ العجلي:1924)

امام ابوزرعہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: لَيْسَ بِشَيْءٍ.

''یہ چنداں قابل اعتبار راوی نہیں۔'' (تاریخ أبي زرعة: 2/431)

امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَتْرُوكُ الْحَدِيثِ، مَحِلُّهُ مَحَلُّ الْوَاقِدِيِّ.

''متروک الحدیث راوی ہے۔ یہ واقدی (کذاب) کا ہم پلہ ہے۔''

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 2/85)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس کی حدیث کو جھوٹی قرار دیا ہے۔

(الضعفاء الكبير للعقيلي: 4/352، وسندهٔ صحيح)

علامہ جوزجانی کہتے ہیں: سَاقِطٌ، قَدْ كُشِفَ قِنَاعُهُ.

''یہ متروک راوی ہے۔ اس کا پردہ چاک ہو چکا ہے۔'' (أحوال الرجال: 368)

امام یعقوب بن شیبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

وَالْهَيْثَمُ بْنُ عَدِيٍّ كَانَتْ لَهُ مَعْرِفَةٌ بِأُمُورِ النَّاسِ وَأَخْبَارِهِمْ، وَلَمْ يَكُنْ فِي الْحَدِيثِ بِالْقَوِيِّ، وَلَا كَانَتْ لَهُ بِهِ مَعْرِفَةٌ، وَبَعْضُ النَّاسِ يَحْمِلُ عَلَيْهِ فِي صِدْقِهِ.

''ہیثم بن عدی کو لوگوں کے قصوں اور واقعات سے کچھ معرفت تھی، لیکن حدیث میں وہ مضبوط نہیں تھا، نہ اسے حدیث کی کوئی معلومات تھیں۔ بعض محدثین اس کی سچائی میں بھی شک کرتے ہیں۔'' (تاریخ بغداد للخطیب البغدادي: 14/53، وسندهٔ صحيح)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' اور ''متروک'' راویوں میں ذکر کیا ہے۔

(كتاب الضعفاء والمتروكين: 565)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رَوَى عَنِ الثِّقَاتِ أَشْيَاءَ، كَأَنَّهَا مَوْضُوعَةٌ، يَسْبِقُ إِلَى الْقَلْبِ أَنَّهُ كَانَ يُدَلِّسُهَا، فَالْتَزَقَ تِلْكَ الْمُعْضَلَاتُ بِهِ، وَوَجَبَ مُجَانَبَةُ حَدِيثِهِ عَلَى عِلْمِهِ

بَالتَّارِيخِ وَمَعْرِفَتِهِ بِالرِّجَالِ.

''اس نے ثقہ راویوں سے بہت سی من گھڑت قسم کی روایات بیان کیں۔ محسوس یوں ہوتا ہے کہ وہ ان کے بیان میں تدلیس سے کام لیتا تھا۔ یہی منقطع روایات اس کے لیے نقصان دہ ثابت ہوئیں اور باوجود اس کے تاریخ اور رجال کا عالم ہونے کے، اس کی حدیث سے بچنا ضروری ہو گیا۔'' (كتاب المجروحين من المحدثين والضعفاء والمتروكين: 93/3)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ (673-748ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعُوا عَلٰى ضَعْفِ الْهَيْثَمِ.

''محدثین کرام کا ہیثم کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے۔'' (سير أعلام النبلاء: 462/9)

دوسری بات یہ ہے کہ ابو صادق مسلم بن یزید/عبداللہ بن ناجد کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ''مرسل'' ہوتی ہے۔ امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے ان کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کو ''مرسل'' کہا ہے۔

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 199/8)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حَدِيثُهُ عَنْ عَلِيٍّ مُرْسَلٌ.

''ابو صادق کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل ہوتی ہے۔'' (تقريب التهذيب: 8167)

سابق مفتی دارالعلوم دیوبند، محمد شفیع دیوبندی حیاتی کراچوی صاحب (م: 1396ھ) اس جھوٹی روایت کو اپنے عقیدے کی بنیاد بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی، اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اس حکم میں ہے۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو اس کے تین روز بعد ایک گاؤں والا آیا اور قبر شریف کے پاس آ کر گر گیا اور زار زار روتے ہوئے آیتِ مذکورہ کا حوالہ دے کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ اگر گنہگار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور رسول اس کے لیے دعائے مغفرت کر دیں تو اس کی مغفرت ہو جائے گی۔

اس لیے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لیے مغفرت کی دُعا کریں۔اس وقت جو لوگ حاضر تھے،ان کا بیان ہے کہ اس کے جواب میں روضۂ اقدس کے اندر سے آواز آئی: قَدْ غُفِرَ لَکَ (بحر محیط)،یعنی مغفرت کر دی گئی۔'' (معارف القرآن:459,458/2)

صحابہ کرام،تابعین عظام اور سلف صالحین میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں تھا کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد آپ سے دُعائے مغفرت کی درخواست کی جائے۔اگر قرآن و حدیث میں اس کی کوئی دلیل ہوتی تو اسلافِ امت ضرور اس کے قائل و فاعل ہوتے۔سلف صالحین کے خلاف بدعی عقیدہ گھڑ کر اسے جھوٹی روایت کا کمزور اور بے کار سہارا دینے کی کوشش کرنا اہل حق کا وطیرہ نہیں۔جن روایات کو جھوٹے اور متروک راویوں نے بیان کر رکھا ہے، محدثین کرام انہیں بے فیض سمجھ کر ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیتے ہیں،انہی روایات کو جھاڑ پونچھ کر اپنے ماتھے کا جھومر بنانا کون سی دینداری ہے؟

روایت نمبر ⑤: محمد بن حرب ہلالی بیان کرتا ہے:

دَخَلْتُ الْمَدِينَةَ، فَأَتَيْتُ قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَزُرْتُهُ وَجَلَسْتُ بِحِذَائِهِ، فَجَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَزَارَهُ، ثُمَّ قَالَ: يَا خَيْرَ الرُّسُلِ! إِنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ عَلَيْكَ كِتَابًا صَادِقًا، قَالَ فِيهِ: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ ﴿رَحِيمًا﴾، وَإِنِّي جِئْتُكَ مُسْتَغْفِرًا رَبَّكَ مِنْ ذُنُوبِي، مُتَشَفِّعًا بِكَ ......

''میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا، نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر گیا،اس کی زیارت کی اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ایک بدوی شخص آیا اور قبر مبارک کی زیارت کے بعد کہنے لگا: اے خیر الرسل! بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے۔اس میں اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ...﴾ (اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں اور پھر آپ کے پاس آ کر اللہ سے معافی طلب کریں اور آپ بھی ان کے لیے معافی مانگیں تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کو

معاف فرما دے گا)۔۔۔"(وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفى للسمهودي: 4/1361، اتحاف الزائر لأبي اليمن عبد الصمد بن عبد الوهاب بن عساكر: 68،69، أخبار المدينة لابن النجار: 147، مثير العزم الساكن لابن الجوزي: 477، شفاء الغرام بأخبار البلد الحرام لمحمد بن أحمد بن علي الفاسي: 4/369، وقد ذكره ابن بشكوال أيضا كما في القول البديع للسخاوي: 162،163)

تبصرہ: یہ بھی جھوٹی داستان ہے۔اس حکایت کے بارے میں علامہ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ (م744ھ) فرماتے ہیں:

وَهٰذِهِ الْحِكَايَةُ الَّتِي ذَكَرَهَا بَعْضُهُمْ يَرْوِيهَا عَنِ الْعُتْبِيِّ، بِلَا إِسْنَادٍ، وَبَعْضُهُمْ يَرْوِيهَا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَرْبٍ الْهِلَالِيِّ، وَبَعْضُهُمْ يَرْوِيهَا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَرْبٍ، عَنْ أَبِي الْحَسَنِ الزَّعْفَرَانِيِّ، عَنِ الْأَعْرَابِيِّ، وَقَدْ ذَكَرَهَا الْبَيْهَقِيُّ فِي كِتَابِ شُعَبِ الْإِيمَانِ بِإِسْنَادٍ مُظْلِمٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ رَوْحِ بْنِ يَزِيدَ الْبَصْرِيِّ، حَدَّثَنِي أَبُو حَرْبٍ الْهِلَالِيُّ، قَالَ: حَجَّ أَعْرَابِيٌّ، فَلَمَّا جَاءَ إِلٰى بَابِ مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَاخَ رَاحِلَتَهُ فَعَقَلَهَا، ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ حَتّٰى أَتَى الْقَبْرَ، ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ مَا تَقَدَّمَ، وَقَدْ وَضَعَ لَهَا بَعْضُ الْكَذَّابِينَ إِسْنَادًا إِلٰى عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، كَمَا سَيَأْتِي ذِكْرُهُ. وَفِي الْجُمْلَةِ: لَيْسَتْ هٰذِهِ الْحِكَايَةُ الْمَنْكُورَةُ عَنِ الْأَعْرَابِيِّ مِمَّا يَقُومُ بِهِ حُجَّةٌ، وَإِسْنَادُهَا مُظْلِمٌ مُخْتَلِفٌ، وَلَفْظُهَا مُخْتَلِفٌ أَيْضًا، وَلَوْ كَانَتْ ثَابِتَةً لَمْ يَكُنْ فِيهَا حُجَّةٌ عَلٰى مَطْلُوبِ الْمُعْتَرِضِ، وَلَا يَصْلُحُ الِاحْتِجَاجُ بِمِثْلِ هٰذِهِ الْحِكَايَةِ، وَلَا الِاعْتِمَادُ عَلٰى مِثْلِهَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

"اس حکایت کو بعض لوگوں نے عتبی سے بیان کیا ہے اور بعض نے بلا سند ذکر کیا ہے۔جبکہ بعض نے محمد بن حرب ہلالی سے اسے روایت کیا ہے۔کچھ لوگوں نے اس کی سند یوں بیان کی ہے:

محمد بن حرب، ابوالحسن زعفرانی سے بیان کرتا ہے اور وہ بدوی سے۔امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس واقعے کو اپنی کتاب شعب الایمان میں ایک سخت ضعیف سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔وہ سند یوں ہے: محمد بن روح بن یزید بصری کہتے ہیں کہ ہمیں ابوحرب ہلالی نے بیان کیا کہ ایک بدوی نے حج کیا ، پھر مسجد نبوی کے پاس آ کر اپنا اونٹ باندھ دیا، مسجد میں داخل ہوا اور رسول اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر آیا۔۔۔بعض جھوٹے لوگوں نے اس کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک سند گھڑ لی ہے، اس کا تذکرہ آئندہ آ رہا ہے۔الغرض بدوی والے اس منکر قصے سے دلیل نہیں لی جا سکتی۔اس کی سند سخت ضعیف ہے اور اس کی سند و متن دونوں میں اختلاف ہے۔۔۔اس جیسی حکایت سے دلیل لینا اور اس پر اعتماد کرنا اہل علم کے نزدیک جائز نہیں۔''

(الصارم المنكي في الرد على السبكي، ص: 212)

اب اس کے راویوں کا حال بن ملاحظہ فرمالیں کہ:

① ابن فضیل نحوی ② محمد بن روح ③ محمد بن حرب ہلالی

تینوں کی توثیق نہیں مل سکی۔جس کے دین کا علم نہ ہو، اس کی بیان کردہ روایات کو اپنا دین بنانا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ یہ داستان انہی تینوں میں سے کسی ایک کی کارروائی لگتی ہے۔

روایت نمبر⑥، حکایت عُتبی:

عُتبی والی حکایت حافظ نووی (الأذکار: 206، الإیضاح: 451)، علامہ قرطبی (تفسیر القرطبي: 265/5)، حافظ ابن کثیر (تفسیر ابن کثیر: 306/2) اور ابن قدامہ (المغني: 557/3) نے بغیر سند کے ذکر کی ہے۔

معجم الشیوخ لابن عساکر (ص: 600) میں بھی اس کی سند موجود ہے، لیکن یاد رہے کہ یہ بھی جھوٹی سند ہے۔کیونکہ:

① اس کے راوی ابن فُضیل نحوی کی توثیق نہیں مل سکی۔

② عبدالکریم بن علی راوی کی تعیین وتوثیق بھی نہیں ملی۔

③ محمد بن محمد بن نعمان راوی کون ہے؟ اگر یہ ابن شبل ہے تو یہ ''متہم بالوضع'' ہے اور اگر یہ مُقری ہے تو ''مجہول'' ہے۔

④ محمد بن حرب ہلالی کی توثیق بھی نہیں ملی۔

جس حکایت کی سند کا یہ حال ہو، اسے عقیدے میں دلیل بنانا کیسے صحیح ہے؟

حافظ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ (704-744ھ) اس حکایت کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَأَمَّا حِكَايَةُ الْعُتْبِيِّ الَّذِي أَشَارَ إِلَيْهَا، فَإِنَّهَا حِكَايَةٌ ذَكَرَهَا بَعْضُ الْفُقَهَاءِ وَالْمُحَدِّثِينَ، وَلَيْسَتْ بِصَحِيحَةٍ وَّلَا ثَابِتَةٍ إِلَى الْعُتْبِيِّ، وَقَدْ رُوِيَتْ عَنْ غَيْرِهِ بِإِسْنَادٍ مُّظْلِمٍ كَمَا بَيَّنَّا ذٰلِكَ فِيمَا تَقَدَّمَ، وَهِيَ فِي الْجُمْلَةِ حِكَايَةٌ لَّا يُثْبَتُ بِهَا حُكْمٌ شَرْعِيٌّ، لَا سِيَّمَا فِي مِثْلِ هٰذَا الْأَمْرِ الَّذِي لَوْ كَانَ مَشْرُوعًا مَّنْدُوبًا، لَكَانَ الصَّحَابَةُ وَالتَّابِعُونَ أَعْلَمَ بِهِ وَأَعْمَلَ بِهِ مِنْ غَيْرِهِمْ.

''عتبی والی حکایت جس کی طرف سبکی نے اشارہ کیا ہے، اسے بعض فقہاء اور محدثین نے ذکر کیا ہے، لیکن یہ عتبی تک صحیح اور ثابت نہیں ہے۔ عتبی کے علاوہ دوسرے لوگوں سے بھی یہ گمنام سند کے ساتھ مذکور ہے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ الغرض اس حکایت سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہو سکتا، خصوصاً ایسے معاملے میں جو اگر مشروع و مستحب ہوتا تو صحابہ و تابعین بعد والوں سے بڑھ کر اس کو جانتے اور اس پر عمل کرتے۔''

(الصارم المنكي في الرد على السبكي، ص: 321، وفي نسخة: 490)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

فَمِثْلُ هٰذَا الْإِمَامِ كَيْفَ يُشَرِّعُ دِينًا لَّمْ يُنْقَلْ عَنْ أَحَدِ السَّلَفِ، وَيَأْمُرُ الْأُمَّةَ أَنْ يَّطْلُبُوا الدُّعَاءَ وَالشَّفَاعَةَ وَالْاِسْتِغْفَارَ - بَعْدَ مَوْتِ الْأَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ - مِنْهُمْ عِنْدَ قُبُورِهِمْ، وَهُوَ أَمْرٌ لَّمْ يَفْعَلْهُ أَحَدٌ مِّنْ سَلَفِ الْأُمَّةِ؟

"مفتی جیسا امام ایسی بات کو دین کیسے قرار دے سکتا ہے جو سلف صالحین میں سے کسی سے منقول نہیں۔ کیسے ممکن ہے کہ عُتبی انبیائے کرام اور صالحین کی وفات کے بعد ان کی قبر پر جا کر ان سے دُعا، شفاعت اور استغفار طلب کرنے کا حکم دیں، حالانکہ یہ ایسا کام ہے جسے اسلافِ امت میں سے کسی نے نہیں کیا؟" (مجموع الفتاوی: 1/221)

جناب اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (1280-1362ھ) لکھتے ہیں:

"محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی۔ غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نکیر منقول نہیں، پس حجت ہو گیا۔" (نشر الطیب، ص:254)

عربی کی مشہور مثل ہے کہ ثَبِّتِ الْعَرْشَ، ثُمَّ انْقُشْ یعنی پہلے عمارت کھڑی کرو، پھر نقش و نگار کرو۔ تھانوی صاحب نے عمارت بنانے سے پہلے ہی بیل بوٹے کا کام شروع کر دیا ہے۔ پہلے واقعہ کی سند تو ثابت ہو جائے، پھر اس سے استدلال و استنباط کا کام بھی ہو جائے گا۔ جس سند میں نامعلوم و مجہول اور مجروح افراد نے ڈیرے ڈال رکھے ہوں، کیا محدثین کرام اور ائمہ دین اسے اپنا دین بنا لیتے تھے؟ جس واقعہ کو سب سے پہلے حافظ ابو الیمن عبد الصمد بن عبد الوہاب بن عساکر (618-686ھ) نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہو اور وہ بھی سخت "ضعیف" سند کے ساتھ، اسے خیر القرون کے سلف صالحین کیسے اپنا سکتے تھے؟

تنبیہ ①: سفیان ثوری رحمہ اللہ نے بھی ایک اعرابی کا واقعہ بیان کیا ہے جو نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر آیا تھا۔۔۔

(المنتقی من مسموعات مرو للضیاء المقدسي: 416، المکتبة الشاملة)

لیکن یہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ پر صریح بہتان ہے کیونکہ:

① **ابن بنت یزید بن ہارون کے حالات زندگی نہیں ملے۔**

② **حسن بن یوسف کاتب کون ہے؟ معلوم نہیں ہو سکا۔**

③ ابو الحسن محمد بن اسحاق تمار کی توثیق نہیں مل سکی۔

④ ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن عبداللہ بن یزداد رازی کی توثیق نہیں ملی۔

⑤ ابو علی حسین بن ابراہیم قنطری کے حالات نہیں ملے۔

جس سند میں کئی نامعلوم افراد موجود ہوں، وہ ثابت کیسے ہو سکتی ہے؟ یہ کسی نامعلوم جھوٹے کی مذموم کوشش ہے۔

تنبیہ ②: سعید بن ابی مریم رحمہ اللہ بھی قبر نبوی کے متعلق ایک دیہاتی کا واقعہ نقل کرتے ہیں۔ (المجلس من أمالي أبي الفتح المقدسي، ص:15)

یہ بھی سخت باطل روایت ہے، کیونکہ:

① ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عمر بن نصر بن محمد شیبانی کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَقَالَ ابْنُ عَسَاكِرٍ: اتُّهِمَ فِي لِقَاءِ أَبِي إِسْحَاقَ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ.

''امام ابن عساکر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابو اسحاق بن ابو ثابت کے ساتھ دعویٰ ملاقات کی وجہ سے اس پر جھوٹ کا الزام تھا۔'' (میزان الاعتدال:2/580)

یہی بات علامہ عبدالعزیز کتانی رحمہ اللہ نے کہی ہے۔ (لسان المیزان لابن حجر:3/424)

② ابو الحسن علی بن خضر بن سلیمان بن سعید سلمی کے بارے میں حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سَمِعَ الْكَثِيرَ، وَجَمَعَ مَا لَوْ لَمْ يَجْمَعْهُ، كَانَ خَيْرًا لَّهُ.

''اس نے بہت سے لوگوں سے سماع کیا اور ایسی روایات جمع کیں کہ ان کو جمع نہ کرنا ہی اس کے لیے بہتر تھا۔'' (تاریخ ابن عساکر:41/461)

نیز فرماتے ہیں: وَسَمِعَ مِنْ شَيْخِنَا أَبِي الْحَسَنِ بْنِ قُبَيْسٍ، وَلَمْ يَقَعْ إِلَيْنَا مِنْ حَدِيثِهِ عَنْهُ شَيْءٌ إِلَّا بَعْدَ مَوْتِ ابْنِ قُبَيْسٍ، وَكَانَ جَدِّي أَبُو الْمُفَضَّلِ يَذْكُرُ أَنَّهُ سَمِعَ مِنْهُ، وَلَمْ يُجِزْ سَمَاعَهُ مِنْهُ.

''اس نے ہمارے شیخ ابوالحسن بن قیس سے سماع کیا تھا۔ ہمارے پاس ابوالحسن بن قیس کی احادیث بواسطۂ علی بن خضران کی موت کے بعد ہی پہنچیں۔ میرے دادا ابومفضل بیان کرتے تھے کہ انہوں نے علی بن خضر سے سماع کیا ہے، لیکن انہوں نے اس سے سنی ہوئی روایات کو آگے بیان نہیں کیا۔'' (تاریخ دمشق لابن عساکر: 462/41)

علامہ عبدالعزیز کتانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

صَنَّفَ كُتُبًا كَثِيرَةً، لَمْ يَكُنْ هٰذَا الشَّأْنُ مِنْ صَنْعَتِهِ، وَخُلِّطَ تَخْلِيطًا عَظِيمًا، كَانَ يَرْوِي أَشْيَاءَ لَيْسَتْ لَهُ سَمَاعٌ وَلَا إِجَازَةٌ .

''اس نے بہت سی کتابیں تصنیف کی تھیں، لیکن یہ کام اس کے بس کا نہیں تھا۔ اس کا حافظہ بہت زیادہ خراب ہو گیا تھا۔ وہ ایسی روایات بیان کرتا تھا، جن کا نہ اس نے سماع کیا تھا، نہ ان کو بیان کرنے کی اجازت اسے ملی تھی۔'' (تاریخ دمشق لابن عساکر: 463/41)

الحاصل:

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرما لیا ہے کہ قرآنِ کریم میں جہاں وسیلے کا ذکر ہے، اس سے مراد ذاتی نیک اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے۔ قرآنِ مجید کی صرف دو آیات میں وسیلے کا لفظ مستعمل ہے۔ ان دونوں آیات کے بارے میں اہل سنت والجماعت کے مفسرین کے اقوال اور ان کی تفاسیر آپ کی خدمت میں پیش ہیں۔ تیسری آیت جس میں گناہگاروں کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے اور آپ سے اپنے لیے دعا کرانے کا ذکر ہے، اس سے بعض لوگوں نے قبرِ نبوی اور ذاتِ نبوی کے توسل کا اثبات کرنا چاہا اور کچھ روایات پیش کیں، ان کے بارے میں بھی اصولِ محدثین اور فہمِ سلف کی روشنی میں تفصیلی و تحقیقی بحث سپردِ قلم کر دی گئی ہے۔ فیصلہ خود کریں کہ کیا قرآنِ کریم سے فوت شدگان کا وسیلہ ثابت ہوتا ہے؟

گزشتہ صفحات اس بات پر شاہد ہیں کہ قرآنِ کریم اور صحیح احادیث سے تین طرح کا وسیلہ ثابت ہے۔ایک اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کا، دوسرے اپنے نیک اعمال کا اور تیسرے کسی زندہ نیک شخص کی دُعا کا۔لہٰذا وسیلے کی صرف یہی قسمیں جائز اور مشروع ہیں۔باقی جتنی بھی اقسام ہیں، وہ غیر مشروع اور ناجائز و حرام ہیں۔قرآنِ کریم سے کونسا وسیلہ ثابت ہے؟ اس بارے میں تو قارئین ''وسیلہ اور قرآنِ کریم'' ملاحظہ فرما چکے ہیں۔آیئے صحیح احادیث اور فہم سلف کی روشنی میں بھی جائز وسیلے کے بارے میں یہی کچھ ثابت ہے، نیز وسیلے کی ممنوع اقسام کے بارے میں صریح ممانعت ونفی بھی موجود ہے۔آیئے ملاحظہ فرمائیں:

زندہ نیک شخص کی دُعا کے وسیلے کا جواز:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، كَانَ إِذَا قُحِطُوا اسْتَسْقٰى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ! إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا، قَالَ: فَيُسْقَوْنَ.

''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا طریقہ یہ تھا کہ جب قحط پڑ جاتا تو سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ (کی دعا) کے وسیلہ سے بارش طلب کیا کرتے تھے۔دعا یوں کرتے تھے:اے اللہ! بے شک ہم تجھے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کی زندگی میں ان کی دعا) کا وسیلہ پیش کر کے بارش طلب کیا کرتے تھے تو تو ہمیں بارش دیتا تھا اور اب ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کی وفات کے بعد ان) کے چچا (کی دعا) کو وسیلہ بنا کر بارش طلب کرتے ہیں (یعنی ان سے دعا کرواتے ہیں) لہٰذا اب بھی تو ہم پر بارش نازل فرما۔سیدنا انس رضی اللہ عنہ

بیان کرتے ہیں کہ اس طرح انہیں بارش عطا ہو جاتی تھی۔ (صحیح البخاري:1/137، ح:1010)

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) اس حدیث کا مطلب یوں بیان کرتے ہیں:

وَذٰلِکَ أَنَّ التَّوَسُّلَ بِهِ فِي حَيَاتِهِ، هُوَ أَنَّهُمْ كَانُوا يَتَوَسَّلُونَ بِهِ، أَيْ يَسْأَلُونَ أَنْ يَدْعُو اللّٰهَ، فَيَدْعُو لَهُمْ، وَيَدْعُونَ فَيَتَوَسَّلُونَ بِشَفَاعَتِهِ وَدُعَائِهِ .....

''وسیلہ کی یہ صورت نبی کریم ﷺ کی زندگی مبارکہ میں اس طرح تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کرتے اور پھر خود بھی دعا کرتے۔ یوں اس طریقہ سے وہ نبی کریم ﷺ کی سفارش اور وسیلہ حاصل کرتے تھے۔'' (مختصر الفتاوی المصریة، ص:194)

شارحِ بخاری، حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) لکھتے ہیں:

وَيُسْتَفَادُ مِنْ قِصَّةِ الْعَبَّاسِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنِ اسْتِحْبَابِ الِاسْتِشْفَاعِ بِأَهْلِ الْخَيْرِ وَأَهْلِ بَيْتِ النُّبُوَّةِ.

''سیدنا عباس رضی اللہ عنہما کے قصہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خیر و بھلائی والے لوگوں، اہل صلاح و تقویٰ اور اہل بیت سے سفارش کروانا مستحب ہے۔'' (فتح الباري:2/497)

بعض حضرات اس حدیث سے وسیلے کی ایک ناجائز قسم ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ یہ حدیث تو ہماری دلیل ہے، کیونکہ زندہ لوگوں سے دعا کرانا مشروع وسیلہ ہے۔ اگر فوت شدگان کی ذات کا وسیلہ جائز ہوتا تو رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ بابرکات کو چھوڑ کر صحابہ کرام کبھی ایک امتی کی ذات کو اللہ تعالیٰ کی دربار میں پیش کرنے کی جسارت نہ کرتے۔ یوں معلوم ہوا کہ اس حدیث سے صرف زندہ نیک لوگوں کی دعا کے وسیلے کا اثبات ہوتا ہے۔

محدثین کرام اور فقہائے امت نے اس حدیث سے ذات کا نہیں بلکہ دُعا کا وسیلہ مراد لیا ہے۔ جب اسلافِ امت اس سے فوت شدگان کا وسیلہ مراد نہیں لیتے تو آج کے غیر مجتہد و غیر فقیہ اہل تقلید کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اس حدیث کا ایک نیا معنیٰ بیان کریں؟

تصریحاتِ محدثین سے عیاں ہو گیا ہے کہ آپ ﷺ کے توسل سے دُعا کرنے کا معنیٰ ...

ہے کہ آپ ﷺ سے دُعا کروائی جاتی تھی، پھر اللہ تعالیٰ کو اس دُعا کا حوالہ دیا جاتا کہ اے اللہ! تیرا نبی ہمارے حق میں تجھ سے دُعا فرما رہا ہے، لہٰذا اپنے نبی کی دُعا ہمارے بارے میں قبول فرما کر ہماری حاجت روائی فرما دے!

کسی ایک ثقہ محدث یا معتبر عالم سے یہ بات ثابت نہیں کہ وہ اس حدیث سے نبیِ اکرم ﷺ اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما کی ذات کا وسیلہ ثابت کرتا ہو۔

فائدہ نمبر ①: ایک روایت میں ہے کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کے لیے دُعا کا کہا تو انہوں نے ان الفاظ کے ساتھ دعا کی:

اَللّٰھُمَّ إِنَّہٗ لَمْ یَنْزِلْ بَلَاءٌ إِلَّا بِذَنْبٍ، وَلَمْ یُکْشَفْ إِلَّا بِتَوْبَۃٍ، وَقَدْ تَوَجَّہَ الْقَوْمُ بِي إِلَیْکَ لِمَکَانِي مِنْ نَّبِیِّکَ.

”اے اللہ! ہر مصیبت کسی گناہ کی وجہ سے نازل ہوتی ہے اور توبہ ہی اس سے خلاصی کا ذریعہ بنتی ہے۔ لوگوں نے میرے ذریعے تیری طرف رجوع کیا ہے، کیونکہ میں تیرے نبی کے ہاں مقام و مرتبہ رکھتا تھا۔“ (تاریخ دمشق لابن عساکر: 359,358/26، فتح الباري لابن حجر: 497/2، عمدۃ القاري للعیني: 32/7)

لیکن یہ جھوٹی روایت ہے۔ اس کو گھڑنے والا محمد بن سائب کلبی ہے جو کہ ”متروک“ اور کذاب ہے۔ نیز اس میں ابو صالح راوی بھی ”ضعیف“ اور مختلط ہے۔ اس کی سند میں اور بھی خرابیاں موجود ہیں۔ زبیر بن بکار کی بیان کردہ روایت کی سند نہیں ملی۔

فائدہ نمبر ②: حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اس واقعے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی دعا کے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں:

اَللّٰھُمَّ إِنَّا نَتَقَرَّبُ إِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّکَ وَنَسْتَشْفِعُ بِہٖ، فَاحْفَظْ فِینَا نَبِیَّکَ کَمَا حَفِظْتَ الْغُلَامَیْنِ لِصَلَاحِ أَبِیھِمَا.

''اے اللہ! ہم تیرے نبی کے چچا کے ساتھ تیرا تقرب حاصل کرتے ہیں اور ان کی سفارش پیش کرتے ہیں۔تو ہمارے بارے میں اپنے نبی کا اس طرح لحاظ فرما جس طرح تُو نے والدین کی نیکی کی بنا پر دولڑکوں کا لحاظ فرمایا تھا۔''

(الاستیعاب:3/92، التمہید:23/434، الاستذکار:2/434)

یہ بے سند ہے، لہٰذا قابل اعتبار نہیں۔

فائدہ نمبر ③: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

اِسْتَسْقٰی عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ عَامَ الرَّمَادَةِ بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَقَالَ: اَللّٰھُمَّ! ھٰذَا عَمُّ نَبِیِّکَ الْعَبَّاسُ، نَتَوَجَّهُ إِلَیْکَ بِهٖ، فَاسْقِنَا، فَمَا بَرِحُوا حَتّٰی سَقَاھُمُ اللّٰهُ، قَالَ: فَخَطَبَ عُمَرُ النَّاسَ، فَقَالَ: أَیُّهَا النَّاسُ! إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَرٰی لِلْعَبَّاسِ مَا یَرَی الْوَلَدُ لِوَالِدِهٖ، یُعَظِّمُهٗ، وَیُفَخِّمُهٗ، وَیَبَرُّ قَسَمَهٗ، فَاقْتَدُوا أَیُّهَا النَّاسُ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِي عَمِّهِ الْعَبَّاسِ، وَاتَّخِذُوهُ وَسِیلَةً إِلَی اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِیمَا نَزَلَ بِکُمْ.

''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عام الرمادہ (قحط و ہلاکت والے سال) میں سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنا کر بارش طلب کی۔انہوں نے یوں فریاد کی: اے اللہ! یہ تیرے (مکرم) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے (معزز) چچا عباس ہیں۔ہم ان کے وسیلے تیری طرف متوجہ ہوتے ہیں۔تُو ہم پر بارش نازل فرما۔وہ دعا کر ہی رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بارش سے سیراب کر دیا۔راوی نے بیان کیا ہے کہ پھر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا۔فرمایا: اے لوگو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں وہی نظریہ رکھتے تھے، جو ایک بیٹا اپنے باپ کے بارے میں رکھتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تعظیم و توقیر کرتے اور ان کی قسموں کو پورا فرماتے تھے۔اے لوگو! تم بھی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرو۔

ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ بناؤ تاکہ وہ تم پر (بارش) برسائے۔''

(المستدرک للحاکم: 334/3، ح: 5638، الاستیعاب لابن عبد البر: 98/3)

اس روایت کی سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے۔ اس میں داؤد بن عطاء مدنی راوی ''ضعیف'' اور ''متروک'' ہے۔ اس کے بارے میں توثیق کا ادنیٰ لفظ بھی ثابت نہیں۔

امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

لَيْسَ بِالْقَوِيِّ، ضَعِيفُ الْحَدِيثِ، مُنْكَرُ الْحَدِيثِ.

''قوی نہیں ہے، ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث ہے۔''

نیز امام ابوزرعہ رحمہ اللہ نے ''منکر الحدیث'' کہا ہے۔ (الجرح والتعدیل: 421/3)

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی ''منکر الحدیث'' قرار دیا ہے۔

(الضعفاء الكبير للعقيلي: 35/2، وسندهٗ صحيح)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ''متروک'' قرار دیا ہے۔ (سوالات البرقاني للدارقطني: 138)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَيْسَ بِشَيْءٍ. ''یہ نا قابل التفات ہے۔''

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 421/3)

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَفِي حَدِيثِهِ بَعْضُ النُّكْرَةِ.

''اس کی حدیث میں کچھ بگاڑ موجود ہے۔'' (الکامل: 87/3)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے انسے ''متروک'' قرار دیا ہے۔ (تلخیص المستدرک: 334/3)

پھر ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس میں دعا کے وسیلے کا ذکر ہے اور دعا ہمارے نزدیک مشروع اور جائز وسیلہ ہے۔

غرضیکہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے توسل والی حدیث میں جس وسیلے کا ذکر ہے، وہ صرف اور صرف دعا کا وسیلہ ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام نے ان سے یہ استدعا کی تھی کہ آپ اللہ سے بارش کی دعا فرمائیں اور پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ان کی اس دعا کا حوالہ دیا کہ تیرے نبی

کے چچا بھی ہمارے لیے دعا گو ہیں، لہٰذا ہماری فریاد کو سن لے۔ یہی مشروع اور جائز وسیلہ ہے۔
اس حدیث سے قطعاً فوت شدگان کی ذات کا وسیلہ ثابت نہیں ہوتا۔ جیسا کہ:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَهٰذَا دُعَاءٌ أَقَرَّهُ عَلَيْهِ جَمِيعُ الصَّحَابَةِ، وَلَمْ يُنْكِرْهُ أَحَدٌ مَعَ شُهْرَتِهِ، وَهُوَ مِنْ أَظْهَرِ الْإِجْمَاعَاتِ الْإِقْرَارِيَّةِ، وَدَعَا بِمِثْلِهِ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ فِي خِلَافَتِهِ لَمَّا اسْتَسْقٰى بِالنَّاسِ، فَلَوْ كَانَ تَوَسُّلُهُمْ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَمَاتِهِ كَتَوَسُّلِهِمْ بِهِ فِي حَيَاتِهِ، لَقَالُوا: كَيْفَ نَتَوَسَّلُ بِمِثْلِ الْعَبَّاسِ وَيَزِيدَ بْنِ الْأَسْوَدِ وَنَحْوِهِمَا؟ وَنَعْدِلُ عَنِ التَّوَسُّلِ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي هُوَ أَفْضَلُ الْخَلَائِقِ، وَهُوَ أَفْضَلُ الْوَسَائِلِ وَأَعْظَمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ؟ فَلَمَّا لَمْ يَقُلْ ذٰلِكَ أَحَدٌ مِنْهُمْ، وَقَدْ عُلِمَ أَنَّهُمْ فِي حَيَاتِهِ إِنَّمَا تَوَسَّلُوا بِدُعَائِهِ وَشَفَاعَتِهِ، وَبَعْدَ مَمَاتِهِ تَوَسَّلُوا بِدُعَاءِ غَيْرِهِ وَشَفَاعَةِ غَيْرِهِ، عُلِمَ أَنَّ الْمَشْرُوعَ عِنْدَهُمُ التَّوَسُّلُ بِدُعَاءِ الْمُتَوَسَّلِ بِهِ، لَا بِذَاتِهِ.

''یہ ایسی دُعا ہے جس پر سب صحابہ کرام نے خاموشی اختیار کی، حالانکہ یہ مشہور و معروف واقعہ تھا، یوں یہ ایک واضح سکوتی اجماع ہے۔ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے جب اپنے دورِ خلافت میں لوگوں کے ساتھ دعاءِ استسقاء کی تو اسی طرح دعا فرمائی۔ اگر صحابہ کرام، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی اسی طرح آپ کا وسیلہ لیتے جس طرح آپ کی زندگی میں لیتے تھے تو وہ ضرور کہتے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا یزید بن اسود رحمہ اللہ جیسے لوگوں کا کیونکر وسیلہ دیں اور ان کے وسیلے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے کے برابر کر دیں جو کہ ساری مخلوقات سے افضل اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑا وسیلہ ہیں۔ جب صحابہ کرام میں سے کسی نے ایسا نہیں کہا اور یہ بھی معلوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں وہ آپ کی دعا اور سفارش کا وسیلہ پیش کرتے

تھے اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد وہ کسی اور کی دعا اور سفارش کا وسیلہ اختیار کرتے تھے، تو ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کے نزدیک نیک شخص کی دعا کا وسیلہ جائز تھا، اس کی ذات کا نہیں۔“

(مجموع الفتاوٰی: 1/284، 285)

علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ (731-792ھ) فرماتے ہیں:

وَإِنَّمَا كَانُوا يَتَوَسَّلُونَ فِي حَيَاتِهِ بِدُعَائِهِ، يَطْلُبُونَ مِنْهُ أَنْ يَدْعُوَ لَهُمْ، وَهُمْ يُؤَمِّنُونَ عَلَى دُعَائِهِ، كَمَا فِي الِاسْتِسْقَاءِ وَغَيْرِهِ، فَلَمَّا مَاتَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَمَّا خَرَجُوا يَسْتَسْقُونَ: اَللّٰهُمَّ! إِنَّا كُنَّا إِذَا أَجْدَبْنَا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا. مَعْنَاهُ بِدُعَائِهِ هُوَ رَبَّهُ، وَشَفَاعَتِهِ وَسُؤَالِهِ، لَيْسَ الْمُرَادُ أَنَّا نُقْسِمُ عَلَيْكَ (بِهِ)، أَوْ نَسْأَلُكَ بِجَاهِهِ عِنْدَكَ، إِذْ لَوْ كَانَ ذٰلِكَ مُرَادًا لَكَانَ جَاهُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْظَمَ وَأَعْظَمَ مِنْ جَاهِ الْعَبَّاسِ.

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ کی دُعا کا وسیلہ اختیار کرتے تھے، یعنی آپ سے دُعا کی درخواست کرتے تھے اور آپ کی دُعا پر آمین کہتے تھے۔ استسقاء (بارش طلبی کی دعا) وغیرہ میں ایسا ہی ہوتا تھا۔ لیکن جب آپ ﷺ وفات پا گئے تو بارش طلب کرنے کے لیے باہر نکل کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یوں کہا: اے اللہ! پہلے ہم جب خشک سالی میں مبتلا ہوتے تو اپنے نبی کا وسیلہ اختیار کرتے تھے۔ اب ہم تیری طرف اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ لے کر آئے ہیں۔ یعنی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ تجھ سے ہمارے لیے دُعا و سفارش کریں گے۔ آپ کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا اللہ تعالیٰ کو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی قسم دی جائے یا ان کے مقام و مرتبے کے وسیلے سے مانگا جائے۔ اگر یہ طریقہ جائز ہوتا تو پھر نبی اکرم ﷺ کی شان و منزلت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی شان و منزلت سے بہت بہت زیادہ تھی۔۔۔“ (شرح العقیدۃ الطحاویۃ، ص: 237، 238)

جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب (1292-1352ھ) لکھتے ہیں:

قَوْلُهُ : اَللّٰهُمَّ ! إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَيْسَ فِيهِ التَّوَسُّلُ الْمَعْهُودُ الَّذِي يَكُونُ بِالْغَائِبِ حَتّٰى قَدْ لَا يَكُونُ بِهِ شُعُورٌ أَصْلًا، بَلْ فِيهِ تَوَسُّلُ السَّلَفِ، وَهُوَ أَنْ يُقَدِّمَ رَجُلًا ذَا وَجَاهَةٍ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَيَأْمُرَهُ أَنْ يَدْعُوَ لَهُمْ، ثُمَّ يُحِيلُ عَلَيْهِ فِي دُعَائِهِ، كَمَا فُعِلَ بِالْعَبَّاسِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَمِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَوْ كَانَ فِيهِ تَوَسُّلُ الْمُتَأَخِّرِينَ لَمَا احْتَاجُوا إِلٰى إِذْهَابِ الْعَبَّاسِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَعَهُمْ، وَلَكَفٰى لَهُمُ التَّوَسُّلُ بِنَبِيِّهِمْ بَعْدَ وَفَاتِهِ أَيْضًا، أَوْ بِالْعَبَّاسِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَعَ عَدَمِ شُهُودِهِ مَعَهُمْ.

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بارش کے موقع پر دُعا کرتے تھے کہ اے اللہ! ہم پہلے تجھے اپنے نبی کا وسیلہ پیش کرتے تھے ۔۔۔ ان الفاظ میں اس رائج طریقہ توسل کا ذکر نہیں جس میں کسی غائب شخص کا وسیلہ دیا جاتا ہے جسے اس بات کا شعور بھی نہیں ہوتا کہ کوئی اس کا وسیلہ پکڑ رہا ہے۔اس حدیث میں تو سلف صالحین کے طریقہ توسل کا اثبات ہے۔سلف کا طریقہ یہ تھا کہ وہ کسی مقرب الٰہی شخص کو آگے کرتے اور عرض کرتے کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں۔پھر وہ اس سفارش کا حوالہ دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے۔جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا۔اگر اس حدیث میں بعد والے لوگوں کے وضع کردہ طریقہ توسل کا ذکر ہوتا تو پھر صحابہ کرام کو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے جانے کی ضرورت نہ پڑتی اور ان کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ ہی کا وسیلہ کافی ہوتا یا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی عدم موجودگی میں ان کے نام کا وسیلہ دے دیا جاتا۔(فیض الباري:2/379)

ثابت ہوا کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے توسل والی حدیث سے توسل بالذات والاموات کا بالکل اثبات نہیں ہوتا۔

وسیلہ اور اسلافِ امت کا طریقہ کار:

کسی نیک شخص کے وسیلے کی کئی صورتیں ہیں۔بعض جائز ہیں اور بعض ناجائز۔ان میں سے جس صورت کی تائید سلف صالحین سے ہوتی ہے، وہی جائز اور مشروع ہوگی۔آیئے صحابہ و تابعین کے دور میں چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ نیک لوگوں کے وسیلے کا کیا مفہوم سمجھتے تھے، نیز ان کا وسیلہ بالذات والاموات کے بارے میں کیا نظریہ تھا۔۔۔

دلیل نمبر ①: صحابیٔ رسول سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں بارش کے لیے ایک بہت ہی نیک تابعی یزید بن الاسود رحمہ اللہ کا وسیلہ پکڑا تھا۔ایک روایت کے الفاظ ہیں:

إِنَّ النَّاسَ قُحِطُوا بِدِمَشْقَ، فَخَرَجَ مُعَاوِيَةُ يَسْتَسْقِي بِيَزِيدَ بْنِ الْأَسْوَدِ ...

”دمشق میں لوگ قحط زدہ ہوگئے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یزید بن الاسود رحمہ اللہ کے وسیلے سے بارش طلب کرنے کے لیے نکلے۔۔۔“

(تاریخ أبي زرعة الدمشقي:1/602، تاریخ دمشق:65/111،112، وسندہٗ صحیحٌ)

یہاں پر قارئین کرام غور فرمائیں کہ یہ بالکل وہی الفاظ ہیں، جو صحیح بخاری کی حدیث میں ہیں کہ اُس میں اِسْتَسْقٰی بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ کے لفظ ہیں اور اِس میں یَسْتَسْقِي بِیَزِیدَ بْنِ الْأَسْوَدِ کے الفاظ ہیں۔

اب دیکھیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کو جو یزید بن الاسود رحمہ اللہ کا واسطہ دیا تھا، اس سے کیا مراد تھی؟ ایک دُوسری روایت میں اس کی وضاحت ہے۔اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

إِنَّ السَّمَاءَ قُحِطَتْ، فَخَرَجَ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ وَأَهْلُ دِمَشْقَ يَسْتَسْقُونَ، فَلَمَّا قَعَدَ مُعَاوِيَةُ عَلَى الْمِنْبَرِ، قَالَ: أَيْنَ يَزِيدُ بْنُ الْأَسْوَدِ الْجُرَشِيُّ؟ فَنَادَاهُ النَّاسُ، فَأَقْبَلَ يَتَخَطَّى النَّاسَ، فَأَمَرَهُ مُعَاوِيَةُ، فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ، فَقَعَدَ عِنْدَ

رِجْلَيْهِ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: اَللّٰهُمَّ! إِنَّا نَسْتَشْفِعُ إِلَيْكَ الْيَوْمَ بِخَيْرِنَا وَأَفْضَلِنَا، اَللّٰهُمَّ! إِنَّا نَسْتَشْفِعُ إِلَيْكَ الْيَوْمَ بِيَزِيدَ بْنِ الْأَسْوَدِ الْجُرَشِيِّ، يَا يَزِيدُ! ارْفَعْ يَدَيْكَ إِلَى اللّٰهِ، فَرَفَعَ يَزِيدُ يَدَيْهِ وَرَفَعَ النَّاسُ أَيْدِيَهُمْ، فَمَا كَانَ أَوْشَكَ أَنْ ثَارَتْ سَحَابَةٌ فِي الْغَرْبِ، كَأَنَّهَا تُرْسٌ، وَهَبَّتْ لَهَا رِيحٌ، فَسُقِينَا، حَتّٰى كَادَ النَّاسُ أَنْ لَّا يَبْلُغُوا مَنَازِلَهُمْ.

''ایک دفعہ قحط پڑا۔ سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور دمشق کے لوگ بارش طلب کرنے کے لیے نکلے۔ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھ گئے تو فرمایا: یزید بن الاسود جرشی کہاں ہیں؟ لوگوں نے ان کو آواز دی۔ وہ لوگوں کو پھلانگتے ہوئے آئے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو حکم دیا تو وہ منبر پر چڑھ گئے اور آپ رضی اللہ عنہ کے قدموں کے پاس بیٹھ گئے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یوں دُعا کی: اے اللہ! ہم تیری طرف اپنے میں سے سب سے بہتر اور افضل شخص کی سفارش لے کر آئے ہیں، اے اللہ! ہم تیرے پاس یزید بن الاسود جرشی کی سفارش لے کر آئے ہیں۔ (پھر فرمایا) یزید! اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ اٹھایئے (اور دُعا فرمایئے)، یزید رحمہ اللہ نے ہاتھ اٹھائے، لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھائے۔ جلد ہی افق کی مغربی جانب میں ایک ڈھال نما بادل کا ٹکڑا نمودار ہوا، ہوا چلی اور بارش شروع ہوگئی حتی کہ محسوس ہوا کہ لوگ اپنے گھروں تک بھی نہ پہنچ پائیں گے۔''

(المعرفة والتاريخ ليعقوب بن سفيان الفسوي: 219/2، تاريخ دمشق: 112/65، وسندهٗ صحيح)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس اثر کی سند کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

(الإصابة في تمييز الصحابة: 697/6)

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام زندہ نیک لوگوں سے دُعا کرا کے اس کا حوالہ اللہ تعالیٰ کو دیتے تھے۔ یہی ان کا نیک لوگوں سے توسل لینے کا طریقہ تھا۔

دلیل نمبر ②: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ صحابیٔ رسول سیدنا ضحاک بن

قیس رضی اللہ عنہ نے بھی اسی نیک تابعی کی دُعا کا وسیلہ پکڑا تھا، اس روایت کے الفاظ بھی ملاحظہ فرمائیں:

إِنَّ الضَّحَّاكَ بْنَ قَيْسٍ خَرَجَ يَسْتَسْقِي، فَقَالَ لِيَزِيدَ بْنِ الْأَسْوَدِ: قُمْ يَا بَكَّاءُ!

''ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ بارش طلب کرنے کے لیے (کھلے میدان میں) نکلے تو یزید بن اسود رحمہ اللہ سے کہا: اے (اللہ کے سامنے) بہت زیادہ رونے والے! کھڑے ہو جایئے (اور بارش کے لیے دُعا کیجیے)۔'' (المعرفة والتاريخ: 220/2، تاريخ أبي زرعة الدمشقي: 602/1، تاريخ دمشق: 220/65، وسندهٗ صحيح)

قارئین کرام ہی بتائیں کہ کیا سیدنا معاویہ اور سیدنا ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہما کو وسیلے کے مفہوم کا زیادہ علم تھا یا بعد والے ادوار کے کسی شخص کو؟ پھر کسی ایک بھی صحابی یا تابعی یا ثقہ محدث سے ذات کے وسیلے کا جواز ثابت نہیں ہے۔

کیا اب بھی کوئی ذی شعور انسان صحیح بخاری والی حدیث میں مذکور وسیلے سے ذات کا وسیلہ مراد لے گا؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

فَأَمَّا التَّوَسُّلُ بِذَاتِهِ فِي حُضُورِهِ أَوْ مَغِيبِهِ أَوْ بَعْدَ مَوْتِهِ - مِثْلَ الْإِقْسَامِ بِذَاتِهِ أَوْ بِغَيْرِهِ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ أَوِ السُّؤَالِ بِنَفْسِ ذَوَاتِهِمْ بِدُعَائِهِمْ - فَلَيْسَ هٰذَا مَشْهُورًا عِنْدَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ، بَلْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَمُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ وَمَنْ بِحَضْرَتِهِمَا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ لَهُمْ بِإِحْسَانٍ، لَمَّا أَجْدَبُوا اسْتَسْقَوْا وَتَوَسَّلُوا وَاسْتَشْفَعُوا بِمَنْ كَانَ حَيًّا، كَالْعَبَّاسِ وَكَيَزِيدَ بْنِ الْأَسْوَدِ، وَلَمْ يَتَوَسَّلُوا وَلَمْ يَسْتَشْفِعُوا وَلَمْ يَسْتَسْقُوا فِي هٰذِهِ الْحَالِ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عِنْدَ قَبْرِهِ وَلَا غَيْرِ قَبْرِهِ، بَلْ عَدَلُوا إِلَى الْبَدَلِ، كَالْعَبَّاسِ وَكَيَزِيدَ، بَلْ كَانُوا يُصَلُّونَ عَلَيْهِ فِي دُعَائِهِمْ، وَقَدْ قَالَ عُمَرُ: اَللّٰهُمَّ! إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا

فَتُسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا. فَجَعَلُوا هٰذَا بَدَلًا عَنْ ذٰلِكَ لَمَّا تَعَذَّرَ أَنْ يَتَوَسَّلُوا بِهِ عَلَى الْوَجْهِ الْمَشْرُوعِ الَّذِي كَانُوا يَفْعَلُونَهُ، وَقَدْ كَانَ مِنَ الْمُمْكِنِ أَنْ يَأْتُوا إِلَى قَبْرِهِ، فَيَتَوَسَّلُوا بِهِ، وَيَقُولُوا فِي دُعَائِهِمْ فِي الصَّحْرَاءِ بِالْجَاهِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ، مِنَ الْأَلْفَاظِ الَّتِي تَتَضَمَّنُ الْقَسَمَ بِمَخْلُوقٍ عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ أَوِ السُّؤَالَ بِهِ، فَيَقُولُونَ: نَسْأَلُكَ أَوْ نُقْسِمُ عَلَيْكَ بِنَبِيِّكَ أَوْ بِجَاهِ نَبِيِّكَ وَنَحْوِ ذٰلِكَ، مِمَّا يَفْعَلُهُ بَعْضُ النَّاسِ.

''آپ ﷺ کی موجودگی، غیر موجودگی میں یا وفات کے بعد آپ کی ذات کا وسیلہ پیش کرنا، اللہ تعالیٰ کو آپ کی ذات یا دیگر انبیائے کرام کی ذات کی قسم دینا یا انبیائے کرام ہی کو پکار کر ان سے حاجت طلبی کرنا، سب کاموں کا حکم ایک ہے۔ صحابہ کرام اور تابعین عظام کے ہاں یہ کام معروف نہ تھا۔ اس کے برعکس سیدنا عمر بن خطاب اور سیدنا معاویہ بن ابوسفیان، ان کے ساتھ موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد آنے والے تابعین جب خشک سالی میں مبتلا ہوتے تو وہ زندہ نیک لوگوں، مثلاً سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور یزید بن اسود رحمہ اللہ، سے دعا کراتے اور اس دعا کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کرتے تھے۔ انہوں نے ایسی صورتِ حال میں کبھی بھی نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ اختیار کر کے بارش طلب نہیں کی، نہ آپ ﷺ کی قبر مبارک کے پاس نہ کسی اور کی قبر کے پاس، بلکہ یہ لوگ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور یزید بن اسود رحمہ اللہ کی طرف چلے گئے۔ وہ دعا میں آپ ﷺ کا وسیلہ دینے کی بجائے آپ پر درود و سلام پڑھتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ اے اللہ! پہلے ہم تیرے نبی کو تیرے دربار میں وسیلہ بناتے تھے اور تو ہمیں بارش عنایت فرماتا تھا، اب ہم تیرے پاس اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ لے کر آئے ہیں، لہٰذا ہمیں بارش عطا فرما۔ یعنی صحابہ کرام نے جب نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں اختیار کیے جانے والے طریقے کو اختیار کرنا (آپ ﷺ سے دُعا کرانا) ممکن نہ سمجھا تو اس کے بدلے میں اس طریقے

(سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی دعا) کو اختیار کر لیا۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر آتے اور آپ کی ذات کا وسیلہ اختیار کرتے یا کھلے میدان میں جا کر اپنی دعا میں آپ کا وسیلہ ان الفاظ میں پیش کرتے جن سے اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی قسم دینا یا مخلوق کے واسطے سے سوال کرنا لازم آتا۔ وہ کہہ سکتے تھے کہ اے اللہ! ہم تجھ سے تیرے نبی کے مقام و مرتبہ کے طفیل سوال کرتے ہیں یا تجھے تیرے نبی کی قسم دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ، جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں (لیکن صحابہ کرام نے ایسا نہیں کیا)۔" (مجموع الفتاوی:1/318)

قابل غور بات تو یہ ہے کہ سلف صالحین راہِ اعتدال پر تھے، سنت کے متبع تھے۔ کسی زندہ یا فوت شدہ شخص کی ذات کے وسیلے کا ان کی زندگیوں میں ثبوت نہیں ملتا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) لکھتے ہیں:

ثُمَّ سَلَفُ الْأُمَّةِ وَأَئِمَّتُهَا وَعُلَمَائُهُمْ إِلٰى هٰذَا التَّارِيخِ، سَلَكُوا سَبِيلَ الصَّحَابَةِ فِي التَّوَسُّلِ فِي الِاسْتِسْقَاءِ بِالْأَحْيَاءِ الصَّالِحِينَ الْحَاضِرِينَ، وَلَمْ يُذْكَرْ عَنْ أَحَدٍ مِّنْهُمْ فِي ذٰلِكَ التَّوَسُّلُ بِالْأَمْوَاتِ، لَا مِنَ الرُّسُلِ، وَلَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ، وَلَا مِنَ الصَّالِحِينَ، وَمَنِ ادَّعٰى أَنَّهُ عَلِمَ هٰذِهِ التَّسْوِيَةَ الَّتِي جَهِلَهَا عُلَمَاءُ الْإِسْلَامِ وَسَلَفُ الْأُمَّةِ وَخِيَارُ الْأُمَمِ، وَكَفَّرَ مَنْ أَنْكَرَهَا وَضَلَّلَهُ، فَاللّٰهُ تَعَالٰى هُوَ الَّذِي يُجَازِيهِ عَلٰى مَا قَالَهُ وَفَعَلَهُ.

"پھر امت کے اسلاف وائمہ اور آج تک کے علمائے کرام بارش طلب کرنے کے حوالے سے نیک زندہ لوگوں کا وسیلہ لینے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے پر چلے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک سے بھی یہ منقول نہیں کہ انہوں نے فوت شدگان کا وسیلہ پیش کیا ہو، انہوں نے نہ رسولوں کا وسیلہ پکڑا، نہ انبیاء کا اور نہ عام نیک لوگوں کا۔ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ زندہ اور فوت شدہ دونوں کا وسیلہ برابر ہے، حالانکہ علمائے اسلام، اسلافِ امت اور امت کے بہترین لوگوں اس برابری

کے قائل نہ تھے، پھر وہ اس بدعی وسیلے سے بیزار ہونے والوں کو کافر اور گمراہ قرار دے تو اللہ تعالیٰ ہی اس کے قول وفعل پر اس سے نمٹ لے۔" (الرد علی البکری لابن تیمیة، ص: 126، 127)

سلف صالحین کی پیروی ہی اہل سنت کا شعار ہے۔

دلیل نمبر ③ : سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّهُمْ لَمَّا فَتَحُوا تُسْتَرَ، قَالَ : فَوَجَدَ رَجُلًا أَنْفُهُ ذِرَاعٌ فِي التَّابُوتِ، كَانُوا يَسْتَظْهِرُونَ وَيَسْتَمْطِرُونَ بِهِ، فَكَتَبَ أَبُو مُوسَى إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِذٰلِكَ، فَكَتَبَ عُمَرُ : إِنَّ هٰذَا نَبِيٌّ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ، وَالنَّارُ لَا تَأْكُلُ الْأَنْبِيَاءَ، وَالْأَرْضُ لَا تَأْكُلُ الْأَنْبِيَاءَ، فَكَتَبَ أَنِ انْظُرْ أَنْتَ وَأَصْحَابُكَ، يَعْنِي أَصْحَابَ أَبِي مُوسَى، فَادْفِنُوهُ فِي مَكَانٍ لَّا يَعْلَمُهُ أَحَدٌ غَيْرُكُمَا، قَالَ : فَذَهَبْتُ أَنَا وَأَبُو مُوسَى، فَدَفَنَّاهُ.

"جب صحابہ کرام نے تُستَر کو فتح کیا تو وہاں تابوت میں ایک شخص کا جسم دیکھا۔ اس کی ناک ہمارے ایک ہاتھ کے برابر تھی۔ وہاں کے لوگ اس تابوت کے وسیلے سے غلبہ و بارش طلب کیا کرتے تھے۔ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا اور سارا واقعہ سنایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں میں سے ایک نبی ہیں۔ نہ آگ نبی کو کھاتی ہے نہ زمین۔ پھر فرمایا: تم اور تمھارے ساتھی کوئی ایسی جگہ دیکھو جس کا تم دونوں کے علاوہ کسی کو علم نہ ہو، وہاں اس تابوت کو دفن کر دو۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ گئے اور اسے (ایک گم نام جگہ میں) دفن کر دیا۔"

(مصنف ابن أبي شيبة: 4/7، الرقم: 33819، وسنده صحيح)

یعنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام انبیائے کرام کے جسم یا ان کی ذات کو وسیلہ بنانا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ عجمی علاقوں کے کفار اس توسل کے قائل تھے، ان کے اس فعلِ شنیع کو ختم کرنے کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس نبی کے جسم کو کسی گم نام جگہ میں دفن کرنے کا حکم دے دیا۔

دلیل نمبر ④: ابو العالیہ تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

لَمَّا افْتَتَحْنَا تُسْتَرَ وَجَدْنَا فِي بَيْتِ مَالِ الْهُرْمُزَانِ سَرِيرًا، عَلَيْهِ رَجُلٌ مَيِّتٌ، عِنْدَ رَأْسِهِ مُصْحَفٌ لَهُ، فَأَخَذْنَا الْمُصْحَفَ، فَحَمَلْنَاهُ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَدَعَا لَهُ كَعْبًا، فَنَسَخَهُ بِالْعَرَبِيَّةِ، أَنَا أَوَّلُ رَجُلٍ مِنَ الْعَرَبِ قَرَأَهُ، قَرَأْتُهُ مِثْلَ مَا أَقْرَأُ الْقُرْآنَ هٰذَا، فَقُلْتُ لِأَبِي الْعَالِيَةِ: مَا كَانَ فِيهِ؟ فَقَالَ: سِيرَتُكُمْ، وَأُمُورُكُمْ، وَدِينُكُمْ، وَلُحُونُ كَلَامِكُمْ، وَمَا هُوَ كَائِنٌ بَعْدُ، قُلْتُ: فَمَا صَنَعْتُمْ بِالرَّجُلِ؟ قَالَ: حَفَرْنَا بِالنَّهَارِ ثَلَاثَةَ عَشَرَ قَبْرًا مُتَفَرِّقَةً، فَلَمَّا كَانَ فِي اللَّيْلِ، دَفَنَّاهُ وَسَوَّيْنَا الْقُبُورَ كُلَّهَا، لِنُعَمِّيَهُ عَلَى النَّاسِ لَا يَنْبُشُونَهُ، فَقُلْتُ: وَمَا يَرْجُونَ مِنْهُ؟ قَالَ: كَانَتِ السَّمَاءُ إِذَا حُبِسَتْ عَلَيْهِمْ بَرَزُوا بِسَرِيرِهِ، فَيُمْطَرُونَ. قُلْتُ: مَنْ كُنْتُمْ تَظُنُّونَ الرَّجُلَ؟ قَالَ: رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ: دَانْيَالُ، فَقُلْتُ: مُذْ كَمْ وَجَدْتُمُوهُ مَاتَ؟ قَالَ: مُذْ ثَلَاثِمِائَةِ سَنَةٍ، فَقُلْتُ: مَا كَانَ تَغَيَّرَ شَيْئًا؟ قَالَ: لَا، إِلَّا شُعَيْرَاتٌ مِنْ قَفَاهُ، إِنَّ لُحُومَ الْأَنْبِيَاءِ لَا تُبْلِيهَا الْأَرْضُ، وَلَا تَأْكُلُهَا السِّبَاعُ.

''ہم نے جب تُستر کو فتح کیا تو ہرمزان کے بیت المال میں ایک چارپائی دیکھی۔ اس پر ایک فوت شدہ شخص پڑا تھا۔ اس کے سر کے پاس ایک کتاب تھی۔ ہم نے وہ کتاب پکڑی اور اسے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے۔ انہوں نے کعب احبار تابعی رحمہ اللہ کو بلایا جنہوں نے اس کتاب کا عربی میں ترجمہ کر دیا۔ میں عربوں میں سے وہ پہلا شخص تھا جس نے اس کتاب کو پڑھا۔ میں اس کو یوں پڑھ رہا تھا، گویا قرآنِ کریم کو پڑھ رہا ہوں۔ ابو العالیہ کے شاگرد کہتے ہیں: میں نے ابو العالیہ سے پوچھا کہ اس کتاب میں کیا لکھا تھا۔ انہوں نے فرمایا: اس میں امتِ محمدیہ کی سیرت، معاملات، دین، تمہارے لہجے اور بعد والے حالات۔ میں نے

عرض کیا: آپ نے اس فوت شدہ شخص کا کیا کیا؟ انہوں نے فرمایا: ہم نے دن کے وقت مختلف جگہوں پر تیرہ قبریں کھودیں۔ پھر رات کے وقت ان میں سے ایک میں اسے دفن کر دیا اور سب قبریں زمین کے برابر کر دیں۔ اس طرح کرنے کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو صحیح قبر کا علم نہ ہو اور وہ قبر کشائی نہ کر سکیں۔ میں نے عرض کیا: وہ لوگ اس فوت شدہ شخص سے کیا اُمید رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: ان کا خیال یہ تھا کہ جب وہ قحط سالی میں مبتلا ہوتے ہیں تو اس کی چارپائی کو باہر نکالنے سے ان کو بارش عطا کی جاتی ہے۔ میں نے پوچھا: آپ کے خیال میں وہ شخص کون تھا؟ انہوں نے کہا: جسے دانیال کہا جاتا ہے۔ میں نے پوچھا: آپ کے خیال کے مطابق وہ کتنے عرصے سے فوت ہو چکا تھا؟ انہوں نے فرمایا: تین سو سال سے۔ میں نے کہا: کیا اس کے جسم میں کوئی تبدیلی آئی تھی؟ انہوں نے فرمایا: نہیں، بس گدی سے چند بال گرے تھے، کیونکہ انبیائے کرام کے جسم میں نہ زمین تصرف کرتی ہے نہ درندے اسے کھاتے ہیں۔"

(السيرة لابن إسحاق، ص:67,66، طبع دار الفكر، بيروت، دلائل النبوة للبيهقي:1/382,381، طبع دار الكتب العلمية، بيروت)

ان دونوں آثار سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام، انبیائے کرام کے جسموں اور ان کی قبروں سے توسل کو ناجائز سمجھتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے بڑے اہتمام سے اس دانیال نبی علیہ السلام کے جسم مبارک کو چھپا دیا تاکہ نہ لوگوں کو ان کی قبر کا علم ہو، نہ وہ ان سے توسل کر سکیں۔ بعض لوگ خیانت علمی سے کام لیتے ہوئے ان روایات کے آدھے ٹکڑے سامعین کے سامنے رکھتے ہیں اور انہیں بتاتے ہیں کہ انبیائے کرام کے اجسام اور ان کی قبروں سے توسل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں بھی لیا جاتا تھا۔ یہ لوگ اگلے ٹکڑے ڈکار جاتے ہیں جن میں وضاحت ہے کہ یہ کام عجمی کفار کا تھا اور صحابہ کرام نے ان کے اس کام کو جائز نہیں سمجھا، نہ انہیں اس کام کی اجازت دی، بلکہ اس کے سدباب کے لیے انتہائی اقدامات کیے۔

یہ حرکت بدترین خیانت ہے۔ دُنیا میں تو اللہ تعالیٰ نے ایسے نام نہاد سکالرز کو مہلت دی ہوئی ہے، لیکن ایسے لوگ روزِ قیامت عذابِ الٰہی سے نہیں بچ پائیں گے۔ اب بھی موقع ہے،

انہیں حشر اور حساب سے ضرور جانا چاہیے۔

اسی بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَلِهٰذَا كَانَ السَّلَفُ يَسُدُّونَ هٰذَا الْبَابَ، فَإِنَّ الْمُسْلِمِينَ لَمَّا فَتَحُوا تُسْتَرَ وَجَدُوا هُنَاكَ سَرِيرَ مَيِّتٍ بَاقٍ، ذَكَرُوا أَنَّهُ "دَانْيَالُ"، وَوَجَدُوا عِنْدَهُ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُ الْحَوَادِثِ، وَكَانَ أَهْلُ تِلْكَ النَّاحِيَةِ يَسْتَسْقُونَ بِهِ، فَكَتَبَ فِي ذٰلِكَ أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ إِلَى عُمَرَ، فَكَتَبَ إِلَيْهِ عُمَرُ أَنْ يُحْفَرَ بِالنَّهَارِ ثَلَاثَةَ عَشَرَ قَبْرًا، ثُمَّ يُدْفَنَ بِاللَّيْلِ فِي وَاحِدٍ مِّنْهَا، وَيُعَفّٰى قَبْرُهُ، لِئَلَّا يَفْتَتِنَ النَّاسُ بِهِ.

"سلف صالحین (صحابہ وتابعین) اس دروازے (انبیاء وصالحین کے توسل) کو بند کرتے تھے۔ جب مسلمانوں نے تُستر کے علاقے کو فتح کیا تو وہاں ایک فوت شدہ سلامت شخص کو دیکھا۔ انہوں نے اسے دانیال نبی قرار دیا۔ اس کے قریب ایک کتاب بھی تھی جس میں واقعات کا ذکر تھا۔ اس علاقے کے لوگ اس کے توسل سے بارش طلب کرتے تھے۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تو انہوں نے جواباً فرمایا کہ دن کو تیرہ قبریں کھودی جائیں، پھر رات کے اندھیرے میں ان میں سے ایک میں دانیال علیہ السلام کو دفن کر دیا جائے۔ پھر قبر کا نشان مٹا دیا جائے تاکہ لوگ شرک میں مبتلا نہ ہوں۔" (مجموع الفتاوی: 170/27)

شیخ الاسلام رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: فَفِي هٰذِهِ الْقِصَّةِ مَا فَعَلَهُ الْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ مِنْ تَعْمِيَةِ قَبْرِهِ، لِئَلَّا يَفْتَتِنَ بِهِ النَّاسُ، وَهُوَ إِنْكَارٌ مِّنْهُمْ لِذٰلِكَ.

"اس واقعے میں مہاجرین اور انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دانیال علیہ السلام کی قبر کو چھپایا ہے تاکہ لوگ اس کی وجہ سے شرک و بدعت میں مبتلا نہ ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام انبیاء وصلحاء کی قبروں سے توسل کو ناجائز سمجھتے تھے۔"

معلوم ہوا کہ صحیح احادیث اور اسلافِ امت سے وسیلہ بالذات والاموات ثابت نہیں۔

الحمدللہ! اہل حدیث وسیلے کی جائز و مشروع صورتوں کے قائل و فاعل ہیں جبکہ ممنوع و غیر مشروع صورتوں کے منکر ہیں۔ہم اہل حدیث سلف صالحین کے عقیدے پر قائم ہیں۔ سلف صالحین کا مذہب ہی سلامتی والا ہے۔وہ دُعا میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے وسیلے کے قائل و فاعل تھے، اسی طرح زندہ نیک ہستیوں سے دُعا کرا لیتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے تھے کہ وہ ان نیک لوگوں کی دُعا کو قبول کر کے ان کی حاجت پوری کر دے، نیز وہ اپنے اعمالِ صالحہ کو بھی بطور وسیلہ استعمال کرتے تھے۔وسیلے کی یہی تین صورتیں قرآن و سنت سے ثابت ہیں۔اس کے علاوہ دُعا میں وسیلے کی کوئی اور صورت مشروع نہیں۔

سلف صالحین فوت شدگان کے وسیلے سے دعا نہیں کرتے تھے۔ان میں سے کوئی بھی ''بحق فلاں، بحرمتِ فلاں، بجاہِ فلاں، بذاتِ فلاں'' وغیرہ الفاظ کا اپنی دعاؤں میں استعمال نہیں کرتا تھا۔ان کی کتابیں ان الفاظ کے ذکر سے یکسر خالی ہیں۔فوت شدگان سے دُعا کرنے یا کرانے یا ان کے وسیلے سے دُعا کرنے کا قرآن و سنت میں کوئی ثبوت نہیں۔یہی وجہ ہے کہ یہ سلف صالحین کا مذہب نہیں تھا۔سلف صالحین تو قرآن و سنت کے پابند تھے۔ائمہ اہل سنت والجماعت میں سے ایک امام بھی ایسا نہیں جو نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر جا کر یہ صدا کرتا ہو کہ اللہ کے رسول! میرے لیے اللہ سے سوال کریں یا میری مغفرت و معافی کی سفارش فرما دیں۔اہل حدیث ہی اصلی اہل سنت ہیں۔اسی لیے وہ دیگر تمام شرعی امور کی طرح وسیلے کے بارے میں بھی سلف صالحین اور ائمہ اہل سنت کے نقشِ قدم پر گامزن ہیں۔

سلف صالحین، محدثین کرام اور ائمہ اہل سنت کے مذہب کے خلاف رافضی شیعہ، حنفی، دیوبندی اور بریلوی چاروں مکاتبِ فکر کے حاملین فوت شدگان کے وسیلے کو جائز اور درست سمجھتے

ہیں۔ان کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر جا کر سوال کرنا جائز ہے۔حالانکہ اس بات پر سلف میں سے کوئی بھی ان کا حامی نہیں، خیر القرون میں اس نظریے کا ذکر تک نہیں ملتا اور ائمہ اہل سنت اس سے آشنا تک نہ تھے۔

اہل حدیث اور مشروع توسل

اہل حدیث صرف اس وسیلے کے قائل و فاعل ہیں جو فہم سلف کی روشنی میں قرآن و سنت سے ثابت ہے۔غیر مشروع وسیلے سے ہم بیزار ہیں، جیسا کہ شیخ الاسلام والمسلمین ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَأَمَّا الْقِسْمُ الثَّالِثُ، وَهُوَ أَنْ يَّقُولَ : اللّٰهُمَّ ! بِجَاهِ فُلَانٍ عِنْدَكَ، أَوْ بِبَرَكَةِ فُلَانٍ، أَوْ بِحُرْمَةِ فُلَانٍ عِنْدَكَ، اِفْعَلْ بِي كَذَا وَكَذَا، فَهٰذَا يَفْعَلُهُ كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ، لٰكِنْ لَّمْ يُنْقَلْ عَنْ أَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَسَلَفِ الْأُمَّةِ أَنَّهُمْ كَانُوا يَدْعُونَ بِمِثْلِ هٰذَا الدُّعَاءِ، وَلَمْ يَبْلُغْنِي عَنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعُلَمَاءِ فِي ذٰلِكَ مَا أَحْكِيهِ، إِلَّا مَا رَأَيْتُ فِي فَتَاوَى الْفَقِيهِ أَبِي مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ السَّلَامِ، فَإِنَّهُ أَفْتٰى : أَنَّهُ لَا يَجُوزُ لِأَحَدٍ أَنْ يَّفْعَلَ ذٰلِكَ إِلَّا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ - إِنْ صَحَّ الْحَدِيثُ فِي النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ.

”وسیلے کی تیسری قسم یہ ہے کہ آدمی اپنی دُعا میں کہے: اے اللہ! اپنے ہاں فلاں کے مقام و مرتبے کی وجہ سے یا فلاں کی برکت کی بنا پر یا اپنے ہاں فلاں کی عزت کے سبب میرا یہ کام کر دے۔بہت سے لوگ ایسا کرتے ہیں لیکن صحابہ و تابعین اور اسلافِ امت میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں کہ وہ اس طرح دُعا کرتے ہوں۔مجھے کسی عالم سے کوئی ایسی بات نہیں پہنچی جسے میں نقل کر سکوں۔ہاں، فقیہ ابو محمد بن عبد السلام کے فتاویٰ میں ہے کہ دُعا میں صرف نبی اکرم ﷺ

کا واسطہ دینا جائز ہے، وہ بھی اس وقت جب اس بارے میں مروی حدیث ثابت ہو جائے۔۔۔ (اور صحیح بات یہ ہے کہ اس حدیث سے بھی نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں آپ کی دُعا کا وسیلہ ثابت ہوتا ہے، آپ کی وفات کے بعد آپ کی ذات کا وسیلہ اس سے ثابت نہیں ہو سکتا۔)''

(زیارۃ القبور والاستنجاد بالمقبور، ص:112، طبع مصر)

مشہور اہل حدیث عالم علامہ محمد بشیر سہسوانی ہندی رحمہ اللہ (1252-1326) فرماتے ہیں:

إِنَّا مَعَاشِرَ الْمُوَحِّدِينَ لَا نَمْنَعُ التَّوَسُّلَ مُطْلَقًا كَمَا تَقَدَّمَ، وَإِنَّمَا نَمْنَعُ مِنْهُ مَا كَانَ مُتَضَمِّنًا لِّعِبَادَةِ غَيْرِ اللّٰهِ، أَوْ لِمَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ وَرَسُولُهُ، أَوْ مُحْدَثًا لَّمْ يَدُلَّ عَلَيْهِ دَلِيلٌ مِّنْ كِتَابٍ وَّسُنَّةٍ ثَابِتَةٍ.

''ہم توحید پرست لوگ وسیلے سے کلّی طور پر منع نہیں کرتے جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔ ہم تو صرف اس وسیلے سے منع کرتے جس سے غیر اللہ کی عبادت لازم آتی ہو یا جس سے اللہ ورسول نے منع فرمایا ہو یا وہ ایسی بدعت پر مبنی ہو جس کی قرآنِ کریم اور صحیح حدیث میں کوئی دلیل نہ ہو۔'' (صیانۃ الإنسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان، ص:221)

نیز فرماتے ہیں:

إِنَّ التَّوَسُّلَ لَهُ أَقْسَامٌ: بَعْضُهَا مَشْرُوعٌ، وَبَعْضُهَا شِرْكٌ وَّمُحَرَّمٌ، وَبَعْضُهَا مَكْرُوهٌ وَّبِدْعَةٌ، فَالَّذِي نَجْعَلُهُ مُحَرَّمًا أَوْ كُفْرًا وَّشِرْكًا أَوْ بِدْعَةً لَّا نُسَلِّمُ اجْتِمَاعَ مُعْظَمِ الْأُمَّةِ عَلَيْهِ، وَالَّذِي عَلَيْهِ اجْتِمَاعُ مُعْظَمِ الْأُمَّةِ لَا نَقُولُ بِكَوْنِهِ شِرْكًا أَوْ مُحَرَّمًا أَوْ بِدْعَةً.

''وسیلے کی کئی اقسام ہیں جن میں سے بعض جائز ہیں، بعض شرک اور حرام ہیں اور بعض مکروہ اور بدعت ہیں۔ وسیلے کی جس قسم کو ہم حرام، کفر، شرک یا بدعت قرار دیتے ہیں، ہمارے نزدیک جمہور امت اتفاقی طور پر اس کے قائل و فاعل نہیں ہو سکتے اور جس قسم پر جمہورِ امت کا

اتفاق ہو، ہمارے نزدیک وہ شرک، حرام یا بدعت نہیں ہو سکتی۔"

(صیانۃ الإنسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان، ص:221)

شیخ سہسوانی رحمہ اللہ بعض اشکالات کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

إِنَّ الثَّابِتَ بِهِ إِنَّمَا هُوَ التَّوَسُّلُ بِالْأَحْيَاءِ وَلَا يُنْكِرُهُ أَحَدٌ، وَإِنَّمَا يَمْنَعُ مَنْ يَمْنَعُ التَّوَسُّلَ بِالْأَمْوَاتِ، فَإِنْ قُلْتَ: لَفْظُ "يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ" يَدُلُّ عَلَى أَنَّ التَّوَسُّلَ بِالذَّوَاتِ الْفَاضِلَةِ جَائِزٌ، قُلْتُ: الْمَكْرُوهُ مِنَ التَّوَسُّلِ هُوَ أَنْ يُقَالَ: أَسْأَلُكَ بِحَقِّ فُلَانٍ أَوْ بِحُرْمَةِ فُلَانٍ، وَأَمَّا إِحْضَارُ الصَّالِحِينَ فِي مَقَامِ الِاسْتِسْقَاءِ أَوْ طَلَبُ الدُّعَاءِ مِنْهُمْ فَهُوَ لَيْسَ مِنَ الْمَكْرُوهِ فِي شَيْءٍ، بَلْ هُوَ ثَابِتٌ بِالسُّنَّةِ الصَّحِيحَةِ، وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ الْبَيْهَقِيِّ إِلَّا التَّوَسُّلُ بِدُعَائِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَذَا التَّوَسُّلُ الَّذِي يُشِيرُ إِلَيْهِ أَبُو طَالِبٍ إِنَّمَا كَانَ بِإِحْضَارِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَقَامِ الِاسْتِسْقَاءِ أَوْ بِدُعَائِهِ.

"بیہقی کی روایت سے زندہ لوگوں کا وسیلہ ثابت ہوتا ہے اور اس کا کوئی بھی انکاری نہیں۔ جو لوگ روکتے ہیں، وہ صرف فوت شدگان کے وسیلے سے روکتے ہیں۔ اگر آپ کہیں کہ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ (آپ کے چہرے کے ساتھ بارش طلب کی جاتی ہے) کے لفظ سے نیک لوگوں کی ذات کے وسیلے کا جواز ثابت ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وسیلے کی مکروہ صورت یہ ہے کہ کوئی کہے: میں فلاں کے بحق یا فلاں کے مقام و مرتبہ کے سبب سوال کرتا ہوں۔ رہی بات نیک لوگوں کو میدانِ استسقاء میں لانا یا ان سے دُعا کرنے کا کہنا، تو یہ قطعاً مکروہ نہیں۔ یہ تو صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ بیہقی والی حدیث میں بھی صرف نبی اکرم ﷺ کی دُعا کے وسیلے کا ذکر ہے۔ اسی طرح (رسولِ اکرم ﷺ کے چچا) ابو طالب نے جس وسیلے کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد نبی اکرم ﷺ کو میدانِ استسقاء میں ساتھ لانا یا آپ ﷺ سے دُعا کرانا ہے۔"

(صیانۃ الإنسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان، ص:281)

علامہ موصوف توسل کی ممنوع وحرام اور کفر وشرک پر مبنی صورتوں کے متعلق فرماتے ہیں:

اَلثَّامِنُ: أَنْ يَّسْأَلَ اللّٰهَ وَيَدْعُوَهُ عِنْدَ قُبُورِ الصَّالِحِينَ مُعْتَقِدًا أَنَّ الدُّعَاءَ عِنْدَ الْقَبْرِ مُسْتَجَابٌ، وَالتَّاسِعُ: أَنْ يَّقُولَ عِنْدَ قَبْرِ نَبِيٍّ أَوْ صَالِحٍ: يَا سَيِّدِي فُلَانُ! ادْعُ اللّٰهَ تَعَالٰى أَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ، فَهٰذَانِ الْقِسْمَانِ مِمَّا لَا يَسْتَرِيبُ عَالِمٌ أَنَّهُمَا غَيْرُ جَائِزَيْنِ، وَأَنَّهُمَا مِنَ الْبِدَعِ الَّتِي لَمْ يَفْعَلْهَا السَّلَفُ، وَإِنْ كَانَ السَّلَامُ عَلَى الْقُبُورِ جَائِزًا. اَلْعَاشِرُ: أَنْ يَّقُولَ عِنْدَ قَبْرِ نَبِيٍّ أَوْ صَالِحٍ: يَا سَيِّدِي فُلَانُ! اشْفِ مَرِيضِي وَاكْشِفْ عَنِّي كُرْبَتِي وَغَيْرَ ذٰلِكَ، وَهٰذَا شِرْكٌ جَلِيٌّ، إِذْ نِدَاءُ غَيْرِ اللّٰهِ طَالِبًا بِذٰلِكَ دَفْعَ شَرٍّ أَوْ جَلْبَ مَنْفَعَةٍ فِيمَا لَا يَقْدِرُ عَلَيْهِ الْغَيْرُ دُعَاءٌ، وَالدُّعَاءُ عِبَادَةٌ، وَعِبَادَةُ غَيْرِ اللّٰهِ شِرْكٌ، وَهٰذَا أَعَمُّ مِنْ أَنْ يَّعْتَقِدَ فِيهِمْ أَنَّهُمْ مُؤَثِّرُونَ بِالذَّاتِ، أَوْ أَعْطَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى التَّصَرُّفَاتِ فِي تِلْكَ الْأُمُورِ، أَوْ أَنَّهُمْ أَبْوَابُ الْحَاجَةِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَشُفَعَاؤُهُ وَوَسَائِلُهُ، وَفِي هٰذَا الْحُكْمِ التَّوَسُّلُ بِسَائِرِ الْعِبَادَاتِ مِنَ الذَّبْحِ لَهُمْ وَالنَّذْرِ لَهُمْ وَالتَّوَكُّلِ عَلَيْهِمْ وَالِالْتِجَاءِ إِلَيْهِمْ، وَالْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ مِنْهُمْ، وَالسُّجُودِ لَهُمْ وَالطَّوَافِ لَهُمْ. اَلْحَادِي عَشَرَ: أَنْ يَّدْعُوَ غَائِبًا أَوْ مَيِّتًا عِنْدَ غَيْرِ الْقُبُورِ: يَا سَيِّدِي فُلَانُ! ادْعُ اللّٰهَ تَعَالٰى فِي حَاجَتِي فُلَانَةَ، زَاعِمًا أَنَّهُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ وَيَسْمَعُ كَلَامَهُ فِي كُلِّ زَمَانٍ وَّمَكَانٍ وَّيَشْفَعُ لَهُ فِي كُلِّ حِينٍ وَّأَوَانٍ، فَهٰذَا شِرْكٌ صَرِيحٌ، فَإِنَّ عِلْمَ الْغَيْبِ مِنَ الصِّفَاتِ الْمُخْتَصَّةِ بِاللّٰهِ تَعَالٰى. اَلثَّانِي عَشَرَ: أَنْ يَّدْعُوَ غَائِبًا أَوْ مَيِّتًا عِنْدَ غَيْرِ الْقَبْرِ: يَا سَيِّدِي فُلَانُ! اشْفِ مَرِيضِي وَاقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ

وَهَبْ لِي وَلَدًا وَّارْزُقْنِي وَاغْفِرْلِي وَأَمْثَالُ ذٰلِکَ، وَهٰذَا أَيْضًا شِرْکٌ مِنْ وَّجْهَيْنِ: الْأَوَّلُ أَنَّهُ يَعْتَقِدُ عِلْمَ الْغَيْبِ لِذٰلِکَ الْمَدْعُوِّ وَهُوَ شِرْکٌ، وَالثَّانِي أَنَّهُ يُنَادِي وَيَدْعُو غَيْرَ اللّٰهِ تَعَالٰی طَالِبًا بِذٰلِکَ دَفْعَ شَرٍّ أَوْ جَلْبَ مَنْفَعَةٍ فِيمَا لَا يَقْدِرُ ذٰلِکَ الْغَيْرُ عَلَيْهِ، وَهٰذَا الدُّعَاءُ عِبَادَةٌ، وَعِبَادَةُ غَيْرِ اللّٰهِ شِرْکٌ، وَمَنْ قَالَ مِنَ الْعُلَمَاءِ بِكَوْنِ التَّوَسُّلِ شِرْکًا فَإِنَّمَا أَرَادَ بِهِ أَحَدَ الْأَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ الْأَخِيرَةِ.

''آٹھویں قسم یہ ہے کہ آدمی یہ عقیدہ رکھتے ہوئے نیک لوگوں کی قبروں کے پاس اللہ تعالیٰ سے دُعا ومناجات کرے کہ وہاں دعا قبول ہوتی ہے۔نویں صورت یہ ہے کہ وہ کسی نبی یا ولی کی قبر کے پاس جا کر اس طرح کے الفاظ کہے: آقا! میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں۔اس بات میں کسی عالم کو شبہ نہیں ہوسکتا کہ یہ دونوں قسمیں ناجائز ہیں اور ان بدعات میں شامل ہیں جن کا سلف نے ارتکاب نہیں کیا۔ہاں! (شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں) قبرستان میں سلام کہنا جائز ہے۔دسویں صورت یہ ہے کہ آدمی کسی نبی یا ولی کی قبر پر جا کر کہے: آقا! میرے مریض کو شفا دیجیے، میری مشکلات کو حل فرمائیے وغیرہ۔یہ واضح شرک ہے، کیونکہ غیراللہ کو کسی ایسی تکلیف کو دور کرنے کے لیے یا کسی ایسے نفع کو حاصل کرنے کے پکارنا جس پر وہ قادر نہ ہو، دُعا ہے اور دُعا عبادت ہے اور غیراللہ کی عبادت شرک ہے۔انبیاء واولیاء کو ذاتی طور پر ان تصرفات کا اہل سمجھا جائے یا ان امور کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطائی سمجھا جائے یا ان کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں سفارشی خیال کیا جائے، ہر حال میں شرک ہے۔باقی عبادات، مثلاً غیراللہ کے لیے جانور ذبح کرنا، ان کے لیے نذر ونیاز کا اہتمام، ان پر توکل، ان سے التجا اور خوف ورجاء، ان کے لیے سجدہ اور طواف وغیرہ، کا بھی یہی حکم ہے۔گیارہویں قسم یہ ہے کہ آدمی کسی غائب یا فوت شدہ کو اس کی قبر کے علاوہ کسی اور جگہ پکارتے ہوئے کہے: آقا! اللہ تعالیٰ سے میرے اس معاملے میں دعا کیجیے اور اس کا عقیدہ یہ ہو کہ جس کو وہ پکار رہا ہے، وہ غیب جانتا ہے اور ہر زمان ومکان میں اس کا

کلام سن رہا ہے اور ہر وقت اس کے لیے سفارش کرتا ہے۔ یہ صورت بھی شرکِ جلی ہے کیونکہ علم غیب اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ بارھویں قسم یہ ہے کہ آدمی کسی غائب یا فوت شدہ شخص کو اس کی قبر کے علاوہ کسی اور جگہ پر پکارے اور کہے: آقا! میرے مریض کو شفا دیجیے، میرا قرض دُور فرمائیے، مجھے اولاد عطا کیجیے، مجھے رزق عنایت فرمائیے، مجھے معاف فرمائیے وغیرہ۔ یہ صورت بھی دو طرح سے شرک ہے۔ اول اس طرح کہ وہ پکارے جانے والے شخص کے عالم الغیب ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے اور یہ شرک ہے، ثانی یہ کہ وہ غیر اللہ کو ایسی تکلیف کے دور کرنے یا ایسے نفع کو حاصل کرنے کے لیے پکارتا ہے جس پر غیر اللہ قدرت نہیں رکھتے۔ یہ پکار عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت شرک ہے۔ جن علمائے کرام نے توسل کو شرک قرار دیا ہے، ان کی مراد یہی آخری تین قسمیں تھیں۔'' (صیانۃ الإنسان، ص: 213,212)

شارحِ ترمذی امام محمد عبد الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ (م: 1353ھ) لکھتے ہیں:

اَلْحَقُّ عِنْدِي أَنَّ التَّوَسُّلَ بِالنَّبِيِّ فِي حَيَاتِهٖ بِمَعْنَى التَّوَسُّلِ بِدُعَائِهٖ وَشَفَاعَتِهٖ جَائِزٌ، وَكَذَا التَّوَسُّلُ بِغَيْرِهٖ مِنْ أَهْلِ الْخَيْرِ وَالصَّلَاحِ فِي حَيَاتِهِمْ بِمَعْنَى التَّوَسُّلِ بِدُعَائِهِمْ وَشَفَاعَتِهِمْ أَيْضًا جَائِزٌ، وَأَمَّا التَّوَسُّلُ بِهٖ بَعْدَ مَمَاتِهٖ، وَكَذَا التَّوَسُّلُ بِغَيْرِهٖ مِنْ أَهْلِ الْخَيْرِ وَالصَّلَاحِ بَعْدَ مَمَاتِهِمْ فَلَا يَجُوزُ، وَاخْتَارَهُ الْإِمَامُ ابْنُ تَيْمِيَّةَ فِي رِسَالَتِهٖ (اَلتَّوَسُّلُ وَالْوَسِيلَةُ)، وَقَدْ أَشْبَعَ الْكَلَامَ فِي تَحْقِيقِهٖ وَأَجَادَ فِيهِ، فَعَلَيْكَ أَنْ تُرَاجِعَهَا.

''میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں آپ کے وسیلہ سے مراد آپ کی دعا اور سفارش والا وسیلہ ہے جو کہ جائز ہے۔ اسی طرح نیک لوگوں سے ان کی زندگی میں ان کی دعا اور سفارش والا وسیلہ پکڑنا بھی جائز ہے۔ اب رہی بات آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی ذات کا وسیلہ پکڑنے کی اور اسی طرح نیک لوگوں کی وفات کے بعد ان کی ذات کا وسیلہ پکڑنے کی تو یہ ناجائز ہے۔ اسی بات کو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''التوسل والوسیلۃ

میں راجح قرار دیا ہے۔انھوں نے اس بارے میں بہت عمدہ اور سیر حاصل بحث کی ہے۔آپ کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔" (تحفة الأحوذي: 4/283)

شیخ شمس الدین افغانی رحمہ اللہ (1372-1420ھ) فرماتے ہیں:

اَلْحَاصِلُ أَنَّ تَوَسُّلَ الْقُبُورِيَّةِ نَوْعَانِ: النَّوْعُ الْأَوَّلُ: مَا فِيهِ خِطَابٌ وَّنِدَاءٌ لِّلْمَيِّتِ وَطَلَبٌ مِّنْهُ، مِثْلَ أَنْ يَّقُولَ: يَا فُلَانُ الْوَلِيُّ! اُكْشِفْ كُرْبَتِي وَاشْفِنِي وَاغْفِرْ حُوبَتِي وَاقْضِ حَاجَتِي وَنَحْوِهَا، أَوْ يَسْأَلُهُ الشَّفَاعَةَ عِنْدَ اللهِ تَعَالٰى لِقَضَاءِ الْحَاجَةِ، مِثْلَ أَنْ يَّقُولَ: يَا فُلَانُ الْوَلِيُّ! اِشْفَعْ لِي عِنْدَ اللهِ أَنْ يَّقْضِيَ حَاجَتِي وَيَكْشِفَ كُرْبَتِي، وَنَحْوَ ذٰلِكَ، فَهٰذَا كُلُّهُ وَأَمْثَالُهُ لَيْسَ مِنَ التَّوَسُّلِ بِالْمَيِّتِ لُغَةً، بَلْ هُوَ اسْتِغَاثَةٌ بِالْمَيِّتِ وَطَلَبٌ مِّنْهُ، وَهُوَ إِشْرَاكٌ صَرِيحٌ بِاللهِ تَعَالٰى، بَلْ هُوَ أُمٌّ لِّعِدَّةِ أَنْوَاعٍ مِّنَ الشِّرْكِ بِاللهِ تَعَالٰى، كَالشِّرْكِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ، وَالشِّرْكِ فِي التَّصَرُّفِ، وَالشِّرْكِ فِي السَّمْعِ، كَمَا سَبَقَ تَحْقِيقُهُ عَلٰى لِسَانِ عُلَمَاءِ الْحَنَفِيَّةِ. اَلنَّوْعُ الثَّانِي: وَهُوَ مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ خِطَابٌ وَّنِدَاءٌ لِّلْمَيِّتِ وَلَا فِيهِ طَلَبُ قَضَاءِ الْحَاجَةِ مِنْهُ، وَلَا طَلَبُ الشَّفَاعَةِ مِنْهُ لَهُ عِنْدَ اللهِ لِقَضَاءِ الْحَاجَةِ، بَلْ يَكُونُ تَوْجِيهُ الْكَلَامِ إِلَى اللهِ، وَالِاسْتِغَاثَةُ بِهِ تَعَالٰى، وَالطَّلَبُ مِنْهُ، وَالنِّدَاءُ لَهُ تَعَالٰى فَقَطْ، لَا لِلْمَيِّتِ: كَأَنْ يَّقُولَ: اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ أَنْ تَكْشِفَ كُرْبَتِي، وَتَغْفِرَ حُوبَتِي، وَتَقْضِيَ حَاجَتِي، بِجَاهِ فُلَانٍ، وَحُرْمَةِ فُلَانٍ، وَوَجْهِ فُلَانٍ، وَوَسِيلَةِ فُلَانٍ، وَنَحْوِ ذٰلِكَ، فَهٰذَا النَّوْعُ قَدْ يُمْكِنُ أَنْ يُّقَالَ فِيهِ: إِنَّهُ تَوَسُّلٌ لُّغَةً، وَلٰكِنْ هَلْ هُوَ جَائِزٌ شَرْعًا؟ اَلْجَوَابُ: أَنَّ هٰذَا النَّوْعَ مِنَ التَّوَسُّلِ غَيْرُ جَائِزٍ شَرْعًا، لِوَجْهَيْنِ:

الْأَوَّلُ: أَنَّهُ بِدْعَةٌ ضَلَالَةٌ فِي الْعِبَادَةِ الَّتِي هِيَ مُخُّ الْعِبَادَاتِ، أَلَا وَهِيَ الدُّعَاءُ، لِأَنَّ هٰذَا النَّوْعَ مِنَ التَّوَسُّلِ لَمْ يُعْهَدْ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، وَلَمْ يَفْعَلْهُ أَحَدٌ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَلَا إِمَامٌ مِنْ أَئِمَّةِ الْأُمَّةِ، اَلثَّانِي: أَنَّهُ ذَرِيعَةٌ كَبِيرَةٌ لِفَتْحِ بَابِ الشِّرْكِ بِمِصْرَاعَيْهِ، فَيَجِبُ سَدُّهَا حِمَايَةً لِحِمَى التَّوْحِيدِ.

''خلاصہ کلام یہ ہے کہ قبر پرستوں کا توسل دو طرح کا ہے: پہلی صورت وہ ہے جس میں فوت شدہ کو مخاطب کر کے اس سے اپنی حاجت روائی کا سوال کیا جاتا ہے، مثلاً یہ کہا جاتا ہے: اے فلاں ولی! میری تکلیف کو دُور فرمائیے، مجھے شفا دیجیے، میری لغزش معاف کیجیے، میری حاجت پوری فرمائیے وغیرہ۔ یا اپنی حاجت روائی کے لیے اس سے اللہ کے ہاں سفارش کی درخواست کی جاتی ہے، مثلاً اے فلاں ولی! اللہ کے دربار میں سفارش کیجیے کہ وہ میری ضرورت کو پورا کرے اور میری تکلیف کو دُور فرمائے وغیرہ۔ یہ ساری باتیں اور اس طرح کے دیگر افعال لغوی اعتبار سے فوت شدگان سے توسل کے زمرے میں نہیں آتے۔ یہ ساری صورتیں تو میت سے مدد طلب کرنے اور ان سے مانگنے کی ہیں جو کہ صریح طور پر شرک ہیں، بلکہ یہ افعال شرک کی دیگر بہت سی اقسام، مثلاً علم غیب میں شرک، تصرف میں شرک، سمع میں شرک وغیرہ میں مبتلا ہونے کا ذریعہ بھی ہیں اور علمائے حنفیہ کی زبانی اس کی تحقیق ہم بیان کر چکے ہیں۔ قبوریوں کے ہاں پایا جانے والا دوسری قسم کا توسل وہ ہے جس میں فوت شدگان کو مخاطب نہیں کیا جاتا، نہ ان سے حاجت روائی کا مطالبہ کیا جاتا ہے، نہ ہی ان سے قضائے حاجت کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کرنے کا سوال کیا جاتا ہے بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور اسی سے مدد طلب کی جاتی ہے اور اسی کو پکارا جاتا ہے، مثلاً آدمی کہے: اے اللہ! میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ تو فلاں کی حرمت، فلاں کے وسیلے اور فلاں کے طفیل میری مشکل حل فرمادے، میرے گناہ معاف کر دے اور میری حاجت پوری فرما دے وغیرہ۔ اس قسم کو لغوی طور پر توسل کہا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ سوال باقی ہے کہ یہ شرعی طور پر جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ

توسل کی یہ قسم دو وجہ سے شرعاً ناجائز ہے۔ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس طرح کرنا دُعا، جو کہ عبادات کا مغز ہے، کے سلسلے میں گمراہ کن بدعت ہے کیونکہ کتاب وسنت میں وسیلے کی اس صورت کا کوئی وجود نہیں، نہ صحابہ وتابعین اور ائمہ دین میں سے کسی امام نے ایسا کیا ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ اس طرح سے شرک کے دروازے کے دونوں کواڑ کھل جاتے ہیں،لہٰذا توحید کے تحفظ کے لیے اس دروازے کو بند کرنا ضروری ہے۔"

(جهود علماء الحنفية في إبطال عقائد القبورية، ص:1484)

شیعہ اور ممنوع توسل

شیعہ شنیعہ کے نزدیک بحق فلاں اور بحرمۃ فلاں کے الفاظ کے ساتھ دُعا میں توسل جائز ہے۔اس کے ثبوت پر ان کے علماء کی کتابوں میں صریح عبارات موجود ہیں،مثلاً محمد باقر مجلسی شیعہ (م:1111ھ) نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک پر حاضری کے آداب بیان کرتے ہوئے دُعا کا ایک انداز یوں بیان کیا ہے: وَبِكَ يَتَوَسَّلُ الْمُتَوَسِّلُونَ فِي جَمِيعِ حَوَائِجِهِمْ.

"(اے حسین!) وسیلہ پکڑنے والے اپنی تمام حاجات میں آپ کا وسیلہ پکڑتے ہیں۔"

(بحار الأنوار:84/98)

نیز لکھتے ہیں:

لَمْ يَتَوَسَّلِ الْمُتَوَسِّلُونَ بِوَسِيلَةٍ أَعْظَمَ حَقًّا، وَأَوْجَبَ حُرْمَةً مِّنْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ. "اے اہل بیت! آپ سے بڑھ کر بڑے حق والا اور بڑی تعظیم والا وسیلہ کسی نے کبھی پیش نہیں کیا۔" (بحار الأنوار:226/98)

احناف اور ممنوع توسل

حنفی مقلدین بھی غیر مشروع،شرکیہ اور ممنوع توسل کے قائل وفاعل ہیں۔ان کے نزدیک بھی فوت شدگان کے وسیلے سے دُعا کرنا جائز ودرست ہے،جیسا کہ دُعا کے بارے میں تفصیلی

گفتگو کرتے ہوئے شارحِ ہدایہ ابن ہمام حنفی (790-861ھ) لکھتے ہیں:

وَيَسْأَلُ اللّٰهَ تَعَالٰى حَاجَتَهُ مُتَوَسِّلًا إِلَى اللّٰهِ بِحَضْرَةِ نَبِيِّهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ- .... ثُمَّ يَسْأَلُ النَّبِيَّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- الشَّفَاعَةَ، فَيَقُولُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَسْأَلُكَ الشَّفَاعَةَ، يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَسْأَلُكَ الشَّفَاعَةَ وَأَتَوَسَّلُ بِكَ إِلَى اللّٰهِ فِي أَنْ أَمُوتَ مُسْلِمًا عَلٰى مِلَّتِكَ وَسُنَّتِكَ، وَيَذْكُرُ كُلَّ مَا كَانَ مِنْ قَبِيلِ الِاسْتِعْطَافِ وَالرِّفْقِ بِهِ.

''دُعا کرنے والا اللہ تعالیٰ سے اس کے نبی علیہ السلام کی ذات کا وسیلہ پیش کرتے ہوئے دُعا کرے۔۔۔پھر نبی اکرم ﷺ سے شفاعت کا مطالبہ کرتے ہوئے کہے: اے اللہ کے رسول! میں آپ سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں، یا رسول اللہ! میں آپ سے شفاعت کا سوالی ہوں اور اللہ تعالیٰ کو آپ کا وسیلہ دیتا ہوں کہ مجھے اسلام کی حالت میں آپ کی ملت اور سنت پر موت آئے۔اسی طرح تمام وہ باتیں کرے جو رحم طلبی اور نرمی سے تعلق رکھتی ہوں۔''

(فتح القدیر: 338/2، طبع مصر)

یہی بات فتاویٰ عالمگیری (82/1، طبع مصر) میں بھی مذکور ہے۔

دیوبندی مقلدین اور ممنوع توسل

آلِ دیوبند کے اجماعی عقائد کی ترجمان کتاب میں سوال و جواب کی صورت میں مذکور ہے:

''**تیسرا اور چوتھا سوال:** کیا وفات کے بعد جنابِ رسول اللہ ﷺ کا توسل لینا دعاؤں میں جائز ہے یا نہیں؟ تمہارے نزدیک سلف صالحین، یعنی انبیاء، صدیقین اور شہداء و اولیاء کا توسل بھی جائز ہے یا ناجائز؟ جواب: ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء و اولیاء و صدیقین کا توسل جائز ہے۔ان کی حیات میں یا بعد وفات بایں طور کہے کہ یا اللہ! میں بوسیلہ فلاں بزرگ کے تجھ سے دعا کی قبولیت اور حاجت برائی چاہتا ہوں، اسی جیسے

کلمات اور کہے۔'' (المہند علی المفند،ص:12-13)

دیوبندی مفتی عزیز الرحمٰن صاحب (م:1347ھ) ایک فتویٰ میں لکھتے ہیں:

''اس طرح دُعا مانگنا درست ہے کہ یا اللہ! ببرکت اپنے نیک بندوں کے میری حاجت پوری فرما فقط۔'' (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:5/431 طبع دیوبند)

نیز لکھتے ہیں:

''ان بزرگوں سے یہ نہ کہے: تم دُعا کرو۔ سماعِ موتی خود مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ حنفیہ سماعِ موتی کا انکار کرتے ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہی مذہب اور آیاتِ قرآنیہ اس پر دال ہیں، لہٰذا اس طرح ان سے خطاب کر کے نہ کہے کہ تم دعا کرو بلکہ خود اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے دعائے مغفرت اور رفع درجات کی دعا کرے **اور اگر ان کے ذریعہ سے اپنی حاجات کے پورا ہونے کے لیے بھی دُعا کرے تو مضائقہ نہیں۔**'' (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:5/441-442)

غور فرمائیں کہ دیوبند کے مفتی عزیز الرحمٰن صاحب فوت شدگان کے وسیلے سے دُعا کرنے کو جائز قرار دے رہے ہیں، جبکہ فوت شدگان سے دُعا کرانے کو ناجائز کہتے ہیں، لیکن دارالعلوم دیوبند کے بانی جناب قاسم نانوتوی صاحب (1248-1297ھ) کا موقف اس کے خلاف تھا، ان کے بارے میں ہے:

''اگر اکیلے کسی مزار پر جاتے اور دوسرا شخص وہاں موجود نہ ہوتا، تو آواز سے عرض کرتے کہ آپ میرے واسطے دُعا کریں۔'' (سوانح قاسمی:2/29)

جناب اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (1280-1362ھ) لکھتے ہیں:

''عادتاً توسل اہل طریق میں مقبولانِ الٰہی کے توسل سے دعا کرنا بکثرت شائع ہے۔ حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے اور شجرہ پڑھنا جو اہل سلسلہ کے یہاں معمول ہے، اس کی یہی حقیقت اور غرض ہے۔'' (التکشف،ص:446)

تھانوی صاحب کا یہ کہنا کہ ''حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے'' سراسر غلط ہے۔ کسی صحیح

حدیث سے وسیلے کی اس قسم کا اثبات نہیں ہوتا۔

سیدنا عثمان بن حُنَیف سے مروی ایک روایت جس کا تعلق دُعا اور سفارش سے ہے، کے بارے میں جناب اشرف علی تھانوی دیو بندی صاحب لکھتے ہیں:

''اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح توسل کسی کی دُعا کا جائز ہے، اسی طرح توسل دعا میں کسی کی ذات کا بھی جائز ہے۔'' (نشر الطیب، ص:38)

اگر اس حدیث سے ذات کا توسل ثابت ہوتا تو محدثین کرام اس کے قائل کیوں نہ ہوتے؟ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ جو بات تھانوی صاحب کی سمجھ میں آ گئی، محدثین کرام اس کو سمجھنے سے قاصر رہے! العیاذ باللہ۔ حالانکہ حدیث کے الفاظ بول بول کر تھانوی صاحب کا رد کر رہے ہیں۔ کسی صحابی یا تابعی سے باسند صحیح کسی فوت شدہ انسان کا وسیلہ پکڑنا ثابت نہیں۔ اسی طرح کسی صحابی نے نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد اپنی دُعا میں آپ ﷺ کی ذات کا وسیلہ نہیں دیا۔ یہ کتنا بڑا علمی مغالطہ ہے کہ صحابیٔ رسول، نبی اکرم ﷺ سے آپ کی زندگی میں دُعا کی درخواست کرے، تو اس سے کسی کی ذات کا وسیلہ جائز ہو جائے! یہ بات علمی دیانت کے سراسر خلاف ہے۔ یہ تو فہم سلف کو رد کر کے ان کے مقابلے میں دین گھڑنے والی بات ہے۔ صحابی، نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں دُعا کرائیں اور تھانوی صاحب اس پر امتیوں کو قیاس کر کے ان کے مرنے کے بعد ان کی ذات کا وسیلہ جائز قرار دیں، تو یہ قیاس باطل بلکہ ابطل الاباطیل ہے۔ یہ ایجادِ ذہنِ فاسد ہے۔ یہ لوگ محدثین کرام کی بیان کردہ روایات لے لیتے ہیں، لیکن ان کا فہم ردّ کر کے اپنے من مانے مفاہیم کی روشنی میں نیا دین ایجاد کرتے ہیں۔

تھانوی صاحب کی مشار الیہ حدیث پر تفصیلی بحث **''وسیلے کی ممنوع اقسام پر دلائل کا تحقیقی جائزہ''** میں ملاحظہ فرمائیں۔

جناب رشید احمد گنگوہی دیو بندی صاحب (م1323ھ) سے اس بارے میں سوال ہوا۔ وہ سوال مع جواب ملاحظہ فرمائیں:

''سوال: اکثر آدمی شجرہ خاندان کا ہر صبح و شام پڑھتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟ الجواب: شجرہ پڑھنا درست ہے، کیونکہ اس میں بتوسل اولیاء کے حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ اس کا کوئی حرج نہیں۔'' (فتاویٰ رشیدیہ: ۱/78)

دیوبندیوں کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ ''مہاجر مکی'' (1233-1317ھ) نے کلیاتِ امدادیہ (ص 100) میں یہ شجرہ ذکر کیا ہے۔ اس کا ایک شعر پیش خدمت ہے:

''دُور کر دل سے حجابِ جہل و غفلت میرے رب!

کھول دے دل میں درِ علم حقیقت میرے رب!

ہادیٔ عالم، علی مشکل کشا کے واسطے!''

جناب شبیر احمد عثمانی دیوبندی فلفی (م:1369ھ) ﴿وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اس آیتِ شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذاتِ پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ ہاں! اگر مقبول بندے کو محض واسطۂ رحمتِ الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کی جائے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہی استعانت ہے۔'' (تفسیر عثمانی دیوبندی، ص:521)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَهُوَ ظَنَّ أَنَّ الْبَابَ فِي التَّوَسُّلِ كَالْبَابِ فِي الِاسْتِغَاثَةِ، وَلَيْسَ كَذٰلِكَ، فَإِنَّهُ يُقَالُ: اسْتَغَاثَهُ وَاسْتَغَاثَ بِهِ، كَمَا يُقَالُ: إِنَّهُ اسْتَعَانَهُ وَاسْتَعَانَ بِهِ، فَالْمُسْتَغَاثُ بِهِ هُوَ الْمَسْؤُولُ، وَأَمَّا الْمُتَوَسَّلُ بِهِ، فَهُوَ الَّذِي يَتَسَبَّبُ بِهِ إِلَى الْمَسْؤُولِ.

''انہوں نے توسل اور استغاثہ کے معاملے کو ایک ہی طرح کا سمجھ لیا ہے، حالانکہ یہ ایک طرح کا ہے نہیں۔ کہنے کو تو یہ ایک جیسے ہیں لیکن جس سے مدد طلب کی جائے، وہ مسؤول ہوتا ہے، لیکن جس کا وسیلہ پیش کیا جائے، وہ مسؤول کی طرف جانے کے لیے سبب ہوتا ہے، (لہٰذا دونوں

معاملوں کوایک شمار کرنا غلطی ہے)۔" (تلخیص کتاب الاستغاثۃ، ص:261، 262)

دیوبندیوں کے "شیخ الاسلام" جناب حسین احمد مدنی (م:1377ھ) اکابر آلِ دیوبند کے بارے میں لکھتے ہیں:

"یہ مقدس اکابر ہمیشہ اولیائے کرام وانبیائے عظام سے توسل کرتے رہتے ہیں اوراپنے مخلصین کواس کی ہدایت کرتے رہتے ہیں جس کو وہابیہ مثل شرک ناجائز وحرام جانتے ہیں۔ حضرت مولانا نانوتوی نے ایک قصیدہ طویلہ دربارۂ توسل مشائخ سلسلہ علیہ چشتیہ صابریہ تحریر فرمایا ہے جوکہ امدادالسلوک کے اخیر میں ونیز دیگر رسائل کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔"

(الشہاب الثاقب،ص:235)

الغرض جملہ اکابر دیوبند غیر مشروع اور ناجائز توسل کے قائل وفاعل ہیں۔

یہ دیوبندی "توحید" ہے! نامعلوم دیوبندی اور بریلوی اس کے باوجود دست بگریباں کیوں ہیں؟ بدعات اور منکرات ہمارے دیوبندی بھائیوں کے گھر میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں جو ان کے عقائد واعمال میں مفسدت کا باعث بن رہی ہیں۔اہل سنت والجماعت کے منہج سے ہٹ کر اہل کلام کے منہج کو اپنایا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے۔وسیلے کے مسئلے میں یہ لوگ علامہ سبکی (683-756ھ) کے پیروکار ہیں۔علامہ سبکی اپنا غلو پر مبنی عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں:

إِنَّ التَّوَسُّلَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَائِزٌ فِي كُلِّ حَالٍ قَبْلَ خَلْقِهِ، وَبَعْدَ خَلْقِهِ فِي مُدَّةِ حَيَاتِهِ فِي الدُّنْيَا، وَبَعْدَ مَوْتِهِ فِي مُدَّةِ الْبَرْزَخِ، وَبَعْدَ الْبَرْزَخِ، وَبَعْدَ الْبَعْثِ فِي عَرَصَاتِ الْقِيَامَةِ وَالْجَنَّةِ.

"ہر حال میں نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ دینا جائز ہے۔آپ ﷺ کی پیدائش سے قبل، آپ ﷺ کے پیدا ہونے کے بعد، آپ کی دنیاوی زندگی میں بھی، آپ کی وفات کے بعد برزخی حالت میں بھی، برزخ کے بعد بھی اور دوبارہ جی اٹھنے کے بعد قیامت اور جنت کے حالات میں بھی آپ کا وسیلہ پکڑنا جائز ہے۔" (شفاء السقام،ص:120)

سلف میں سے کسی کا ہرگز ایسا نظریہ نہیں رہا۔ توسل بالذات یا توسل بالاموات کا صحابہ وتابعین اور ائمہ دین میں سے کوئی بھی قائل نہیں تھا۔ ان کے نزدیک جو توسل جائز ہے اور درست ہے، وہ مشروع توسل ہے۔ متاخرین میں سے بھی بعض نے اگر اپنے توسل میں کہیں نبی اکرم ﷺ کا ذکر کیا ہے تو اس سے مراد نبی اکرم ﷺ کی ذات نہیں بلکہ آپ ﷺ کی محبت واطاعت ہے، جو کہ ایک نیک عمل ہے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

أَسْئَلُکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ، أَيْ أَسْأَلُکَ بِإِيمَانِي بِهِ وَمَحَبَّتِهِ.

”(اے اللہ!) میں تجھے تیرے نبی محمد ﷺ، یعنی آپ ﷺ پر اپنے ایمان اور آپ ﷺ سے اپنی محبت کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں۔“ (قاعدة جليلة في التوسل، ص: 38)

یعنی سلف کا توسل، توسل بالاموات نہیں بلکہ توسل بالاعمال الصالحہ تھا۔

بریلوی مقلدین اور ممنوع توسل

جناب احمد یار خان نعیمی بریلوی صاحب (1324-1391ھ) سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 89 کے تحت لکھتے ہیں:

”معلوم ہوا کہ حضور کے توسل سے دعائیں مانگنا بڑی پرانی سنت ہے اور ان کے وسیلے کا منکر یہود ونصاریٰ سے بدتر ہے۔ اور حضور کے وسیلے سے پہلے ہی سے خلق کی حاجت روائی ہوتی تھی۔“ (تفسیر نور العرفان، ص: 21)

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں مفتی صاحب خود اہل کتاب کی روش پر چل نکلے ہیں اور اپنے باطل اور فاسد نظریات کے دفاع میں قرآن مجید میں تحریفِ معنوی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں انہوں نے وہ بات کہہ دی ہے جو سلف میں سے کسی نے نہیں کہی۔ اصل بیان یہ تھا کہ یہود جو اہل کتاب تھے، دو قبیلوں اوس اور خزرج جو اہل کتاب نہیں تھے، سے لڑتے تھے۔ یہود کے علم میں یہ بات تھی کہ عنقریب خاتم النبیین نبی مبعوث ہونے والے ہیں۔ غلبہ اس نبی کا مقدر ہوگا۔ اس بنا پر یہودی نبی اکرم ﷺ کی طرفداری ظاہر کرتے ہوئے کہتے تھے کہ ہم

اس نبی پر ایمان لائیں گے، اس کی پیروی کریں گے اور اس کی معیت میں مشرکین سے لڑائی کر کے ان پر غلبہ پائیں گے۔ لہٰذا ہمیں ان مشرکوں، یعنی اوس اور خزرج پر غلبہ اور فتح عطا کی جائے گی۔

جب نبی اکرم ﷺ مبعوث ہوئے اور قرآنِ کریم نازل ہوا تو یہودی اپنی بات سے پھر گئے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کفر کیا۔ یوں ان پر پھٹکار پڑی اور وہ کافر بنے۔ اتنی سی بات مفتی صاحب کی سمجھ میں نہیں آسکی اور انہوں نے تفسیر میں اپنی طرف سے وسیلے کا مسئلہ گھیڑ دیا ہے۔ کسی صحابی یا تابعی یا کسی ثقہ امام سے اس آیت کریمہ سے ایسا استنباط کرنا ثابت نہیں۔ مفتی صاحب کی بات کے غلط ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ صحابہ کرام اور ائمہ عظام میں سے کوئی بھی نبی اکرم ﷺ کی ذات کے وسیلے کا قائل نہیں تھا۔ درحقیقت یہی لوگ، یعنی اسلافِ امت ہی قرآن وحدیث کے مطالب ومفاہیم سے بخوبی واقف تھے۔

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) نے کیا خوب لکھا ہے:

فَوَصَفَ الْيَهُودَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَعْرِفُونَ الْحَقَّ قَبْلَ ظُهُورِ النَّاطِقِ بِهِ، وَالدَّاعِي إِلَيْهِ، فَلَمَّا جَاءَهُمُ النَّاطِقُ بِهِ مِنْ غَيْرِ طَائِفَةٍ يَهْوُونَهَا لَمْ يَنْقَادُوا لَهُ، وَأَنَّهُمْ لَا يَقْبَلُونَ الْحَقَّ إِلَّا مِنَ الطَّائِفَةِ الَّتِي هُمْ مُنْتَسِبُونَ إِلَيْهَا، مَعَ أَنَّهُمْ لَا يَتَّبِعُونَ مَا لَزِمَهُمْ فِي اعْتِقَادِهِمْ، وَهٰذَا يُبْتَلٰى بِهِ كَثِيرٌ مِّنَ الْمُنْتَسِبِينَ إِلٰى طَائِفَةٍ مُعَيَّنَةٍ فِي الْعِلْمِ، أَوِ الدِّينِ، مِنَ الْمُتَفَقِّهَةِ، أَوِ الْمُتَصَوِّفَةِ أَوْ غَيْرِهِمْ أَوْ إِلٰى رَئِيسٍ مُعَظَّمٍ عِنْدَهُمْ فِي الدِّينِ - غَيْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَإِنَّهُمْ لَا يَقْبَلُونَ مِنَ الدِّينِ رَأْيًا وَّرِوَايَةً إِلَّا مَا جَاءَتْ بِهِ طَائِفَتُهُمْ، ثُمَّ إِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ مَا تُوجِبُهُ طَائِفَتُهُمْ، مَعَ أَنَّ دِينَ الْإِسْلَامِ يُوجِبُ اتِّبَاعَ الْحَقِّ مُطْلَقًا : رِوَايَةً وَّرَأْيًا مِّنْ غَيْرِ تَعْيِينِ شَخْصٍ أَوْ طَائِفَةٍ - غَيْرِ الرَّسُولِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - .

”اللہ تعالیٰ نے یہود کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ وہ حق کو اس وقت سے پہلے سے جانتے تھے

جب ابھی تک حق کا ناطق اور اس کی طرف دعوت دینے والا (پیغمبر) پیدا نہیں ہوا تھا۔ جب ان کے پاس حق کا داعی ایسے گروہ سے آ گیا جسے وہ پسند نہیں کرتے تھے تو انہوں نے اس کی پیروی نہ کی، پھر وہ اپنے ضروری اعتقادات کو تسلیم کرنے سے بھی انکاری ہو گئے تھے۔ تصوف اور فقہ کے کسی معین گروہ یا دینی حوالے سے کسی قابل تعظیم امتی کی طرف منسوب ہونے والے بہت سے لوگ اسی مصیبت کا شکار ہیں۔ وہ دینی معاملے میں وہی رائے اور روایت قبول کرتے ہیں، جو ان کے گروہ کی طرف سے آئے، حالانکہ ان کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے گروہ کی دلیل کیا ہے۔ اس کے برعکس دین اسلام حق کی مطلق اتباع کو فرض قرار دیتا ہے، رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی بھی معین شخص یا گروہ کی رائے یا روایت کو اتباع کے لیے خاص نہیں کرتا۔"

(اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفة أصحاب الجحیم:1/ 88,87)

اب اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں ایک روایت ملاحظہ فرمائیں۔ عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری مدنی تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

حَدَّثَنِي أَشْيَاخٌ مِّنَّا، قَالُوا: لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ مِّنَ الْعَرَبِ أَعْلَمَ بِشَأْنِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَّا، كَانَ مَعَنَا يَهُودُ، وَكَانُوا أَهْلَ كِتَابٍ، وَكُنَّا أَصْحَابَ وَثَنٍ، فَكُنَّا إِذَا بَلَغْنَا مِنْهُمْ مَّا يَكْرَهُونَ، قَالُوا: إِنَّ نَبِيًّا مَّبْعُوثًا الْآنَ، قَدْ أَظَلَّ زَمَانُهُ، نَتَّبِعُهُ، فَنَقْتُلُكُمْ مَعَهُ قَتْلَ عَادٍ وَّإِرَمَ، فَلَمَّا بَعَثَ اللّٰهُ رَسُولَهُ اتَّبَعْنَاهُ وَكَفَرُوا بِهِ، فَفِينَا، وَاللّٰهِ، وَفِيهِمْ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ......﴾ (البقرۃ2: 89)

"ہمارے اساتذہ (صحابہ کرام) نے ہمیں بتایا کہ عرب میں سے ہم سے بڑھ کر کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کے معاملے کو نہیں جانتا تھا۔ ہمارے ساتھ یہود رہتے تھے۔ وہ اہل کتاب تھے اور ہم بت پرست۔ جب انہیں ہم سے کوئی تکلیف پہنچتی تو وہ کہتے تھے: ایک نبی جس کی بعثت کا وقت

ہوا چاہتا ہے، ہم اس کے ساتھ مل کر تم سے لڑائی کریں گے اور تمہیں یوں ہلاک کر دیں گے، جیسے عاد اور ارم ہلاک ہوئے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (محمد ﷺ) کو مبعوث فرمایا تو ہم نے آپ کی اتباع کر لی اور انہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا۔ اللہ کی قسم، ہمارے اور یہود کے بارے میں یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی کہ: ﴿وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ......﴾ (البقرۃ 2:89) (اور یہود اس سے پہلے کافروں پر فتح کی دُعا کیا کرتے تھے۔ جب ان کے پاس وہ چیز آ گئی، جسے وہ خوب پہچانتے تھے، تو انہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا)۔۔۔" (السیرۃ لابن إسحاق، ص:84، دلائل النبوۃ للبیہقي: 2/75، وسندہٗ حسنٌ)

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 118 کی تشریح میں مفتی نعیمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

"بغیر وسیلۂ پیغمبر، رب تک پہنچنے کی خواہش کرنا کفار کا کام ہے۔ جب رب ہم تک بغیر وسیلۂ نبی نہیں پہنچتا، حالانکہ وہ غنی ہے تو ہم اس تک بغیر وسیلہ کیسے پہنچیں، حالانکہ ہم محتاج ہیں۔"
(تفسیر نور العرفان، ص:27)

مفتی صاحب کا کوئی معتقد ہی بتائے کہ قرآنِ کریم کی اس آیت سے وہ کون سا وسیلہ ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ بات ہو رہی ہے دُعا میں کسی کی ذات کا وسیلہ دینے کی۔ جہاں تک دین اور شریعت کا تعلق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے نبی ہی کے ذریعے دی ہے لیکن اسی شریعت میں ہماری ساری عبادات کے مفصل طریقے بیان کر دیے ہیں۔ دُعا ایک عبادت بلکہ عبادات کا مغز ہے۔ کیا قرآن وسنت سے دُعا والی عبادت میں کسی کی ذات کے وسیلے کا ثبوت ملتا ہے؟ اگر دُعا میں کسی کی ذات کو بطور وسیلہ ذکر کرنے کا اسلام میں کہیں نام ونشان ملتا ہوتا تو مفتی صاحب کو اتنا تکلف نہ کرنا پڑتا۔ اسلافِ امت صحابہ و تابعین اور ائمہ دین میں سے کسی نے اس آیت کریمہ سے وسیلہ بالذات کا استنباط نہیں کیا، نہ اسلاف میں سے کوئی اس کا قائل رہا۔ حیرانی تو اس بات پر ہے کہ جو لوگ قرآن وسنت کے مطلب ومفہوم کو سمجھ نہ پانے کا بہانہ کر کے اتباعِ رسول چھوڑتے ہوئے تقلید شخصی کا پٹہ گلے میں پہنتے ہیں، وہی لوگ کس منہ سے مجتہد بن کر اپنی

خرافات کو ثابت کرنے کے لیے قرآن وسنت کے نئے نئے مفاہیم کا استنباط کرتے ہیں؟

اسی بے اصولی نے مفتی صاحب کو حواس باختہ کر دیا ہے۔ قارئین انہی کی ایک اور عبارت ملاحظہ فرمائیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ نبی کے توسل کا فرعون بھی قائل تھا۔ جو اس وسیلہ کا منکر ہے، وہ فرعون سے زیادہ گمراہ ہے۔'' (تفسیر نور العرفان، ص:264)

اس حرکت کو کیا نام دیں کہ مفتی صاحب ایک ہی کتاب میں کسی جگہ لکھتے ہیں کہ پیغمبر کا وسیلہ نہ لینا کافروں کا کام ہے (مفتی صاحب کی گزشتہ عبارت اس بارے میں صریح ہے) اور اسی کتاب میں دوسری جگہ یہ فرما رہے ہیں کہ کافروں کا سردار فرعون نبی کے وسیلے کا قائل تھا۔ اب دونوں میں سے ایک ہی بات درست ہو سکتی ہے۔ اگر کفار نبی کے وسیلے کے منکر تھے تو مفتی صاحب کے نزدیک فرعون کافر نہ رہا اور اگر فرعون کافر ہے تو معلوم ہوا کہ نبی کی ذات کا وسیلہ پکڑنا کفار کا کام ہے۔ بریلوی بھائی آج بھی کافروں کے اس عمل کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں!!!

مفتی صاحب سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر 193 کے تحت لکھتے ہیں:

''دوسرے یہ کہ اپنے ایمان کے وسیلہ سے دعا کرنی چاہیے۔ جب اپنے ایمان کا وسیلہ بنانا درست ہے، تو نبی کریم ﷺ کا وسیلہ پکڑنا بھی بالکل صحیح ہے۔'' (تفسیر نور العرفان، ص:119)

ایمان تو عمل کا نام ہے۔ اپنے اعمال کے وسیلے سے دُعا کرنا نصوصِ شرعیہ کی روشنی میں مشروع اور جائز ہے۔ ایمان کو نبی اکرم ﷺ کی ذات پر قیاس کرنا مفتی صاحب کا باطل قیاس ہے۔ عبادات اسی طرح بجالائی جائیں گی جس طرح شریعت نے رہنمائی فرمائی ہے۔ اپنی رائے اور عقل سے عبادات کے نئے نئے طریقے گھڑنا تو بدعت ہے۔ عبادت کا ایسا طریقہ جو شریعت نے نہیں بتایا، بدعت ہی کہلائے گا۔ پھر اگر ایمان کے وسیلے کی طرح نبی اکرم ﷺ کی ذات کا وسیلہ پیش کرنا بھی جائز ہوتا تو صحابہ کرام اور ائمہ دین ضرور ایسا کرتے۔ سچا دین صحابہ کرام اور ائمہ دین ہی کا تھا۔

معلوم ہوا کہ شیعہ، حنفی، دیوبندی اور بریلوی چاروں فرقے ممنوع، مکروہ اور بدعی و شرکی توسل کے قائل و فاعل ہیں۔

سلف صالحین کا توسل اور جنابِ کشمیری کا اعتراف

سلف صالحین کے نزدیک جو وسیلہ مشروع اور جائز ہے، اس کے متعلق دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث جناب انورشاہ کشمیری دیوبندی صاحب (1292-1352ھ) فرماتے ہیں:

وَاعْلَمْ أَنَّ التَّوَسُّلَ بَيْنَ السَّلَفِ لَمْ يَكُنْ كَمَا هُوَ الْمَعْهُودُ بَيْنَنَا، فَإِنَّهُمْ إِذَا كَانُوا يُرِيدُونَ أَنْ يَتَوَسَّلُوا بِأَحَدٍ، كَانُوا يَذْهَبُونَ بِمَنْ يَتَوَسَّلُونَ بِهِ أَيْضًا مَعَهُمْ، لِيَدْعُوَ لَهُمْ.

''آپ کے علم میں ہونا چاہیے کہ اسلافِ امت میں توسل کا وہ طریقہ موجود نہیں تھا جو ہمارے ہاں رائج ہے۔ سلف تو جب کسی کا وسیلہ لینا چاہتے تو اسے اپنے ساتھ لے جاتے تاکہ وہ ان کے لیے دُعا کر دے۔'' (فيض الباري على صحيح البخاري: 434/3)

الحمد للہ! اہل حدیث، سلف کے عقیدہ و منہج اور مذہب پر قائم ہیں۔ ہمارے نزدیک بھی کسی نیک شخص سے توسل کی یہی صورت درست ہے کہ اس سے دُعا کرائی جائے اور اسی وجہ سے ہم فوت شدگان سے توسل کے قائل نہیں۔ کتاب و سنت اور اجماعِ امت اس پر شاہد ہیں۔ جناب کشمیری صاحب بھی اس بات کے معترف ہیں کہ سلف صرف نیک لوگوں کی دُعا کے وسیلے کے قائل تھے۔ کشمیری صاحب کا یہ اعتراف اہل حدیث کے اہل حق ہونے کی واضح گواہی ہے۔

جناب انورشاہ کشمیری صاحب اپنے بدعی توسل کے بارے میں لکھتے ہیں:

أَمَّا التَّوَسُّلُ بِأَسْمَاءِ الصَّالِحِينَ كَمَا هُوَ الْمُتَعَارَفُ فِي زَمَانِنَا، بِحَيْثُ لَا يَكُونُ لِلْمُتَوَسِّلِينَ بِهِمْ عِلْمٌ بِتَوَسُّلِنَا، بَلْ لَا تُشْتَرَطُ فِيهِ حَيَاتُهُمْ أَيْضًا، وَإِنَّمَا يُتَوَسَّلُ بِذِكْرِ أَسْمَائِهِمْ فَحَسْبُ، زَعْمًا مِنْهُمْ أَنَّ لَهُمْ وَجَاهَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَقَبُولًا، فَلَا يُضَيِّعُهُمْ بِذِكْرِ

أَسْمَائِهِمْ، فَذٰلِکَ أَمْرٌ لَا أُحِبُّ أَنْ أَقْتَحِمَ فِيهِ، فَلَا أَدَّعِي ثُبُوتَهُ عَنِ السَّلَفِ وَلَا أُنْكِرُ.

''سلف صالحین کے ناموں کا وسیلہ دینا، جیسا کہ ہمارے زمانے میں رائج ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جن نیک لوگوں کا وسیلہ ہم دے رہے ہوتے ہیں، ان کو ہمارے اس عمل کا علم تک نہیں ہوتا، بلکہ ان کا زندہ ہونا بھی ضروری نہیں ہوتا۔ صرف ان کے نام کا وسیلہ دیا جاتا ہے اور عقیدہ یہ رکھا جاتا ہے کہ ان نیک لوگوں کو اللہ کے ہاں ایک مقام اور قبولیت حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ ان نیک لوگوں کا نام لینے پر انہیں نامراد نہیں کرے گا۔ یہ ایسا معاملہ ہے کہ میں اس میں ٹانگ اڑانا پسند نہیں کرتا۔ نہ میں اس وسیلے سے انکار کرتا ہوں نہ سلف سے اس کے ثابت ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں۔'' (فیض الباري: 424/3)

یعنی کشمیری صاحب کو اعتراف ہے کہ فوت شدہ بزرگوں کے وسیلے سے دُعا کرنا سلف صالحین سے ثابت نہیں۔ لیکن ساتھ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ جو وسیلہ سلف سے ثابت نہیں، میں اس کا انکار بھی نہیں کرتا۔ کتنی حیرانی کی بات ہے کہ سلف سے عدمِ ثبوت کا اقرار کرنے کے باوجود کشمیری صاحب متاخرین متکلمین کا وضع کردہ بدعی وسیلہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنی مکمل بے بسی کا اظہار بھی کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق کو قبول کرنے اور باطل کو ترک کرنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔

صحیح بخاری میں مذکور صحابہ کرام کی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے توسل والی حدیث کی شرح میں کشمیری صاحب لکھتے ہیں:

قُلْتُ: وَهٰذَا تَوَسُّلٌ فِعْلِيٌّ، لِأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ لَهُ بَعْدَ ذٰلِکَ: قُمْ يَا عَبَّاسُ! فَاسْتَسْقِ، فَكَانَ يَسْتَسْقِي لَهُمْ، فَلَمْ يَثْبُتْ مِنْهُ التَّوَسُّلُ الْقَوْلِيُّ، أَيِ الِاسْتِسْقَاءُ بِأَسْمَاءِ الصَّالِحِينَ فَقَطْ، بِدُونِ شَرِكَتِهِمْ، أَقُولُ: وَعِنْدَ التِّرْمِذِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى

اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَ أَعْرَابِیًّا هٰذِهِ الْكَلِمَاتِ، وَكَانَ أَعْمٰی : اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَتَوَجَّهُ إِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ .... إِلٰی قَوْلِهِ : اَللّٰهُمَّ! فَشَفِّعْهُ فِيَّ، فَثَبَتَ مِنْهُ التَّوَسُّلَ الْقَوْلِيَّ أَیْضًا، وَحِینَئِذٍ إِنْكَارُ الْحَافِظِ ابْنِ تَیْمِیَّةَ تَطَاوُلٌ.

''میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں مذکورہ وسیلہ، فعلی وسیلہ ہے، کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کے بعد سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے عرض کرتے : اے عباس! کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے بارش کی دُعا فرمایئے۔ اس حدیث سے قولی وسیلہ ثابت نہیں ہوتا، یعنی نیک لوگوں کی دُعا میں شریک ہوئے بغیر صرف ان کے نام کا وسیلہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنا اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا اعرابی صحابی کو یہ کلمات سکھائے : اے اللہ! میں تیری طرف تیرے نبیٔ رحمت کے وسیلے سے توجہ کرتا ہوں۔۔۔ اے اللہ! اپنے نبی کی سفارش میرے بارے میں قبول فرما۔۔۔ اس حدیث سے قولی توسل بھی ثابت ہوگیا ہے، لہٰذا حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف سے اس کا انکار تکلف ہے۔'' (فیض الباري:4/68)

جناب کشمیری صاحب کی پریشانی کا اندازہ کریں کہ وہ ایک طرف اس بات کے اقراری بھی ہیں کہ سلف صالحین سے نیک لوگوں کے ناموں کا وسیلہ ثابت نہیں، لیکن دوسری طرف حدیث کو توڑ مروڑ کر اس وسیلے کو ثابت کرنے پر بھی تلے ہوئے ہیں۔ کتاب و سنت کی کوئی ایسی نص نہیں جس پر سلف صالحین نے عمل نہ کیا ہو۔ اگر کسی حدیث سے دُعا میں اللہ تعالیٰ کو فوت شدہ نیک بزرگوں کے ناموں کا وسیلہ دینا ثابت ہوتا تو سلف صالحین اسی طرح بھرپور انداز سے اس پر عمل کرتے جس طرح وسیلے کی جائز صورتوں پر ان کا عمل کرنا ثابت ہے۔

رہی بات جامع ترمذی والی حدیث سے کشمیری صاحب کے استنباط کی، تو عرض ہے کہ اس حدیث سے فوت شدہ نیک لوگوں کے ناموں کا واسطہ دینا ثابت نہیں ہوتا۔ اس حدیث کے الفاظ ہی اس کی نفی کر رہے ہیں۔ اس حدیث میں صاف مذکور ہے کہ دعا کے وقت اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس اعرابی صحابی کے پاس موجود تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کے لیے دُعا بھی کی تھی۔ اسی لیے تو آپ

نے اسے دُعا کے یہ الفاظ بھی سکھائے کہ اے اللہ! میرے بارے میں اپنے نبی کی سفارش قبول فرما۔ اگر آپ ﷺ نے اس صحابی کے لیے دُعا کی ہی نہیں تھی تو ان الفاظ کا کیا معنیٰ؟ معلوم ہوا کہ اس حدیث سے بھی زندہ نیک شخص کی دُعا کا وسیلہ ہی ثابت ہوتا ہے۔ کشمیری صاحب اور ان کے ہمنوا حدیث کے معنیٰ میں گڑبڑ کر کے اپنے بدعی وسیلے کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اسی لیے انہیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ سلف سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ ملے بھی کیسے کہ سلف تو کتاب وسنت پر عمل کرنے والے تھے۔

کیا اب بھی ثابت نہیں ہوا کہ اہل حدیث سلف صالحین کے عقیدہ ومنہج پر قائم ہیں؟ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مقلدین حضرات اپنے لیے عبادات کے نئے نئے طریقے ایجاد کرتے ہیں اور دعویٰ تقلید کے باوجود ان بدعی طریقوں کے ثبوت پر قرآن وحدیث سے دلائل تراشنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سلف کے پیروکار تھے، اسی لیے انہوں نے نیک لوگوں کے ناموں کے وسیلے کو ناجائز قرار دیا۔ اس میں ان کا کیا قصور؟ انہوں نے تو لکھا ہے کہ:

وَحَدِيثُ الْأَعْمٰى، لَا حُجَّةَ لَهُمْ فِيهِ، فَإِنَّهُ صَرِيحٌ فِي أَنَّهُ إِنَّمَا تَوَسَّلَ بِدُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَفَاعَتِهِ.

”نابینا صحابی والی حدیث میں ان لوگوں کے حق میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ یہ حدیث صاف صاف بتا رہی ہے کہ صحابی نے نبی اکرم ﷺ کی دُعا اور شفاعت کا وسیلہ اختیار کیا تھا۔“

(قاعدة جليلة في التوسل، ص:64)

یہ تو بات تھی نابینا صحابی والی روایت کی، جبکہ صحیح بخاری کی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے توسل والی حدیث کے بارے میں کشمیری صاحب نے خود اقرار کیا ہے کہ اس سے ان کا موجودہ طریقۂ توسل ثابت نہیں ہوتا۔ ان کی ایک مزید عبارت ملاحظہ فرمائیں:

قَوْلُهُ: اَللّٰهُمَّ! إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَيْسَ فِيهِ

التَّوَسُّلُ الْمَعْهُودُ الَّذِي يَكُونُ بِالْغَائِبِ حَتّٰى قَدْ لَا يَكُونُ بِهِ شُعُورٌ أَصْلًا، بَلْ فِيهِ تَوَسُّلُ السَّلَفِ، وَهُوَ أَنْ يُقَدِّمَ رَجُلًا ذَا وَجَاهَةٍ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَيَأْمُرَهُ أَنْ يَدْعُوَ لَهُمْ، ثُمَّ يُحِيلُ عَلَيْهِ فِي دُعَائِهِ، كَمَا فُعِلَ بِالْعَبَّاسِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَمِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَوْ كَانَ فِيهِ تَوَسُّلُ الْمُتَأَخِّرِينَ لَمَا احْتَاجُوا إِلٰى إِذْهَابِ الْعَبَّاسِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَعَهُمْ، وَلَكَفٰى لَهُمُ التَّوَسُّلُ بِنَبِيِّهِمْ بَعْدَ وَفَاتِهِ أَيْضًا، أَوْ بِالْعَبَّاسِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَعَ عَدَمِ شُهُودِهِ مَعَهُمْ، وَهٰذَا النَّحْوُ جَائِزٌ عِنْدَ الْمُتَأَخِّرِينَ، وَمَنَعَ مِنْهُ الْحَافِظُ ابْنُ تَيْمِيَّةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَإِنِّي مُتَرَدِّدٌ فِيهِ، لِأَنَّهُ أَتٰى بِعِبَارَةٍ عَنِ الْإِمَامِ مِنْ ((تَجْرِيدِ الْقُدُورِيِّ)) أَنَّ الْإِقْسَامَ عَلَى اللّٰهِ بِغَيْرِ أَسْمَائِهِ لَا يَجُوزُ، فَتَمَسَّكَ بِنَفْيِ الْإِقْسَامِ عَلٰى نَفْيِ التَّوَسُّلِ، فَإِنْ كَانَ التَّوَسُّلُ إِقْسَامًا فَالْمَسْأَلَةُ فِيهِ كَمَا ذَهَبَ إِلَيْهَا ابْنُ تَيْمِيَّةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ إِقْسَامًا يَبْقٰى جَائِزًا۔

”سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بارش کے موقع پر دُعا کرتے تھے کہ اے اللہ! ہم پہلے تجھے اپنے نبی کا وسیلہ پیش کرتے تھے ۔۔۔ ان الفاظ میں اس رائج طریقہ توسل کا ذکر نہیں جس میں کسی غائب شخص کا وسیلہ دیا جاتا ہے جسے اس بات کا شعور بھی نہیں ہوتا کہ کوئی اس کا وسیلہ پکڑ رہا ہے۔ اس حدیث میں تو سلف صالحین کے طریقہ توسل کا اثبات ہے۔ سلف کا طریقہ یہ تھا کہ وہ کسی مقرب الٰہی شخص کو آگے کرتے اور عرض کرتے کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں۔ پھر وہ اس سفارش کا حوالہ دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے۔ جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا۔ اگر اس حدیث میں بعد والے لوگوں کے وضع کردہ طریقہ توسل کا ذکر ہوتا تو پھر صحابہ کرام کو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے جانے کی ضرورت نہ پڑتی اور ان کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ ہی کا وسیلہ کافی ہوتا یا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ

کی عدم موجودگی میں ان کے نام کا وسیلہ دے دیا جاتا۔ (بعض) متاخرین کے نزدیک کسی نیک بزرگ کی ذات کا وسیلہ دینا جائز ہے لیکن حافظ ابن تیمیہ ﷫ نے اس کی نفی کی ہے۔ میں اس بارے میں تردّد کا شکار ہوں کیونکہ ابن تیمیہ ﷫ نے 'تجرید القدروی' سے امام صاحب کی ایک عبارت ذکر کی ہے کہ اللہ کے ناموں کے علاوہ کسی اور نام سے اللہ پر اقسام جائز نہیں۔ یعنی انہوں نے اقسام کی نفی سے توسل کی نفی کی دلیل لی ہے۔ اگر توسل اور اقسام ایک ہی چیز ہیں تو پھر ابن تیمیہ ﷫ کی بات حق ہے اور اگر توسل و اقسام میں تفاوت ہے تو پھر توسل جائز رہے گا۔"

(فیض الباري:2/379)

یعنی صحابہ و تابعین اور ائمہ دین میں سے کسی نے کبھی بھی اللہ تعالیٰ کو نیک لوگوں کی ذات یا ان کے ناموں کا وسیلہ نہیں دیا۔ یہ طریقہ کار تو بعد والوں کی ایجاد ہے۔ اب رہی اقسام علی اللہ بغیر اسمائہ کی بات کہ امام ابوحنیفہ نے اس کی نفی کی ہے اور اس نفی سے ذات کے توسل کی نفی ہوتی ہے، تو اس بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ ﷫ حق بجانب ہیں۔ البتہ اس بحث کو سمجھنا اقسام علی اللہ کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ آیئے ایک نظر اس پر بھی کریں۔

اقسام علی اللہ اور توسل

عالَمِ عرب کے مشہور عالم، محمد بن صالح عثیمین ﷫ (1347-1421ھ) فرماتے ہیں:

وَالْإِقْسَامُ عَلَى اللهِ أَنْ تَحْلِفَ عَلَى اللهِ أَنْ يَّفْعَلَ، أَوْ تَحْلِفَ عَلَيْهِ أَنْ لَّا يَفْعَلَ، مِثْلُ: وَاللهِ! لَيَفْعَلَنَّ اللهُ كَذَا، أَوْ وَاللهِ! لَا يَفْعَلُ اللهُ كَذَا، وَالْقَسَمُ عَلَى اللهِ يَنْقَسِمُ إِلٰى أَقْسَامٍ: اَلْأَوَّلُ: أَنْ يُّقْسِمَ بِمَا أَخْبَرَ اللهُ بِهٖ وَرَسُولُهٗ مِنْ نَّفْيٍ أَوْ إِثْبَاتٍ، فَهٰذَا لَا بَأْسَ بِهٖ، وَهٰذَا دَلِيلٌ عَلٰى يَقِينِهٖ بِمَا أَخْبَرَ اللهُ بِهٖ وَرَسُولُهٗ، مِثْلُ: وَاللهِ! لَيُشَفِّعَنَّ اللهُ نَبِيَّهٗ فِي الْخَلْقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمِثْلُ: وَاللهِ! لَا يَغْفِرُ اللهُ لِمَنْ أَشْرَكَ بِهٖ، اَلثَّانِي: أَنْ يُّقْسِمَ عَلٰى رَبِّهٖ لِقُوَّةِ رَجَائِهٖ وَحُسْنِ الظَّنِّ بِرَبِّهٖ، فَهٰذَا جَائِزٌ لِإِقْرَارِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِکَ فِي قِصَّةِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ النَّضْرِ عَمَّةِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، حِينَمَا كَسَرَتْ ثَنِيَّةَ جَارِيَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَاحْتَكَمُوا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْقِصَاصِ، فَعَرَضُوا عَلَيْهِمُ الصُّلْحَ، فَأَبَوْا، فَقَامَ أَنَسُ بْنُ النَّضْرِ، فَقَالَ: أَتُكْسَرُ ثَنِيَّةُ الرُّبَيِّعِ؟ وَاللهِ! يَا رَسُولَ اللهِ، لَا تُكْسَرُ ثَنِيَّةُ الرُّبَيِّعِ، وَهُوَ لَا يُرِيدُ بِهِ رَدَّ الْحُكْمِ الشَّرْعِيِّ، فَقَالَ الرَّسُولُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَنَسُ! كِتَابُ اللهِ الْقِصَاصُ، يَعْنِي السِّنَّ بِالسِّنِّ، قَالَ: وَاللهِ! لَا تُكْسَرُ ثَنِيَّةُ الرُّبَيِّعِ، وَغَرَضُهُ بِذٰلِکَ أَنَّهُ لِقُوَّةِ مَا عِنْدَهُ مِنَ التَّصْمِيمِ عَلَى أَنْ لَا تُكْسَرَ، وَلَوْ بَذَلَ كُلَّ غَالٍ وَرَخِيصٍ، أَقْسَمَ عَلَى ذٰلِکَ، فَلَمَّا عَرَفُوا أَنَّهُ مُصَمِّمٌ أَلْقَى اللهُ فِي قُلُوبِ الْأَنْصَارِ الْعَفْوَ، فَعَفَوْا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللهِ مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ، فَهُوَ لِقُوَّةِ رَجَائِهِ بِاللهِ وَحُسْنِ ظَنِّهِ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ أَنْ لَا تُكْسَرَ ثَنِيَّةُ الرُّبَيِّعِ، فَأَلْقَى اللهُ الْعَفْوَ فِي قُلُوبِ هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ صَمَّمُوا أَمَامَ الرَّسُولِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْقِصَاصِ، فَعَفَوْا وَأَخَذُوا الْأَرْشَ، فَثَنَاءُ الرَّسُولِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ شَهَادَةٌ بِأَنَّ الرَّجُلَ مِنْ عِبَادِ اللهِ، وَأَنَّ اللهَ أَبَرَّ قَسَمَهُ وَلَيَّنَ لَهُ هٰذِهِ الْقُلُوبَ، وَكَيْفَ لَا، وَهُوَ الَّذِي قَالَ: إِنَّهُ يَجِدُ رِيحَ الْجَنَّةِ دُونَ أُحُدٍ، وَلَمَّا اسْتُشْهِدَ وُجِدَ بِهِ بِضْعٌ وَثَمَانُونَ مَا بَيْنَ ضَرْبَةٍ بِسَيْفٍ أَوْ طَعْنَةٍ بِرُمْحٍ، وَلَمْ يَعْرِفْهُ إِلَّا أُخْتُهُ بِبَنَانِهِ، وَهِيَ الرُّبَيِّعُ هٰذِهِ، رَضِيَ اللهُ عَنِ الْجَمِيعِ وَعَنَّا مَعَهُمْ، وَيَدُلُّ أَيْضًا لِهٰذَا الْقِسْمِ قَوْلُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رُبَّ أَشْعَثَ مَدْفُوعٍ بِالْأَبْوَابِ، لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ (صحيح مسلم: 2662)، اَلْقِسْمُ الثَّالِثُ: أَنْ يَكُونَ الْحَامِلُ لَهُ هُوَ

الْإِعْجَابُ بِالنَّفْسِ، وَتَحَجُّرُ فَضْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَسُوءُ الظَّنِّ بِهِ تَعَالٰی، فَهٰذَا مُحَرَّمٌ، وَهُوَ وَشِيكٌ بِأَنْ يُحْبِطَ اللّٰهُ عَمَلَ هٰذَا الْمُقْسِمِ.

''اقسام علی اللہ کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بارے میں قسم اٹھائیں کہ وہ یہ کام کرے گا یا نہیں کرے گا، مثلاً اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ ضرور ایسا کرے گا، یا اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں قسم کی کئی قسمیں ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ آدمی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے دی گئی کسی خبر پر قسم اٹھائے جو نفی یا اثبات پر مبنی ہو۔ اس میں کوئی حرج والی بات نہیں۔ اس سے تو معلوم ہوگا کہ اس شخص کو اللہ اور اس کے رسول کی بیان کردہ خبر پر پورا یقین ہے، مثلاً اللہ کی قسم، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ضرور مخلوق کے بارے میں اپنے نبی کی سفارش قبول کرے گا اور مثلاً اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ شرک کرنے والے کو معاف نہیں فرمائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ انسان مضبوط امید اور اپنے رب پر حسن ظن کی بنا پر قسم اٹھائے تو یہ بھی جائز ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ربیع بنت نضر کے واقعہ میں اس قسم پر رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ ہوا یوں کہ ربیع بنت نضر رضی اللہ عنہا نے ایک انصاری لڑکی کا دانت توڑ دیا تھا۔ انصار اس کے فیصلے کے لیے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ نے قصاص، یعنی دانت کے بدلے میں دانت توڑنے کا حکم صادر فرمایا۔ ربیع بنت نضر رضی اللہ عنہا کے گھر والوں نے دیت کی پیش کش کی لیکن انصار نے اسے مسترد کر دیا۔ اس پر انس بن نضر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: کیا ربیع کا دانت توڑا جائے گا؟ یا رسول اللہ! اللہ کی قسم، ربیع کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا مقصد قصاص کے شرعی حکم کو ٹھکرانا ہرگز نہیں تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: انس! (انصار کے دیت پر راضی نہ ہونے کی بنا پر) اللہ تعالیٰ کی طرف سے قصاص فرض ہوگیا ہے۔ اس پر سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم، ربیع کا دانت نہیں توڑا جائے گا (صحيح البخاري: 2703)۔ مراد یہ تھی کہ ان کا پختہ عزم ہے کہ وہ ربیع کا دانت نہیں ٹوٹنے دیں گے، خواہ اس کے لیے کتنی بھی دولت (بطورِ دیت) صرف کرنا پڑے۔ اسی بنا پر

انہوں نے قسم اٹھالی۔ جب انصار کو معلوم ہو گیا کہ ان کا ارادہ بہت پختہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں معافی ڈال دی اور انہوں نے معاف کر دیا۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھالیں تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور پورا کر دیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ پر اپنی مضبوط امید اور حسن ظن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھائی کہ ربیع کا دانت نہیں ٹوٹے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہی لوگوں کے دل میں درگزر ڈال دی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے قصاص لینے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے معاف کر دیا اور دیت قبول کر لی۔ اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے انس بن نضر رضی اللہ عنہ کے اس عمل کی تعریف، اس بات کی گواہی تھی کہ انس بن نضر رضی اللہ عنہ اللہ کے مقرب بندے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم کو پورا کرتے ہوئے ان کے لیے انصار کے دلوں کو نرم فرما دیا۔ ایسا کیوں نہ ہوتا؟ یہ وہی شخص تھے جنہوں نے فرمایا تھا کہ انہیں اُحد کے پار سے جنت کی خوشبو آرہی ہے۔ اور جب وہ شہید ہوئے تو ان کے جسم پر تلواروں اور نیزوں کے اَسّی سے زائد زخم تھے۔ ان کو کوئی پہچان نہ پایا اور صرف ان کی اسی بہن ربیع نے انہیں پہچانا۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے اور ان کے ساتھ ہم سے بھی راضی ہو جائے۔ اس قسم کے جائز ہونے پر رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے کہ کتنے ہی پراگندہ اور دروازوں سے دھکے مار کر دور کیے جانے والے لوگ ہیں جو اللہ پر قسم اٹھالیں تو اللہ تعالیٰ اسے پورا کر دیتا ہے (صحیح مسلم: 2662)۔ اقسام علی اللہ کی تیسری صورت یہ ہے کہ آدمی کو تکبر، اللہ تعالیٰ کے فضل کو محدود کرنے کی خواہش اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدظنی ایسی قسم اٹھانے پر آمادہ کرے۔ یہ قسم حرام ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے والے کے اعمال کو غارت کر دے۔۔۔"

(القول المفید علی کتاب التوحید، ص: 562-653)

علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ (731-792ھ) اقسام علی اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَأَمَّا الِاسْتِشْفَاعُ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِ فِي الدُّنْيَا إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى

فِي الدُّعَاءِ، فَفِيهِ تَفْصِيلٌ: فَإِنَّ الدَّاعِيَ تَارَةً يَقُولُ: بِحَقِّ نَبِيِّكَ أَوْ بِحَقِّ فُلَانٍ، يُقْسِمُ عَلَى اللّٰهِ بِأَحَدٍ مِّنْ مَخْلُوقَاتِهِ، فَهٰذَا مَحْذُورٌ مِّنْ وَّجْهَيْنِ: أَحَدُهُمَا: أَنَّهُ أَقْسَمَ بِغَيْرِ اللّٰهِ. وَالثَّانِي: اعْتِقَادُهُ أَنَّ لِأَحَدٍ عَلَى اللّٰهِ حَقًّا، وَلَا يَجُوزُ الْحَلِفُ بِغَيْرِ اللّٰهِ، وَلَيْسَ لِأَحَدٍ عَلَى اللّٰهِ حَقٌّ إِلَّا مَا أَحَقَّهُ عَلَى نَفْسِهِ، كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (الروم: 47). وَكَذٰلِكَ مَا ثَبَتَ فِي الصَّحِيحَيْنِ مِنْ قَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَهُوَ رَدِيفُهُ: يَا مُعَاذُ! أَتَدْرِي مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلَى عِبَادِهِ؟ قُلْتُ: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: حَقُّهُ عَلَيْهِمْ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، أَتَدْرِي مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ إِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ؟ قُلْتُ: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: حَقُّهُمْ عَلَيْهِ أَنْ لَّا يُعَذِّبَهُمْ. فَهٰذَا حَقٌّ وَّجَبَ بِكَلِمَاتِهِ التَّامَّةِ وَوَعْدِهِ الصَّادِقِ، لَا أَنَّ الْعَبْدَ نَفْسَهُ مُسْتَحِقٌّ عَلَى اللّٰهِ شَيْئًا كَمَا يَكُونُ لِلْمَخْلُوقِ عَلَى الْمَخْلُوقِ، فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمُنْعِمُ عَلَى الْعِبَادِ بِكُلِّ خَيْرٍ، وَحَقُّهُمُ الْوَاجِبُ بِوَعْدِهِ هُوَ أَنْ لَّا يُعَذِّبَهُمْ، وَتَرْكُ تَعْذِيبِهِمْ مَعْنًى لَا يَصْلُحُ أَنْ يُّقْسَمَ بِهِ، وَلَا أَنْ يُّسْأَلَ بِسَبَبِهِ وَيُتَوَسَّلَ بِهِ، لِأَنَّ السَّبَبَ هُوَ مَا نَصَبَهُ اللّٰهُ سَبَبًا. وَكَذٰلِكَ الْحَدِيثُ الَّذِي فِي الْمُسْنَدِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِي قَوْلِ الْمَاشِي إِلَى الصَّلَاةِ: أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مَمْشَايَ هٰذَا، وَبِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ، فَهٰذَا حَقُّ السَّائِلِينَ، هُوَ أَوْجَبَهُ عَلَى نَفْسِهِ، فَهُوَ الَّذِي أَحَقَّ لِلسَّائِلِينَ أَنْ يُّجِيبَهُمْ، وَلِلْعَابِدِينَ أَنْ يُّثِيبَهُمْ، وَلَقَدْ أَحْسَنَ الْقَائِلُ:

مَا لِلْعِبَادِ عَلَيْهِ حَقٌّ وَاجِبٌ كَلَّا، وَلَا سَعْيٌ لَدَيْهِ ضَائِعٌ

إِنْ عُذِّبُوا فَبِعَدْلِهِ، أَوْ نُعِّمُوا   فَبِفَضْلِهِ، وَهُوَ الْكَرِيمُ السَّامِعُ

فَإِنْ قِيلَ: فَأَيُّ فَرْقٍ بَيْنَ قَوْلِ الدَّاعِي: بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ، وَبَيْنَ قَوْلِهِ: بِحَقِّ نَبِيِّكَ، أَوْ نَحْوِ ذٰلِكَ؟ فَالْجَوَابُ: أَنَّ مَعْنَى قَوْلِهِ: بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ، أَنَّكَ وَعَدْتَ السَّائِلِينَ بِالْإِجَابَةِ، وَأَنَا مِنْ جُمْلَةِ السَّائِلِينَ، فَأَجِبْ دُعَائِي، بِخِلَافِ قَوْلِهِ: بِحَقِّ فُلَانٍ، فَإِنَّ فُلَانًا وَإِنْ كَانَ لَهُ حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ بِوَعْدِهِ الصَّادِقِ، فَلَا مُنَاسَبَةَ بَيْنَ ذٰلِكَ وَبَيْنَ إِجَابَةِ دُعَاءِ هٰذَا السَّائِلِ، فَكَأَنَّهُ يَقُولُ: لِكَوْنِ فُلَانٍ مِنْ عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ أَجِبْ دُعَائِي! وَأَيُّ مُنَاسَبَةٍ فِي هٰذَا وَأَيُّ مُلَازَمَةٍ؟ وَإِنَّمَا هٰذَا مِنَ الْاِعْتِدَاءِ فِي الدُّعَاءِ! وَقَدْ قَالَ تَعَالَى: ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ (الأعراف:55). وَهٰذَا وَنَحْوُهُ مِنَ الْأَدْعِيَةِ الْمُبْتَدَعَةِ، وَلَمْ يُنْقَلْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا عَنِ الصَّحَابَةِ وَلَا عَنِ التَّابِعِينَ، وَلَا عَنْ أَحَدٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، وَإِنَّمَا يُوجَدُ مِثْلُ هٰذَا فِي الْحُرُوزِ وَالْهَيَاكِلِ الَّتِي يَكْتُبُ بِهَا الْجُهَّالُ وَالطُّرُقِيَّةُ. وَالدُّعَاءُ مِنْ أَفْضَلِ الْعِبَادَاتِ، وَالْعِبَادَاتُ مَبْنَاهَا عَلَى السُّنَّةِ وَالْاِتِّبَاعِ، لَا عَلَى الْهَوَى وَالْاِبْتِدَاعِ، وَإِنْ كَانَ مُرَادُهُ الْإِقْسَامُ عَلَى اللّٰهِ بِحَقِّ فُلَانٍ، فَذٰلِكَ مَحْذُورٌ أَيْضًا، لِأَنَّ الْإِقْسَامَ بِالْمَخْلُوقِ لَا يَجُوزُ، فَكَيْفَ عَلَى الْخَالِقِ؟ وَقَدْ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ أَشْرَكَ، وَلِهٰذَا قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَصَاحِبَاهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ: يُكْرَهُ أَنْ يَقُولَ الدَّاعِي: أَسْأَلُكَ بِحَقِّ فُلَانٍ، أَوْ بِحَقِّ أَنْبِيَائِكَ وَرُسُلِكَ، وَبِحَقِّ الْبَيْتِ الْحَرَامِ، وَالْمَشْعَرِ الْحَرَامِ، وَنَحْوِ ذٰلِكَ حَتّٰى كَرِهَ أَبُو حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنْ يَقُولَ

الرَّجُلُ: اللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُکَ بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِکَ، وَلَمْ یَکْرَهْهُ أَبُو یُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَمَّا بَلَغَهُ الْأَثَرُ فِیهِ، وَتَارَةً یَقُولُ: بِجَاهِ فُلَانٍ عِنْدَکَ، یَقُولُ: نَتَوَسَّلُ إِلَیْکَ بِأَنْبِیَائِکَ وَرُسُلِکَ وَأَوْلِیَائِکَ. وَمُرَادُهُ أَنَّ فُلَانًا عِنْدَکَ ذُو وَجَاهَةٍ وَشَرَفٍ وَمَنْزِلَةٍ فَأَجِبْ دُعَاءَنَا، وَهٰذَا أَیْضًا مَحْذُورٌ، فَإِنَّهُ لَوْ کَانَ هٰذَا هُوَ التَّوَسُّلُ الَّذِي کَانَ الصَّحَابَةُ یَفْعَلُونَهُ فِي حَیَاةِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَفَعَلُوهُ بَعْدَ مَوْتِهِ، وَإِنَّمَا کَانُوا یَتَوَسَّلُونَ فِي حَیَاتِهِ بِدُعَائِهِ، یَطْلُبُونَ مِنْهُ أَنْ یَدْعُوَ لَهُمْ، وَهُمْ یُؤَمِّنُونَ عَلٰی دُعَائِهِ، کَمَا فِي الْاِسْتِسْقَاءِ وَغَیْرِهِ، فَلَمَّا مَاتَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَمَّا خَرَجُوا یَسْتَسْقُونَ: اللّٰهُمَّ! إِنَّا کُنَّا إِذَا أَجْدَبْنَا نَتَوَسَّلُ إِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا فَتَسْقِینَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا. مَعْنَاهُ بِدُعَائِهِ هُوَ رَبَّهُ، وَشَفَاعَتِهِ وَسُؤَالِهِ، لَیْسَ الْمُرَادُ أَنَّا نُقْسِمُ عَلَیْکَ (بِهِ)، أَوْ نَسْأَلُکَ بِجَاهِهِ عِنْدَکَ، إِذْ لَوْ کَانَ ذٰلِکَ مُرَادًا لَکَانَ جَاهُ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَعْظَمَ وَأَعْظَمَ مِنْ جَاهِ الْعَبَّاسِ. وَتَارَةً یَقُولُ: بِاتِّبَاعِي لِرَسُولِکَ وَمَحَبَّتِي لَهُ وَإِیمَانِي بِهِ وَسَائِرِ أَنْبِیَائِکَ وَرُسُلِکَ وَتَصْدِیقِي لَهُمْ، وَنَحْوِ ذٰلِکَ. فَهٰذَا مِنْ أَحْسَنِ مَا یَکُونُ فِي الدُّعَاءِ وَالتَّوَسُّلِ وَالْاِسْتِشْفَاعِ. فَلَفْظُ التَّوَسُّلِ بِالشَّخْصِ وَالتَّوَجُّهِ بِهِ فِیهِ إِجْمَالٌ، غَلِطَ بِسَبَبِهِ مَنْ لَمْ یَفْهَمْ مَعْنَاهُ: فَإِنْ أُرِیدَ بِهِ التَّسَبُّبُ بِهِ لِکَوْنِهِ دَاعِیًا وَشَافِعًا، وَهٰذَا فِي حَیَاتِهِ یَکُونُ، أَوْ لِکَوْنِ الدَّاعِي مُحِبًّا لَهُ، مُطِیعًا لِأَمْرِهِ، مُقْتَدِیًا بِهِ، وَذٰلِکَ أَهْلٌ لِلْمَحَبَّةِ وَالطَّاعَةِ وَالْاِقْتِدَاءِ، فَیَکُونُ التَّوَسُّلُ إِمَّا بِدُعَاءِ الْوَسِیلَةِ وَشَفَاعَتِهِ، وَإِمَّا بِمَحَبَّةِ السَّائِلِ وَاتِّبَاعِهِ، أَوْ یُرَادُ بِهِ الْإِقْسَامُ بِهِ وَالتَّوَسُّلُ بِذَاتِهِ، فَهٰذَا الثَّانِي هُوَ الَّذِي

كَرِهُوهُ وَنَهَوا عَنْهُ، وَكَذٰلِكَ السُّؤَالُ بِالشَّيْءِ، قَدْ يُرَادُ بِهِ التَّسَبُّبُ بِهِ، لِكَوْنِهِ سَبَبًا فِي حُصُولِ الْمَطْلُوبِ، وَقَدْ يُرَادُ (بِهِ) الْإِقْسَامُ بِهِ.

''دنیا میں دُعا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو نبی اکرم ﷺ یا کسی اور مخلوق کا واسطہ اور وسیلہ دینے کا مسئلہ تفصیل کا متقاضی ہے۔ دعا کرنے والا شخص بسا اوقات کہتا ہے کہ اے اللہ! اپنے نبی یا فلاں شخص کے طفیل میری دعا قبول کر لے، یعنی وہ کسی مخلوق کی قسم اللہ تعالیٰ پر ڈالتا ہے۔ یہ کام دو وجہ سے ممنوع ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی۔ دوسرے اس بنا پر کہ اس نے سمجھا کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا حق بھی ہے۔ حالانکہ نہ غیر اللہ کی قسم جائز ہے نہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق ہے، سوائے اس حق کے جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے اوپر لازم کیا۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (الروم: 47) (ہمارے اوپر مومنوں کی مدد لازم ہے)۔ اسی طرح صحیح بخاری و مسلم میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے جو آپ کے پیچھے سوار تھے، فرمایا: اے معاذ! کیا آپ جانتے ہیں کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق کیا ہے؟ معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی کو بہتر معلوم ہے۔ آپ نے فرمایا: بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ پھر فرمایا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ جب بندے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور شرک نہ کریں تو اللہ تعالیٰ پر ان بندوں کا کیا حق ہے؟ میں نے پھر عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پر بندوں کا یہ حق ہے کہ وہ انہیں عذاب نہ کرے۔۔۔ (قرآن و حدیث سے اللہ تعالیٰ پر بندوں کا حق تو ثابت ہو گیا) لیکن یہ ایسا حق ہے جو اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات اور سچے وعدے کی بنا پر لازم ہوا ہے۔ ایسا نہیں کہ کوئی بندہ بذاتِ خود اس کا حقدار ہوا ہو جیسا کہ مخلوق کا مخلوق پر حق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بندوں کو تمام بھلائیوں سے نوازنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے ان سے وعدہ کر کے انہیں عذاب نہ دینے کا حق اپنے اوپر لازم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے موحد بندوں کو عذاب نہ کرنا ایسی بات نہیں کہ اس کی قسم اٹھائی

جائے اور اس کے طفیل دعا کی جائے اور اُس کا وسیلہ پکڑا جائے، کیونکہ دعا کی قبولیت کا سبب تو وہی چیز بنے گی جسے اللہ تعالیٰ نے سبب بنایا ہے۔۔۔اسی طرح سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی مسند احمد والی (21/3، سنن ابن ماجہ: 778۔ یاد رہے کہ یہ روایت عطیہ عوفی کی وجہ سے ضعیف ہے۔) وہ حدیث ہے جس میں نماز کے لیے پیدل چلنے والے شخص کی دعا یوں ذکر کی گئی ہے کہ اے اللہ! میں اپنے اس پیدل چلنے کے صدقے اور سوالیوں کے تجھ پر موجود حق کے طفیل سوال کرتا ہوں۔۔۔تو اس سے مراد سوالیوں کا وہ حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے اوپر لازم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود سوالیوں کی دُعا کو قبول کرنے اور عبادت گزاروں کو ثواب عطا فرمانے کا حق تسلیم کیا ہے۔ کسی عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بندوں کا ہرگز کوئی لازم حق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی کاوش رائیگاں نہیں ہوتی۔ اگر اللہ بندوں کو عذاب دے تو یہ اس کا عدل ہے اور اگر وہ انہیں نعمتوں سے نوازے تو یہ اس کا فضل ہے۔ وہ کریم اور سمیع ہے۔۔۔اگر کوئی یہ سوال کرے کہ سوالیوں کے حق کے طفیل دعا کرنے اور نبی ﷺ اور دیگر صالحین کے طفیل دعا کرنے میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بِحَقِّ السَّائِلِینَ عَلَیْکَ کے الفاظ سے دعا کرنے والا کہتا ہے کہ اے اللہ! تو نے مانگنے والوں سے دعا کی قبولیت کا وعدہ فرمایا ہے۔ میں بھی سوالی ہوں لہٰذا تو میری دُعا قبول فرما لے۔ بِحَقِّ فُلَانٍ کے الفاظ اس کے برعکس ہیں۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے سچے وعدے کے مطابق بندوں کے لیے (نصرت وغیرہ کا) حق ہوتا ہے لیکن اس حق کا کسی بندے کی دعا کی قبولیت سے کیا تعلق؟ گویا یہ کہا جاتا ہے کہ اے اللہ! فلاں شخص تیرا نیک بندہ ہے، لہٰذا میری دُعا قبول فرما لے۔ بھلا ان دونوں باتوں کی آپس میں کیا مناسبت ہے؟ دعا میں ایسا کرنا بے ڈھنگا پن اور زیادتی ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ (الأعراف: 55) (تم اپنے رب سے گڑگڑا کر اور مخفی انداز میں دُعا کرو۔ بلاشبہ وہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا)۔ یعنی یہ اور اس طرح کے دیگر دعائیہ الفاظ بدعیہ ہیں۔ نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرام، تابعین

عظام اور ائمہ دین میں سے کسی سے بھی ایسی کوئی دعا منقول نہیں۔ اس طرح کے الفاظ تو ان تعویذ گنڈوں میں موجود ہوتے ہیں جنہیں جاہل قسم کے دم جھاڑا کرنے والے لوگ لکھتے ہیں۔ دعا تو افضل عبادت ہے اور عبادات کی بنیاد سنت اور اتباع رسول پر ہوتی ہے، خواہشاتِ نفس اور بدعات پر نہیں ہوتی۔ اگر ایسا کرنے والے شخص کی مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کے طفیل قسم ڈالی جائے تو یہ بھی ممنوع ہے، کیونکہ مخلوق کی قسم تو ویسے بھی جائز نہیں، خالق پر کیسے جائز ہوگی؟ رسولِ اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی، اس نے شرک کا ارتکاب کیا۔ اسی لیے امام ابوحنیفہ اور ان کے دونوں شاگردوں (قاضی ابو یوسف اور محمد بن حسن شیبانی) رحمہم اللہ نے انبیاء ورسل، بیت اللہ، مشعر حرام وغیرہ کے طفیل دُعا مانگنے کو ناپسند کیا ہے۔ حتی کہ امام ابوحنیفہ اور محمد بن حسن نے تو عرش کو پیدا کرنے والی قدرت کے واسطے سے دعا کرنا بھی مکروہ قرار دیا ہے، جبکہ ابو یوسف نے اسے مکروہ نہیں جانا کیونکہ انہیں اس بارے میں ایک روایت پہنچ گئی تھی [الدعوات الكبير للبيهقي: 443۔ یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ اس میں ایک تو عمر بن ہارون باتفاقِ محدثین متروک و کذاب ہے، دوسرے عامر بن خداش کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ اس میں کمزوری ہے (تاریخ الإسلام: 96/5)۔ تیسرے اس میں ابن جریج مدلس ہیں۔ چوتھے اس کے بارے میں حافظ ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے من گھڑت ہونے میں کوئی شبہ نہیں (نصب الراية للزيلعي الحنفي: 273/4)]۔ بسا اوقات دعا کرنے والا کہتا ہے کہ فلاں شخص کے تیرے دربار میں مقام ومرتبہ کے طفیل۔ ہم تجھے تیرے انبیاء، رسل اور اولیاء کا وسیلہ دیتے ہیں۔۔۔ اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں شخص تیرے ہاں مقام ومرتبہ اور شرف رکھتا ہے، لہٰذا ہماری دُعا قبول فرما۔ یہ بھی ممنوع ہے، کیونکہ اگر وسیلے کا یہ طریقہ وہی ہوتا جو صحابہ کرام، نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں اختیار کرتے تھے تو وہ اسے آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی اختیار کرتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ کی دُعا کا وسیلہ اختیار کرتے تھے، یعنی آپ سے دُعا کی درخواست کرتے تھے اور آپ کی دُعا پر آمین کہتے تھے۔ استسقاء (بارش طلبی کی دعا) وغیرہ میں ایسا ہی ہوتا تھا۔ لیکن جب آپ ﷺ وفات پا گئے تو بارش طلب کرنے کے لیے باہر نکل کر سیدنا

عمر رضی اللہ عنہ نے یوں کہا: اے اللہ! پہلے ہم جب خشک سالی میں مبتلا ہوتے تو اپنے نبی کا وسیلہ اختیار کرتے تھے۔اب ہم تیری طرف اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ لے کر آئے ہیں۔یعنی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ تجھ سے ہمارے لیے دُعا وسفارش کریں گے۔آپ کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا اللہ تعالیٰ کو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی قسم دی جائے یا ان کے مُقام و مرتبے کے وسیلے سے مانگا جائے۔اگر یہ طریقہ جائز ہوتا تو پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ومنزلت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی شان ومنزلت سے بہت بہت زیادہ تھی۔۔۔ بسا اوقات دعا کرنے والا کہتا ہے کہ اے اللہ! میں تیرے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری کرتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر تمام انبیاء ورسل پر ایمان لاتا ہوں اور ان کی تصدیق کرتا ہوں، اس بنا پر تو میری دُعا قبول کرلے۔۔۔تو یہ دعا اور وسیلے کا بہترین طریقہ ہے۔رہی بات کسی شخص کے وسیلے یا اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے کی تو یہ تفصیل طلب مسئلہ ہے۔اس کا صحیح معنیٰ نہ سمجھ سکنے کی بنا پر بعض لوگوں نے غلطی کھائی ہے۔اگر اس سے اس شخص کی دعا وسفارش کو وسیلہ بنانا مراد ہے تو وہ ایسے نیک شخص کی زندگی ہی میں ممکن ہے۔یا اس سے مراد یہ ہوسکتی ہے کہ دُعا کرنے والا شخص جس نیک ہستی کا وسیلہ دے رہا ہے، اس سے محبت کرتا ہے اور اس کا مطیع وفرمانبردار ہے بشرطیکہ وہ نیک ہستی محبت، اطاعت اور فرمانبرداری کی مستحق بھی ہو (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں)۔مذکورہ صورتوں میں یہ توسل نیک شخص کی دعا وسفارش کا ہوگا یا دُعا کرنے والے کی محبت واطاعت (جو کہ اس کا نیک عمل ہے) کا ہوگا۔اس توسل میں دوسری قسم یہ ہوسکتی ہے کہ وسیلہ دینے والے کی مراد یہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کو کسی نیک ہستی کی قسم ڈالے یا اس کی ذات کا وسیلہ اختیار کرے۔یہی دوسری قسم ائمہ کرام کے ہاں مکروہ اور ممنوع ہے۔۔۔''

(شرح العقیدۃ الطحاویۃ، ص:236-238)

علامہ برکوی حنفی (م981ھ) دعا میں ممنوع توسل کے بارے میں اپنا اور اپنے ائمہ کا نظریہ یوں بیان کرتے ہیں:

وَالْمَقْصُودُ أَنَّ الشَّيْطَانَ يُلَطِّفُ كَيْدَهُ لِلْإِنْسَانِ بِتَحْسِينِ الدُّعَاءِ لَهُ عِنْدَ

الْقَبْرِ وَجَعَلَهُ أَنْجَحَ مِنْهُ فِي بَيْتِهِ وَمَسْجِدِهِ وَأَوْقَاتِ الْأَسْحَارِ. فَإِذَا قَرَّرَ ذٰلِكَ عِنْدَهُ نَقَلَهُ دَرَجَةً أُخْرَى مِنَ الدُّعَاءِ عِنْدَهُ إِلَى الدُّعَاءِ بِصَاحِبِ الْقَبْرِ وَالْإِقْسَامِ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى بِهِ، وَهٰذَا أَعْظَمُ مِنَ الَّذِي قَبْلَهُ، فَإِنَّ شَأْنَهُ تَعَالٰى أَعْظَمُ مِنْ أَنْ يُقْسَمَ عَلَيْهِ بِأَحَدٍ مِّنْ خَلْقِهِ أَوْ يُسْأَلَ بِأَحَدٍ مِّنْ خَلْقِهِ. وَقَدْ أَنْكَرَ أَئِمَّةُ الْإِسْلَامِ ذٰلِكَ، فَقَالَ أَبُو الْحَسَنِ الْقُدُورِيُّ فِي (شَرْحِ كِتَابِ الْكَرْخِيِّ)، قَالَ بِشْرُ بْنُ الْوَلِيدِ: سَمِعْتُ أَبَا يُوسُفَ يَقُولُ: قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَدْعُوَ اللّٰهَ تَعَالٰى إِلَّا بِهِ، قَالَ: وَأَكْرَهُ أَنْ يَقُولَ: أَسْأَلُكَ بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ، وَأَكْرَهُ أَنْ يَقُولَ: بِحَقِّ فُلَانٍ وَبِحَقِّ أَنْبِيَائِكَ وَرُسُلِكَ وَبِحَقِّ الْبَيْتِ الْحَرَامِ. قَالَ أَبُو الْحَسَنِ: أَمَّا الْمَسْأَلَةُ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَمُنْكَرَةٌ فِي قَوْلِهِمْ، لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَإِنَّمَا الْحَقُّ لِلّٰهِ تَعَالٰى عَلَى خَلْقِهِ. قَالَ ابْنُ بَلْدَجِيٍّ فِي (شَرْحِ الْمُخْتَارِ): وَيُكْرَهُ أَنْ يَدْعُوَ اللّٰهَ تَعَالٰى إِلَّا بِهِ، فَلَا يَقُولُ: أَسْأَلُكَ بِفُلَانٍ أَوْ بِمَلَائِكَتِكَ أَوْ أَنْبِيَائِكَ أَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ، لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لِلْمَخْلُوقِ عَلَى خَالِقِهِ، أَوْ يَقُولُ فِي دُعَائِهِ: أَسْأَلُكَ بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ جَوَازُهُ لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَعَا بِذٰلِكَ، وَلِأَنَّ مَعْقِدَ الْعِزِّ مِنَ الْعَرْشِ إِنَّمَا يُرَادُ بِهِ الْقُدْرَةُ الَّتِي خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهَا الْعَرْشَ مَعَ عَظَمَتِهِ، فَكَأَنَّهُ سُئِلَ بِأَوْصَافِهِ. وَمَا قَالَ فِيهِ أَبُو حَنِيفَةَ وَأَصْحَابُهُ: أَكْرَهُ كَذَا، فَهُوَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ حَرَامٌ وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ هُوَ إِلَى الْحَرَامِ أَقْرَبُ وَجَانِبُ التَّحْرِيمِ عَلَيْهِ أَغْلَبُ. فَإِذَا قَرَّرَ الشَّيْطَانُ عِنْدَهُ أَنَّ الْإِقْسَامَ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى بِهِ وَالدُّعَاءَ بِهِ أَبْلَغُ فِي تَعْظِيمِهِ وَاحْتِرَامِهِ وَأَنْجَعُ فِي قَضَاءِ حَاجَتِهِ، نَقَلَهُ دَرَجَةً أُخْرَى إِلَى دُعَائِهِ نَفْسِهِ

مِنْ دُونِ اللهِ وَالنَّذْرِ لَهُ، ثُمَّ يَنْقُلُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ دَرَجَةً أُخْرٰى إِلٰى أَنْ يَتَّخِذَ قَبْرَهُ وَثَنًا يُعْكَفُ عَلَيْهِ، وَيُوقَدُ عَلَيْهِ الْقِنْدِيلُ وَالشَّمْعُ، وَيُعَلَّقُ عَلَيْهِ السُّتُورُ، وَيَبْنِي عَلَيْهِ الْمَسْجِدَ، وَيَعْبُدُهُ بِالسُّجُودِ لَهُ وَالطَّوَافِ بِهِ وَتَقْبِيلِهِ وَاسْتِلَامِهِ وَالْحَجِّ إِلَيْهِ وَالذَّبْحِ عِنْدَهُ، ثُمَّ يَنْقُلُهُ دَرَجَةً أُخْرٰى إِلٰى دُعَاءِ النَّاسِ إِلٰى عِبَادَتِهِ وَاتِّخَاذِهِ عِيدًا وَمَنْسَكًا، وَأَنَّ ذٰلِكَ أَنْفَعُ لَهُمْ فِي دُنْيَاهُمْ وَآخِرَتِهِمْ.

''حاصل کلام یہ ہے کہ شیطان انسان کے خلاف بڑی خفیہ تدبیر کرتا ہے، وہ اسے یہ باور کراتا ہے کہ قبر کے پاس دعا کرنا مستحسن امر ہے، بلکہ وہ اس کے ذہن میں ڈال دیتا ہے کہ قبر کے پاس دعا کرنا گھر، مسجد اور سحری کے اوقات میں دعا کرنے سے افضل ہے۔ جب انسان کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے تو شیطان اسے ایک درجہ اوپر لے جاتا ہے اور اسے یہ باور کراتا ہے کہ صاحب قبر سے دُعا کرنا اور اللہ تعالیٰ کو اس کی قسم دینا بھی مستحسن ہے۔ اس کی یہ تدبیر، پہلی سے بھی بڑھ کر گھمبیر ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ اس کو کسی مخلوق کی قسم دی جائے یا اس سے کسی مخلوق کے واسطے سے مانگا جائے۔ ائمہ اسلام نے اس طریقے کو سخت بُرا جانا ہے۔ ابوالحسن قدوری، علامہ کرخی کی کتاب کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: بشر بن ولید کا بیان ہے کہ میں نے ابو یوسف سے سنا کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ وہ غیر اللہ کے واسطے اللہ تعالیٰ کو پکارے۔ میں یہ بھی مکروہ سمجھتا ہوں کہ کوئی اللہ تعالیٰ کو اس کی عرش کو پیدا کرنے والی قدرت کا وسیلہ دے، نیز انبیاء ورسل اور بیت اللہ کے وسیلے سے دعا کرنا بھی مکروہ ہے۔۔۔ ابوالحسن (قدوری) کا کہنا ہے کہ ائمہ احناف کے نزدیک غیر اللہ کے واسطے سے دُعا کرنا باطل ہے کیونکہ غیر اللہ کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق نہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر حق ہے۔۔۔ ابن بلدجی نے شرح المختار میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے غیر اللہ کا واسطہ دے کر دعا کرنا مکروہ ہے۔ یہ کہنا جائز نہیں کہ اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فرشتوں یا

تیرے انبیاء وغیرہ کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں، کیونکہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ۔ یہ بھی درست نہیں کہ کوئی کہے: اے اللہ! میں تیری عرش کو پیدا کرنے والی قدرت کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں ۔ البتہ امام ابو یوسف سے اس کا جواز منقول ہے، کیونکہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے اس طرح دُعا فرمائی تھی [الدعوات الكبير للبيهقي: 443۔ یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ اس میں ایک تو عمر بن ہارون باتفاقِ محدثین متروک و کذاب ہے، دوسرے عامر بن خداش کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ اس میں کمزوری ہے (تاريخ الإسلام: 5/96)۔ تیسرے اس میں ابن جریج مدلس ہیں ۔ چوتھے اس کے بارے میں حافظ ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے من گھڑت ہونے میں کوئی شبہ نہیں (نصب الراية للزيلعي الحنفي: 4/273)]۔ نیز ان الفاظ کے استعمال سے تو انسان اوصاف باری تعالیٰ کا وسیلہ اختیار کرتا ہے (اور وہ جائز ہے)۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے جن چیزوں کو مکروہ قرار دیا ہے، وہ محمد بن حسن کے نزدیک حرام ہیں اور امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک حرام کے زیادہ قریب ہیں اور ان میں حرمت کا پہلو غالب ہے۔۔۔ جب شیطان انسان کو یہ بات بھی باور کرا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو غیر اللہ کی قسم دی جا سکتی ہے اور اس طرح دُعا زیادہ تعظیم و احترام والی ہوتی ہے، نیز اس طریقے سے حاجت جلد پوری ہوتی ہے۔۔۔ تو اس کے بعد وہ انسان کو ایک اور درجہ اوپر لے جاتا ہے کہ غیر اللہ سے بھی دُعا کی جائے اور اس کے لیے نذر و نیاز کا اہتمام کیا جائے ۔ پھر اس کے بعد ایک اور درجہ اوپر لے جا کر اسے بزرگوں کی قبروں پر جھکنے، ان پر قندیلیں اور شمعیں روشن کرنے، ان پر چادریں چڑھانے اور ان پر مسجدیں بنانے پر آمادہ کرتا ہے، نیز ان قبروں کے لیے سجود و طواف کر کے اور ان کو چوم کر اور ان کا حج کر کے اور ان کے پاس جانور ذبح کر کے ان کی عبادت کراتا ہے ۔ پھر اس سے ایک اور درجہ اوپر لے جا کر اس کو آمادہ کرتا ہے کہ وہ لوگوں کو ان قبروں کی عبادت کرنے اور ان کو میلہ گاہ بنانے کی دعوت دے اور انہیں بتائے کہ ان کے لیے دنیا و آخرت میں بڑے فائدے کا کام ہے ۔'' (زيارة القبور، ص: 47-48)

ان ساری عبارات اور حنفی ائمہ کی تصریحات سے ثابت ہوا کہ جس طرح غیر اللہ کی قسم اٹھانا

ناجائز، حرام اور شرک ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کو غیر اللہ کا واسطہ دینا یا اللہ تعالیٰ کو غیر اللہ کی قسم دینا بھی حرام ہے۔ نیز امام ابوحنیفہ سمیت تمام متقدمین ائمہ احناف اللہ تعالیٰ پر غیر اللہ کی قسم ڈالنے اور اللہ تعالیٰ کو غیر اللہ کا وسیلہ دینے کو مترادف خیال کرتے تھے اور دونوں کے ممنوع ہونے پر متفق تھے۔ لہٰذا جناب انور شاہ کشمیری صاحب کا اس سلسلے میں متردد ہونا اپنے ائمہ کی تعلیمات سے ناواقفیت کا نتیجہ تھا۔ ان کے معتقدین کو چاہیے کہ وہ ان تصریحات کی روشنی میں تردّد سے چھٹکارا حاصل کرتے ہوئے ممنوع توسل سے توبہ کر لیں۔

اہل حدیثوں کو مبارک ہو کہ وہ سلف کے منہج پر ہیں۔ عقیدہ و عمل میں ان سے سرمو منحرف نہیں۔ اسی وجہ سے ان کو مطعون کیا جاتا ہے۔ مخالفین ان کو ستاتے ہیں، ان کو طرح طرح کے نام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تاقیامت اس طائفہ منصورہ کو حق کے ساتھ غالب رکھے گا اور ان کے معاندین کو منہ کی کھانی پڑے گی۔ ان شاء اللہ!

وللہ الحمد والمنۃ، وصلی اللہ علی محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم تسلیما

وسیلے کی ممنوع اقسام پر دلائل کا جائزہ

غلام مصطفےٰ ظہیر امن پوری

یہ تو بیان ہو چکا ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں تین قسم کا وسیلہ جائز ہے، اس کے علاوہ ہر قسم کا وسیلہ، مثلاً کسی مخلوق کی ذات یا فوت شدگان کا وسیلہ ناجائز و حرام ہے۔ بعض حضرات ناجائز وسیلے پر مبنی اپنے خود ساختہ عقائد کو ثابت کرنے کے لیے من گھڑت، جعلی، بناوٹی اور ضعیف روایات پیش کرتے ہیں۔ آیئے ان روایات کا اصولِ محدثین کی روشنی میں تفصیلی تجزیہ کرتے ہیں:

دلیل نمبر ①: عَنْ مَالِکِ الدَّارِ قَالَ: وَکَانَ خَازِنَ عُمَرَ عَلَی الطَّعَامِ، قَالَ: أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِي زَمَنِ عُمَرَ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلٰی قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: یَا رَسُولَ اللّٰہِ! اسْتَسْقِ لِأُمَّتِکَ، فَإِنَّھُمْ قَدْ ھَلَکُوا، فَأُتِيَ الرَّجُلُ فِي الْمَنَامِ، فَقِیلَ لَہٗ: ائْتِ عُمَرَ فَأَقْرِئْہُ السَّلَامَ، وَأَخْبِرْہُ أَنَّکُمْ مُسْتَقِیمُونَ، وَقُلْ لَہٗ: عَلَیْکَ الْکَیْسُ، عَلَیْکَ الْکَیْسُ، فَأَتٰی عُمَرَ فَأَخْبَرَہٗ، فَبَکٰی عُمَرُ، ثُمَّ قَالَ: یَا رَبِّ! لَا آلُو إِلَّا مَا عَجَزْتُ عَنْہُ.

''مالک الدار جو کہ غلے پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے خزانچی مقرر تھے، ان سے روایت ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ قحط میں مبتلا ہو گئے۔ ایک صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ (اللہ تعالیٰ سے) اپنی امت کے لیے بارش طلب فرمائیں، کیونکہ وہ (قحط سالی کے باعث) تباہ ہو گئی ہے۔ پھر خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس صحابی کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: عمر کے پاس جا کر میرا سلام کہو اور انہیں بتاؤ کہ تم سیراب کیے جاؤ گے اور عمر سے (یہ بھی) کہہ دو کہ عقلمندی سے کام لیں۔ وہ صحابی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہیں خبر دی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا: اے اللہ! میں کوتاہی نہیں کرتا، مگر یہ

کہ عاجز آ جاؤں۔''

(مصنف ابن أبي شيبة: 356/6، تاريخ ابن أبي خيثمة: 70/2، الرقم: 1818، دلائل النبوة للبيهقي: 47/7، الاستيعاب لابن عبدالبر: 1149/3، تاريخ دمشق لابن عساكر: 345/44، 489/56)

تبصرہ: اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① اس میں (سلیمان بن مہران) الاعمش ''مدلس'' ہیں اور ''عن'' سے روایت کر رہے ہیں، سماع کی تصریح نہیں مل سکی۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا نَقْبَلُ مِنْ مُدَلِّسٍ حَدِيثًا حَتّٰى يَقُولَ فِيهِ: حَدَّثَنِي أَوْ سَمِعْتُ .....

''ہم کسی مدلس سے کوئی بھی حدیث اس وقت تک قبول نہیں کرتے جب تک وہ اس میں سماع کی تصریح نہ کر دے۔'' (الرسالة للإمام الشافعي، ص: 380)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَا يَكُونُ حُجَّةً فِيمَا دَلَّسَ.

''مدلس راوی کی تدلیس والی روایت قابل حجت نہیں ہوتی۔''

(الكامل لابن عدي: 34/1، وسنده حسن)

حافظ سخاوی رحمہ اللہ (831-902ھ) کہتے ہیں:

وَمِمَّنْ ذَهَبَ إِلٰى هٰذَا التَّفْصِيلِ الشَّافِعِيُّ وَابْنُ مَعِينٍ وَابْنُ الْمَدِينِيِّ.

''جو ائمہ کرام اس موقف کے حامل ہیں، ان میں امام شافعی، امام ابن معین اور امام ابن مدینی کے نام شامل ہیں۔'' (فتح المغيث: 182/1)

حافظ علائی (694-761ھ) اسی کو ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَلصَّحِيحُ الَّذِي عَلَيْهِ جُمْهُورُ أَئِمَّةِ الْحَدِيثِ وَالْفِقْهِ وَالْأُصُولِ.

''یہی وہ صحیح مذہب ہے جس پر جمہور ائمہ حدیث وفقہ واصول قائم ہیں۔''

(جامع التحصيل، ص: 111)

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (368-463ھ) فرماتے ہیں:

وَقَالُوا: لَا يُقْبَلُ تَدْلِيسُ الْأَعْمَشِ.

''اہل علم کہتے ہیں کہ اعمش کی تدلیس قبول نہیں ہوتی۔'' (التمهيد: 30/1)

علامہ عینی حنفی (762-855ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ الْأَعْمَشَ مُدَلِّسٌ، وَعَنْعَنَةُ الْمُدَلِّسِ لَا تُعْتَبَرُ إِلَّا إِذَا عُلِمَ سَمَاعُهُ.

''بلاشبہ (سلیمان بن مہران) اعمش مدلس ہیں اور مدلس راوی کی عن والی روایت اسی وقت قابل اعتبار ہوتی ہے جب اس کے سماع کی تصریح مل جائے۔''

(عمدة القاري شرح صحيح البخاري، تحت الحديث: 219)

اس روایت کی صحت کے مدعی پر سماع کی تصریح لازم ہے۔

۲ مالک الدار ''مجہول الحال'' ہے۔سوائے امام ابن حبان رحمہ اللہ (384/5) کے کسی نے اس کی توثیق نہیں کی۔اس کے بارے میں حافظ منذری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا أَعْرِفُهُ. ''میں اسے نہیں جانتا۔'' (الترغيب والترهيب: 29/2)

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: لَمْ أَعْرِفْهُ. ''میں اسے نہیں پہچان سکا۔''

(مجمع الزوائد: 123/3)

اس کے صحابی ہونے پر کوئی دلیل نہیں، لہٰذا بعض بعد والوں کا اسے صحابہ کرام میں ذکر کرنا صحیح نہیں۔

نیز حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (البداية والنهاية: 167/5) اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (الاصابة: 484/3) کا اس روایت کی سند کو ''صحیح'' قرار دینا ان کا علمی تسامح ہے۔ان کی یہ بات اصول حدیث کے مطابق درست نہیں۔صرف حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ کا اسے صحیح کہنا بعض لوگوں کی دلیل نہیں بن سکتا، کیونکہ بہت سی ایسی روایات کو یہ لوگ بھی صحیح تسلیم نہیں کرتے جنہیں ان دونوں حفاظ نے صحیح کہا ہوا ہے اور بہت سی ایسی روایات کو یہ لوگ بھی ضعیف تسلیم نہیں

کرتے جنہیں ان دونوں حفاظ نے ضعیف کہا ہوا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ خود سلیمان بن مہران اعمش کی تدلیس کی مضرت کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَعِنْدِي أَنَّ إِسْنَادَ الْحَدِيثِ الَّذِي صَحَّحَهُ ابْنُ الْقَطَّانِ مَعْلُولٌ، لِأَنَّهُ لَا يَلْزَمُ مِنْ كَوْنِ رِجَالِهِ ثِقَاتٍ أَنْ يَكُونَ صَحِيحًا، لِأَنَّ الْأَعْمَشَ مُدَلِّسٌ، وَلَمْ يَذْكُرْ سَمَاعَهُ مِنْ عَطَاءٍ، وَعَطَاءٌ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ هُوَ عَطَاءٌ الْخُرَاسَانِيُّ، فَيَكُونُ فِيهِ تَدْلِيسُ التَّسْوِيَةِ بِإِسْقَاطِ نَافِعٍ بَيْنَ عَطَاءٍ وَابْنِ عُمَرَ.

''میرے خیال کے مطابق جس حدیث کو ابن القطان نے صحیح کہا ہے، وہ معلول (ضعیف) ہے، کیونکہ راویوں کے ثقہ ہونے سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔ اس میں اعمش مدلس ہیں اور انہوں نے عطاء سے اپنے سماع کا ذکر نہیں کیا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سند میں مذکور عطاء، خراسانی ہوں، یوں اعمش کی تدلیس تسویہ بن جائے گی، کیونکہ اس صورت میں انہوں نے عطاء اور سیدنا ابن عمر کے درمیان نافع کا واسطہ بھی گرا دیا ہے۔''

(التلخيص الحبير: 19/3)

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (368-463ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ: قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: قَالَ سُفْيَانُ وَشُعْبَةُ: لَمْ يَسْمَعِ الْأَعْمَشُ هٰذَا الْحَدِيثَ مِنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، قَالَ أَبُو عُمَرَ: هٰذِهِ شَهَادَةُ عَدْلَيْنِ إِمَامَيْنِ عَلَى الْأَعْمَشِ بِالتَّدْلِيسِ، وَأَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ عَنْ مَنْ لَقِيَهُ بِمَا لَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ، وَرُبَّمَا كَانَ بَيْنَهُمَا رَجُلٌ أَوْ رَجُلَانِ، فَلِمِثْلِ هٰذَا وَشِبْهِهِ قَالَ ابْنُ مَعِينٍ وَغَيْرُهُ فِي الْأَعْمَشِ: إِنَّهُ مُدَلِّسٌ.

''امام علی بن مدینی نے امام یحییٰ بن سعید قطان سے نقل کیا ہے کہ امام شعبہ اور سفیان نے فرمایا کہ اعمش نے یہ حدیث ابراہیم تیمی سے نہیں سنی۔ میں (ابن عبدالبر) کہتا ہوں کہ اعمش کے

مدلس ہونے پر یہ دو عادل اماموں کی گواہی ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمش ان لوگوں سے اَن سنی روایات بیان کرتے تھے، جن سے ان کی ملاقات ہوئی ہوتی تھی۔ بسا اوقات ایسے لوگوں سے اعمش دو واسطے گرا کر بھی روایت کر لیتے تھے۔ اسی طرح کے حقائق کی بنا پر امام ابن معین وغیرہ نے اعمش کو مدلس قرار دیا ہے۔"

(التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد: 1/32)

تنبیہ: تاریخ طبری (4/98) اور حافظ ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ (7/71) میں ہے: حَتّٰى أَقْبَلَ بِلَالُ بْنُ الْحَارِثِ الْمُزَنِيُّ، فَاسْتَأْذَنَ عَلَيْهِ، فَقَالَ: أَنَا رَسُولُ رَسُولِ اللّٰهِ إِلَيْكَ، يَقُولُ لَكَ رَسُولُ اللّٰهِ.

"بلال بن حارث مزنی آئے، انہوں نے اجازت طلب کی اور کہا: میں آپ کی طرف رسول اللہ ﷺ کا ایلچی ہوں۔ اللہ کے رسول ﷺ آپ سے فرماتے ہیں۔۔۔"

یہ روایت بھی جھوٹ کا پلندا ہے، کیونکہ:

① شعیب بن ابراہیم رفاعی کوفی "مجہول" راوی ہے، اس کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَشُعَيْبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ هٰذَا، لَهُ أَحَادِيثُ وَأَخْبَارٌ وَهُوَ لَيْسَ بِذٰلِكَ الْمَعْرُوفِ، وَمِقْدَارُ مَا يَرْوِي مِنَ الْحَدِيثِ وَالْأَخْبَارِ لَيْسَتْ بِالْكَثِيرَةِ، وَفِيهِ بَعْضُ النُّكْرَةِ، لِأَنَّ فِي أَخْبَارِهِ وَأَحَادِيثِهِ مَا فِيهِ تَحَامُلٌ عَلَى السَّلَفِ.

"اس شعیب بن ابراہیم نے کئی احادیث اور روایات بیان کی ہیں۔ یہ فن حدیث میں معروف نہیں۔ اس کی بیان کردہ احادیث و روایات زیادہ نہیں، پھر بھی ان میں کچھ نکارت موجود ہے، کیونکہ ان میں سلف صالحین کی اہانت ہے۔" (الكامل في ضعفاء الرجال: 5/7)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فِيهِ جَهَالَةٌ.

''اس میں جہالت ہے۔'' (میزان الاعتدال:275/2)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَفِي ثِقَاتِ ابْنِ حِبَّانَ (309/8): شُعَيْبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ، يَرْوِي عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبَانَ الْبَلْخِيِّ (الْجُعْفِيِّ)، رَوٰى عَنْهُ يَعْقُوبُ بْنُ سُفْيَانَ، (قُلْتُ: فَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ هُوَ، وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ غَيْرُهُ.

''ثقات ابن حبان میں ہے کہ: شعیب بن ابراہیم کوفی ،محمد بن ابان بلخی سے روایت کرتا ہے اور اس سے یعقوب بن سفیان سے روایت کیا ہے۔ (میں کہتا ہوں) ممکن ہے کہ یہ راوی وہی ہو، لیکن ظاہراً یہ کوئی اور راوی لگتا ہے۔'' (لسان المیزان:145/3)

② سیف بن عمر راوی باتفاقِ محدثین ''ضعیف، متروک، وضاع'' ہے۔اس کی روایت کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں۔

③ اس کا استاذ سہل بن یوسف بن سہل بن مالک انصاری بھی ''مجہول'' ہے۔

اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: مَجْهُولُ الْحَالِ.

''یہ مجہول الحال راوی ہے۔'' (لسان المیزان:122/3)

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ اس کی ایک روایت کو ''موضوع ومنکر'' قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

لَا يُعْرَفُ. ''یہ مجہول الحال راوی ہے۔''

(الاستيعاب في معرفة الأصحاب:667/2)

ثابت ہوا کہ بعض الناس کا یہ کہنا کہ مذکورہ روایت میں خواب دیکھنے والا شخص، صحابئ رسول سیدنا بلال بن حارث مزنی ہے، بالکل بے بنیاد ہے۔

دلیل نمبر ②: عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں:

سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَتَمَثَّلُ بِشِعْرِ أَبِي طَالِبٍ:

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِّلْأَرَامِلِ

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو میں نے ابو طالب کا یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا: وہ گورے رنگ والے، جن کے چہرے کے وسیلے سے بارش طلب کی جاتی ہے، یتیموں کے والی، بیواؤں کے سہارا ہیں۔'' (صحيح البخاري: 1/137، ح: 1008)

وَقَالَ عُمَرُ بْنُ حَمْزَةَ، حَدَّثَنَا سَالِمٌ، عَنْ أَبِيهِ، رُبَّمَا ذَكَرْتُ قَوْلَ الشَّاعِرِ، وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى وَجْهِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَسْقِي، فَمَا يَنْزِلُ حَتّٰى يَجِيشَ كُلُّ مِيزَابٍ.

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِّلْأَرَامِلِ

''عمر بن حمزہ کہتے ہیں کہ سالم بن عبداللہ بن عمر نے اپنے والد سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ کبھی میں شاعر کی اس بات کو یاد کرتا اور ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ کے چہرۂ اقدس کو تکتا کہ آپ کے سفید رنگ کے رُخِ زیبا کے ذریعے بارش طلب کی جاتی ہے، آپ یتیموں کے والی، بیواؤں کے سہارا ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ (منبر سے) اترنے بھی نہ پاتے کہ سارے پرنالے بہنے لگتے۔''

(صحيح البخاري: 1/137، ح: 1009، تعليقاً، سنن ابن ماجه: 1272، مسند الإمام أحمد: 2/93، ح: 5673، السنن الكبرى للبيهقي: 3/352، تغليق التعليق لابن حجر: 2/389، وسنده حسن)

تبصرہ: یہاں سے نبی کریم ﷺ کی دعا کا وسیلہ مراد ہے، جو کہ مشروع اور جائز ہے۔

شارحِ بخاری، علامہ ابن بطال رحمہ اللہ (م: 449ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قَوْلُ عُمَرَ: اَللّٰهُمَّ! إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا، وَهُوَ مَعْنٰى قَوْلِ أَبِي طَالِبٍ:

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ......

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! ہم تیری طرف تیرے نبی (کی دعا) کا وسیلہ

لاتے تھے۔ابوطالب کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے کہ وہ سفید رنگ والے جن کے چہرے کے ذریعے بارش طلب کی جاتی ہے۔۔۔''(شرح صحیح البخاري:3/9)

یعنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث اور اس حدیث کا معنی و مفہوم ایک ہی ہے۔ہم ثابت کر چکے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں وسیلے سے مراد دعا والا وسیلہ ہی ہے،لہٰذا اس حدیث سے بھی بالکل یہی مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔اس پر مستزاد یہ کہ اس روایت میں واضح الفاظ موجود ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار سے دعا کرتے رہتے اور جب تک بارش شروع نہ ہو جاتی،دعا ختم نہ فرماتے۔بھلا اس سے ذات کا وسیلہ کیسے ثابت ہوا؟

شارحِ بخاری،حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) لکھتے ہیں:

وَأَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَشَارَ إِلٰی قِصَّةٍ وَّقَعَتْ فِي الْإِسْلَامِ حَضَرَهَا هُوَ، لَا مُجَرَّدُ مَا دَلَّ عَلَيْهِ شِعْرُ أَبِي طَالِبٍ، وَقَدْ عُلِمَ مِنْ بَقِيَّةِ الْأَحَادِيثِ أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا اسْتَسْقٰى إِجَابَةً لِّسُؤَالِ مَنْ سَأَلَهُ فِي ذٰلِكَ.

''اس حدیث میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا دورِ اسلام میں انہوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا۔انہوں نے صرف ابوطالب کے شعر کے مفہوم پر اعتماد کرتے ہوئے یہ بات نہیں کہہ دی۔باقی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کے لیے یہ دعا کچھ لوگوں کے مطالبے پر فرمائی تھی۔''(فتح الباري:2/495)

علامہ محمد بشیر سہسوانی ہندی رحمہ اللہ (1252-1326ھ) فرماتے ہیں:

وَلَمْ يَرِدْ فِي حَدِيثٍ ضَعِيفٍ، فَضْلًا عَنِ الْحَسَنِ أَوِ الصَّحِيحِ، أَنَّ النَّاسَ طَلَبُوا السُّقْيَا مِنَ اللّٰهِ فِي حَيَاتِهِ مُتَوَسِّلِينَ بِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَّفْعَلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يُفْعَلُ فِي الِاسْتِسْقَاءِ الْمَشْرُوعِ، مِنْ طَلَبِ السُّقْيَا وَالدُّعَاءِ وَالصَّلَاةِ وَغَيْرِهِمَا، مِمَّا ثَبَتَ بِالْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ، وَمَنْ يَّدَّعِي وُرُودَهُ فَعَلَيْهِ

الْإِثْبَاتِ.

''کسی حسن یا صحیح حدیث میں تو کجا، کسی ضعیف حدیث میں بھی یہ بات مذکور نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں لوگوں نے آپ ﷺ کا وسیلہ اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کی ہو اور آپ ﷺ نے صحیح احادیث سے ثابت بارش طلب کرنے کے مشروع طریقے، یعنی دعا اور نماز وغیرہ کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کیا ہو۔ جو شخص ایسا دعویٰ کرتا ہے، اس کی دلیل اسی کے ذمے ہے۔'' (صيانة الإنسان عن وسوسة الشيخ دحلان، ص:213)

تنبیہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے مذکورہ شعر پڑھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت ایک فیصلہ فرما رہے تھے۔ آپ نے یہ شعر سن کر فرمایا: اللہ کی قسم! اس سے مراد نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ (مسند الإمام أحمد:1/7، مصنف ابن أبي شيبة:12/20، طبقات ابن سعد:3/198، مسند أبي بكر للمروزي:1/91)

لیکن اس کی سند ''ضعیف'' ہے کیونکہ اس کا راوی علی بن زید بن جدعان جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔ نیز یہ ''مختلط'' بھی ہے۔ حافظ ہیثمی (م:807ھ) کہتے ہیں:

وَضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

''اسے جمہور نے ضعیف کہا ہے۔'' (مجمع الزوائد:8/206، 209)

حافظ ابن عراقی رحمہ اللہ (762-826ھ) بھی کہتے ہیں:

ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ. (طرح التثريب:1/82)

علامہ بوصیری (م:840ھ) لکھتے ہیں: وَالْجُمْهُورُ عَلٰى تَضْعِيفِهِ.

''جمہور محدثین کرام اسے ضعیف کہتے ہیں۔'' (مصباح الزجاجة:84)

حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (م:826ھ) کہتے ہیں:

وَادَّعٰى عَبْدُ الْحَقِّ أَنَّ الْأَكْثَرَ عَلٰى تَضْعِيفِ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ.

''اور عبدالحق نے دعویٰ کیا ہے کہ اکثر محدثین علی بن زید کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔''

(البدر المنیر:4/434)

ابوالحسن ابراہیم بن عمر بقاعی رحمہ اللہ (م885ھ) فرماتے ہیں: ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

''اسے جمہور محدثین نے ضعیف کہا ہے۔'' (نظم الدّرر في تناسب الآیات والسور:12/181)

علی بن زید بن جدعان کو امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین، امام ابن عدی (الکامل: 4/413)، امام ابوحاتم رازی اور ابوزرعہ رازی (الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم: 6/187) رحمہم اللہ وغیرہم نے ''ضعیف، لیس بالقوی'' کہا ہے۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ضعیف'' ہی قرار دیا ہے۔ (تقریب التهذیب:4734)

دلیل نمبر③: امیہ بن عبداللہ بن خالد بن اسید بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِيكِ الْمُهَاجِرِينَ.

''رسولِ اکرم ﷺ تنگدست مہاجرین کے وسیلے سے فتح کی دعا کیا کرتے تھے۔''

(المعجم الکبیر للطبراني:1/292)

تبصرہ: اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① اس کی سند متصل نہیں۔ امیہ بن عبد اللہ تابعی ہے اور ڈائریکٹ رسولِ اکرم ﷺ سے بیان کر رہا ہے، جیسا کہ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

لَا تَصِحُّ عِنْدِي صُحْبَتُهُ، وَالْحَدِيثُ مُرْسَلٌ.

''میرے نزدیک اس کا صحابی ہونا ثابت نہیں، لہٰذا یہ روایت مرسل (منقطع) ہے۔'' (الاستیعاب في معرفة الأصحاب:1/38)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَيْسَتْ لَهُ صُحْبَةٌ وَلَا رِوَايَةٌ.

''اس نے رسولِ اکرم ﷺ سے ملاقات اور روایت نہیں کی۔'' (الإصابة:1/133)

امام ترمذی رحمہ اللہ (200-279ھ) فرماتے ہیں:

وَالْحَدِيثُ إِذَا كَانَ مُرْسَلًا، فَإِنَّهُ لَا يَصِحُّ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْحَدِيثِ، قَدْ ضَعَّفَهُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ.

''مرسل حدیث اکثر محدثین کرام کے نزدیک صحیح نہیں ہوتی۔ بہت سے محدثین نے مرسل کو ضعیف قرار دیا ہے۔'' (العلل الصغير في آخر الجامع، ص:896، 897، طبع دار السلام)

② اس میں ابواسحاق سبیعی کی ''تدلیس'' بھی موجود ہے۔ سماع کی تصریح نہ مل سکنے کی بنا پر یہ روایت ''مدلس'' بھی ہے، لہٰذا یہ دو وجہوں سے ''ضعیف'' ہے۔

دلیل نمبر④: سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((أَبْغُونِي فِي ضُعَفَاءِكُمْ، فَإِنَّكُمْ إِنَّمَا تُرْزَقُونَ وَتُنْصَرُونَ بِضُعَفَائِكُمْ))

''مجھے اپنے کمزور لوگوں میں تلاش کرو۔ بلاشبہ تمہیں اپنے کمزوروں کی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے اور ان ہی کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے۔''

(مسند الإمام أحمد:5/198، سنن أبي داؤد:2594، سنن النسائي:3181، سنن الترمذي:1702، وسنده صحيح)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''حسن صحیح''، امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے ''صحیح'' اور امام حاکم رحمہ اللہ (104/2، 105) نے ''صحیح الاسناد'' کہا ہے۔

تبصرہ: معاشرہ کے کمزور اور نادار لوگ جو صالحین ہوں، ان کی نیکی اور دعا کی وجہ سے معاشرہ میں آسودگی آتی ہے، ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((إِنَّمَا يَنْصُرُ اللّٰهُ هٰذِهِ الْأُمَّةَ بِضَعِيفِهَا، بِدَعْوَتِهِمْ وَصَلَاتِهِمْ وَإِخْلَاصِهِمْ))

''اللہ تعالیٰ اس امت کی مدد ان کمزور لوگوں کی دعا، نماز اور ان کے اخلاص کی وجہ سے کرتا

ہے۔" (سنن النسائي: 3180، حلية الأولياء لأبي نعيم الأصبهاني: 26/5، وسنده صحيح)

اس روایت گزشتہ "ضعیف" روایت کا معنیٰ بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ اتنی وضاحت کے بعد بھی اگر کوئی شخص اس حدیث سے فوت شدگان کا توسّل ثابت کرے تو اس کا یہ عمل دیانتِ علمی کے خلاف ہے۔ اس سے فوت شدگان کے توسّل کا جواز ثابت کرنا شرعی نصوص کی تحریف ہے۔ اس سے تو زندہ لوگوں کی دعا کا وسیلہ ثابت ہوتا ہے اور اسے اہل سنت والجماعت اہل الحدیث جائز اور مشروع ہی سمجھتے ہیں۔

دلیل نمبر ⑤: نبی کریم ﷺ طائف سے واپسی پر جعرّانہ تشریف لائے۔ اس وقت قبیلہ ہوازن کے بچوں اور عورتوں میں سے چھ ہزار قیدی آپ کے ہمراہ تھے۔ اونٹوں اور بکریوں کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔ ہوازن کا ایک وفد مشرف بہ اسلام ہو کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے درخواست کی کہ ہم پر احسان فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: قیدیوں اور اموال میں سے ایک چیز پسند کر لو۔ انہوں نے عرض کیا: ہمیں قیدی محبوب ہیں۔ آپ نے فرمایا: جو قیدی میرے ہیں یا بنو عبدالمطلب کے ہیں، وہ تمہارے ہیں۔ باقی جو تقسیم ہو چکے ہیں، ان کے لیے یہ طریقہ اختیار کرو:

وَإِذَا مَا أَنَا صَلَّيْتُ الظُّهْرَ بِالنَّاسِ فَقُومُوا، فَقُولُوا: إِنَّا نَسْتَشْفِعُ بِرَسُولِ اللهِ إِلَى الْمُسْلِمِينَ، وَبِالْمُسْلِمِينَ إِلَى رَسُولِ اللهِ فِي أَبْنَائِنَا وَنِسَائِنَا، فَسَأُعْطِيكُمْ عِنْدَ ذٰلِكَ وَأَسْأَلُ لَكُمْ.

"جب میں لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھا دوں تو تم کھڑے ہو کر کہنا: ہم اللہ کے رسول ﷺ سے درخواست کرتے ہیں کہ مسلمانوں سے ہماری شفاعت (سفارش) فرمائیں اور مسلمان ہماری شفاعت رسول اللہ ﷺ سے کریں، ہمارے بیٹوں اور عورتوں کے حق میں، تو میں تمہیں اس وقت عطا کر دوں گا اور تمہاری سفارش کروں گا۔"

انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اکثر صحابہ نے عرض کی: جو کچھ ہمارے پاس ہے، وہ آپ کا ہے۔ باقی صحابہ سے آپ نے وعدہ فرمایا کہ ہر قیدی کے بدلے مالِ غنیمت سے چھ اونٹنیاں دی جائیں گی۔ اس طرح ہوازن کو تمام قیدی واپس مل گئے۔

(سيرة ابن هشام مع الروض الأنف: 2/306، وسندهٔ حسنٌ)

تبصرہ: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ زندہ انسان سے سفارش کروائی جا سکتی ہے، سو اس سے اہل سنت والجماعت انکاری نہیں۔ اس سے فوت شدگان کی شخصیات کا توسّل کیسے ثابت ہوا؟ یہ تو ہماری دلیل ہے جو نادان دوست خود ہی پیش کیے جاتے ہیں۔

دلیل نمبر ⑥: سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا صحابی، نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور عرض گزار ہوئے: آقا! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے شفا دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر آپ چاہیں تو دعا کر دیتا ہوں اور اگر چاہیں تو صبر کر لیں، وہ آپ کے لیے بہتر ہوگا۔ انہوں نے عرض کیا: آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا ہی کر دیں۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں اچھی طرح سنوار کر وضو کرنے اور پھر دو رکعتیں پڑھ کر یہ دعا کرنے کا حکم دیا:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْئَلُکَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْکَ بِنَبِيِّي مُحَمَّدٍ نَّبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ! إِنِّي أَتَوَجَّهُ إِلٰى رَبِّي بِکَ أَنْ يَّکْشِفَ لِي عَنْ بَصَرِي، اَللّٰهُمَّ! شَفِّعْهُ فِيَّ وَشَفِّعْنِي فِي نَفْسِي»

''اے اللہ! بے شک میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ میں اپنے نبیِ رحمت محمد ﷺ کو تیری طرف (دعا کے لیے) متوجہ کرتا ہوں۔ اے محمد (ﷺ)! میں آپ کو اپنے رب کی طرف (دعا کے لیے) متوجہ کرتا ہوں کہ وہ میری نظر لوٹا دے۔ اے اللہ! تو میرے بارے میں اپنے نبی کی اور میری اپنی سفارش قبول فرما۔ جب وہ واپس لوٹے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹا دی تھی۔''

(مسند الإمام أحمد: 4/136، سنن الترمذي: 3578، عمل اليوم والليلة للنسائي: 659، واللفظ لہ،
سنن ابن ماجه: 1385، مسند عبد بن حميد: 379، وسندۂ حسن)

تبصرہ: اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن صحیح غریب'' اور امام ابنِ خزیمہ (1219) نے ''صحیح'' کہا ہے۔ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابو اسحاق نے کہا ہے کہ یہ حدیث ''صحیح'' ہے۔ امام حاکم (1 / 313) نے اس حدیث کو ''صحیح علی شرط الشیخین'' قرار دیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ (دلائل النبوۃ: 6/167) نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔

بعض لوگوں نے اس حدیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے وسیلہ کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا یہ استدلال باطل، بلکہ ابطل الاباطیل ہے کیونکہ حدیث میں مذکور ہے کہ اس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کی تھی۔ جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر آپ چاہیں تو میں دعا کر دیتا ہے، اگر دعا نہ کرائیں اور بیماری پر صبر کریں تو بہتر ہے، لیکن صحابی مذکور نے آپ کی دعا کو ترجیح دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا وسفارش فرما دی۔ اس کو اچھی طرح وضو کرنے کا حکم دیا، پھر دو رکعت نماز ادا کرنے کو کہا اور انہیں دعا کے الفاظ بھی سکھا دیئے، انہوں نے ان الفاظ کے ساتھ اپنے حق میں دعا بھی کر دی اور کہا:

''اے اللہ! تو میرے بارے میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور خود میری دعا وسفارش قبول فرما۔''

اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے وسیلہ کا ذکر تک نہیں بلکہ آپ کی حیاتِ طیبہ میں آپ کی دعا وسفارش کا وسیلہ پیش کرنے کا ذکر ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَحَدِيثُ الْأَعْمٰى لَا حُجَّةَ لَهُمْ فِيهِ، فَإِنَّهُ صَرِيحٌ فِي أَنَّهُ إِنَّمَا تَوَسَّلَ بِدُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَفَاعَتِهِ.

''نابینا صحابی والی حدیث میں ان لوگوں کی کوئی دلیل نہیں، کیونکہ اس میں یہ بات بڑی

واضح ہے کہ صحابی نے نبی اکرم ﷺ کی دعا اور سفارش کا وسیلہ اختیار کیا تھا۔"

(قاعدة جليلة في التوسل والوسيلة، ص:64)

نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں یا وفات کے بعد کسی صحابی یا تابعی سے آپ کی ذات کا وسیلہ پیش کرنا قطعاً ثابت نہیں۔ اس طرح کے کام کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اس عمل پر کتاب وسنت سے دلیل پیش کریں۔

فائدہ: ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نابینا صحابی کو یہ دعا سکھائی:

((اَللّٰهُمَّ! فَشَفِّعْنِي فِي نَفْسِي، وَشَفِّعْ نَبِيِّي فِي رَدِّ بَصَرِي))

"اے اللہ! میری بصارت واپس کرنے کے حوالے سے میری اور میرے نبی کی سفارش قبول فرمالے۔"

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: وَإِنْ كَانَتْ حَاجَةٌ، فَافْعَلْ مِثْلَ ذٰلِكَ.

"اگر کوئی اور حاجت ہو تو اسی طرح کریں۔" (تاريخ ابن أبي خيثمة (قاعدة جليلة في التوسل والوسيلة لابن تيمية، ص:102)، مسند الإمام أحمد: 4/138، مختصرا، وسنده حسن)

یہ روایت بالکل صریح ہے کہ نابینا صحابی کو نبی اکرم ﷺ نے اپنی دعا وسفارش کا وسیلہ اختیار کرنے کی ہدایت کی تھی، نہ کہ اپنی ذات کا۔ مراد یہ تھی کہ اگر کوئی اور پریشانی ہو تو میرے پاس آئیں اور دعا کرانے کے بعد اللہ تعالیٰ کو میری دعا کا وسیلہ دیں۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمالے گا۔ یہ سلسلہ نبی اکرم ﷺ کی زندگی تک محدود تھا، کیونکہ آپ زندگی میں ہی حاجت مندوں کے لیے دعا فرماتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ کو آپ کا وسیلہ پیش نہیں کیا۔

دلیل نمبر ⑦: ایک شخص سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی ضرورت میں آیا کرتا تھا اور عثمان رضی اللہ عنہ (مشغولیت کی وجہ سے) اس کی طرف متوجہ نہ ہوتے اور اس کی ضرورت میں غور نہ فرماتے۔ وہ سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے شکایت کی۔ سیدنا

عثان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: لوٹا لاؤ، وضو کرو، پھر مسجد جا کر دو رکعت نماز پڑھو، پھر کہو:

اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْئَلُکَ، وَأَتَوَجَّهُ إِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، یَامُحَمَّدُ! إِنِّي أَتَوَجَّهُ إِلٰی رَبِّي، فَیَقْضِي حَاجَتِي.

(اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور اپنے نبی رحمت محمد ﷺ کو تیری طرف متوجہ کرتا ہوں۔ اے محمد (ﷺ)! میں آپ کو اپنے رب کی طرف (دعا کے لیے) متوجہ کرتا ہوں کہ وہ میری ضرورت کو پورا کر دے)۔ پھر اپنی ضرورت کو اللہ کے سامنے رکھ دو، پھر میرے پاس آجاؤ تا کہ میں تمہارے ساتھ چلوں۔ اس شخص کی ضرورت پوری ہوئی۔ سیدنا عثان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہی دعا ایک نابینا کو نبی کریم ﷺ نے سکھائی تو اس کی بینائی لوٹ آئی۔

(التاریخ الکبیر للبخاري: 210/6، العلل لابن أبي حاتم الرازي: 190/2، المعجم الکبیر للطبراني: 31،30/9، ح: 8311، المعجم الصغیر للطبراني: 183/1، 184، الدعاء للطبراني: 1287/2، 1288، ح: 1050، معرفة الصحابة لأبي نعیم الأصبهاني: 1959/4، 1960، ح: 4928)

تبصرہ: اس کی سند "ضعیف" ہے، کیونکہ عبداللہ بن وہب مصری یہ روایت اپنے استاذ شبیب بن سعید الحبطی (ثقہ) سے کر رہے ہیں اور خود شبیب بن سعید اپنے استاذ روح بن القاسم سے روایت کر رہے ہیں۔ امام الجرح والتعدیل ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَلِشَبِیبِ بْنِ سَعِیدٍ، نُسْخَةُ الزُّهْرِيِّ عِنْدَهُ، عَنْ یُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ، وَهِيَ أَحَادِیثُ مُسْتَقِیمَةٌ، وَحَدَّثَ عَنْهُ ابْنُ وَهْبٍ بِأَحَادِیثَ مَنَاکِیرَ.

"شبیب کے پاس امام زہری رحمہ اللہ کی روایات پر مشتمل ایک نسخہ ہے جو وہ یونس کے واسطے سے زہری سے بیان کرتے ہیں اور وہ مستقیم احادیث ہیں۔ تاہم ابن وہب نے اس سے منکر احادیث بیان کی ہیں۔" (الکامل لابن عدي: 31/4)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا بَأْسَ بِحَدِيثِهِ مِنْ رِوَايَةِ ابْنِهِ أَحْمَدَ عَنْهُ، لَا مِنْ رِوَايَةِ ابْنِ وَهْبٍ.

''اس کی جو روایات اس کے بیٹے سے مروی ہیں، ان میں کوئی خرابی نہیں، البتہ ابن وہب سے اس کی جو روایات مروی ہیں، ان میں خرابی ہے۔'' (تقریب التهذیب: 2739)

نیز فرماتے ہیں:

وَرَوٰى عَنْهُ ابْنُ وَهْبٍ أَحَادِيثَ مَنَاكِيرَ، فَكَأَنَّهُ لَمَّا قَدِمَ مِصْرَ، حَدَّثَ مِنْ حِفْظِهٖ، فَغَلِطَ.

''اس سے ابن وہب نے منکر احادیث بیان کی ہیں، گویا کہ جب یہ مصر آیا تو اس نے اپنے حافظے سے روایات بیان کیں اور غلطیاں کیں۔'' (ھُدی الساري، ص: 409)

یہ روایت بھی شبیب بن سعید سے عبداللہ بن وہب مصری بیان کر رہے ہیں۔ یہ جرح مُفسّر ہے، لہٰذا یہ روایت ''ضعیف'' اور ''منکر'' ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ شبیب بن سعید جب مصر میں گیا تو وہاں اس نے اپنے حافظہ سے احادیث بیان کیں، جن میں سے وہ غلطی اور وہم کا شکار ہو گیا۔

اعتراض: شبیب بن سعید ابو سعید المصری کی روایت صحیح بخاری میں بھی ہے۔

جواب: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) لکھتے ہیں:

أَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ مِنْ رِوَايَةِ ابْنِهٖ (أَحْمَدَ) عَنْ يُونُسَ (بْنِ يَزِيدَ الْأَيْلِيِّ) أَحَادِيثَ، لَمْ يُخَرِّجْ مِنْ رِوَايَتِهٖ عَنْ غَيْرِ يُونُسَ، وَلَا مِنْ رِوَايَةِ ابْنِ وَهْبٍ عَنْهُ شَيْئًا...

''امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کے بیٹے سے وہ روایات لی ہیں جو وہ اپنے والد سے یونس بن یزید ایلی کے واسطے سے بیان کرتا ہے۔ امام صاحب نے شبیب کی وہ روایات بیان نہیں کیں جو

وہ یونس کے علاوہ کسی اور سے بیان کرتا ہے، نہ ہی ابنِ وہب سے ان کی کوئی روایت بخاری میں ہے۔'' (هُدَى السارِي، ص:409)

حاصل کلام یہ ہے کہ شبیب بن سعید سے ان کے شاگرد عبداللہ بن وہب مصری بیان کریں تو روایت ''منکر'' اور ''ضعیف'' ہوتی ہے۔ زیر بحث روایت بھی عبداللہ بن وہب المصری بیان کر رہے ہیں، اس لیے یہ ''منکر'' اور ''ضعیف'' ہے، لہٰذا امام طبرانی رحمہ اللہ کا اس کو ''صحیح'' کہنا صحیح نہ ہوا۔

تنبیہ ①: عون بن عمارہ بصری نے شبیب بن سعید کی متابعت کر رکھی ہے۔

(المستدرک للحاکم:1/526، معرفة الصحابة لأبي نعيم الأصبهاني:4929)

لیکن عون بن عمارہ بصری خود ''ضعیف'' راوی ہے۔

(تقريب التهذيب لابن حجر:5224)

لہٰذا یہ متابعت مفید نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ عون بن عمارہ والی روایت میں زیر بحث الفاظ بھی موجود نہیں۔

تنبیہ ②: دلائل النبوۃ بیہقی (6 / 167) میں عبداللہ بن وہب مصری کی متابعت احمد بن شبیب نے کر رکھی ہے لیکن اس کی سند میں ابومحمد بن عبدالعزیز بن عبدالرحمن ریالی نامی راوی موجود ہے جس کے حالات نہیں مل سکے۔ لہٰذا یہ متابعت مفید نہیں۔ اسی طرح دلائل النبوۃ بیہقی (6 / 167) کی ایک اور روایت میں اسماعیل بن شبیب کی متابعت موجود ہے لیکن وہ خود ''مجہول'' ہے۔ یوں یہ متابعت بھی کسی کام کی نہیں۔

دلیل نمبر ⑧: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی اطلاع ملی تو روتے ہوئے آئے اور چہرۂ انور سے کپڑا اٹھا کر عرض کیا:

وَلَوْلَا أَنَّ مَوْتَکَ کَانَ اخْتِیَارًا مِّنْکَ، لَجُدْنَا لِحُزْنِکَ بِالنُّفُوسِ، اذْکُرْنَا یَا

مُحَمَّدُ! عِنْدَ رَبِّكَ، وَلْنَكُنْ مِنْ بَالِكَ.

''(اے اللہ کے رسول!) اگر آپ کی موت آپ کی اپنی صوابدید پر واقع نہ ہوئی ہوتی تو ہم آپ کی جدائی کے غم میں اپنی جانیں کھو دیتے۔ اے محمد (ﷺ)! ہمیں اپنے ربّ کے ہاں یاد کیجیے گا اور ہمارا خیال رکھیے گا۔'' (تخریج أحادیث الإحیاء للعراقي: 1855/1)

ہم اس کی سند پر مطلع نہیں ہو سکے، البتہ حافظ عراقی نے اس کو امام ابن ابی الدنیا کی کتاب ''العزاء'' کی طرف منسوب کر کے اس کی سند کو ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

امام یحییٰ بن سعید قطان رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

أُنْظُرُوا إِلَى الْإِسْنَادِ، فَإِنْ صَحَّ الْإِسْنَادُ، وَإِلَّا فَلَا تَغْتَرَّ بِالْحَدِيثِ إِذَا لَمْ يَصِحَّ الْإِسْنَادُ.

''تم سند کو دیکھو۔ اگر سند صحیح ہو بہتر، بصورت دیگر حدیث کو دیکھ کر خوش نہیں ہونا چاہیے۔''

(الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع للخطیب البغدادي: 102/2، رقم: 1301، وسندهٔ صحیحٌ)

دلیل نمبر ⑨: سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّةُ أَحَدِكُمْ بِأَرْضٍ فَلَاةٍ فَلْيُنَادِ: يَا عِبَادَ اللّٰهِ! احْبِسُوا عَلَيَّ، يَا عِبَادَ اللّٰهِ! احْبِسُوا عَلَيَّ، فَإِنَّ لِلّٰهِ فِي الْأَرْضِ حَاضِرًا، سَيَحْبِسُهُ عَلَيْكُمْ.

''جب تم میں سے کسی کی سواری جنگل بیابان میں چھوٹ جائے تو اس شخص کو یوں پکارنا چاہیے: اے اللہ کے بندو! میری سواری کو پکڑا دو، اے اللہ کے بندو! میری سواری کو پکڑا دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندے (فرشتے) اس زمین میں ہوتے ہیں، وہ تمہیں (تمہاری سواری) پکڑا دیں گے۔'' (المعجم الکبیر للطبراني: 217/10، ح: 10518، واللفظ لهٗ، مسند أبي یعلی: 177/9، ح: 5269، عمل الیوم واللیلة لابن السني: 509)

تبصرہ: اس کی سند کئی وجوہ سے سخت ترین ''ضعیف'' ہے:

① معروف بن حسان ''غیر معروف'' اور ''مجہول'' ہے، امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ نے اسے ''مجہول'' قرار دیا ہے۔ (الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم: 323/8)

امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اس راوی کو ''منکر الحدیث'' کہا ہے۔ (الکامل في ضعفاء الرجال: 325/6)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔ (مجمع الزوائد: 132/10)

اس کی توثیق میں ادنیٰ کلمہ بھی ثابت نہیں۔

② اس میں قتادہ بن دعامہ تابعی ''مدلس'' ہیں جو کہ ''عن'' سے بیان کر رہے ہیں، سماع کی تصریح ثابت نہیں۔

ان کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ (673-748ھ) فرماتے ہیں:

وَهُوَ حُجَّةٌ بِالْإِجْمَاعِ إِذَا بَيَّنَ السَّمَاعَ، فَإِنَّهُ مُدَلِّسٌ مَعْرُوفٌ بِذٰلِكَ.

''قتادہ جب سماع کی صراحت کریں تو بالاجماع حجت ہیں۔ وہ معروف مدلس ہیں۔'' (سير أعلام النبلاء: 270/5)

③ سعید بن ابی عروبہ بھی ''مدلس'' اور ''مختلط'' ہیں۔

④ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حَدِيثٌ غَرِيبٌ أَخْرَجَهُ ابْنُ السُّنِّيِّ وَالطَّبَرَانِيُّ، وَفِي السَّنَدِ انْقِطَاعٌ بَيْنَ ابْنِ بُرَيْدَةَ وَابْنِ مَسْعُودٍ.

''یہ غریب حدیث ہے جسے ابن السنی اور طبرانی نے بیان کیا ہے، اس کی سند میں ابنِ بریدہ اور سیدنا ابنِ مسعود کے درمیان انقطاع ہے۔'' (شرح الاذکار لابن علان: 150/5)

ابن السنی کی سند میں ابنِ بریدہ اور سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان عَنْ أَبِيهِ کا واسطہ ہے، یہ ناسخ کی غلطی ہے، کیونکہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اس سند کو ''منقطع'' قرار دیا ہے، دوسری

بات یہ ہے کہ یہی سند ابویعلیٰ کی بھی ہے، لیکن مسند ابی یعلی میں بھی یہ واسطہ مذکور نہیں، لہٰذا اس کا ''منقطع'' ہونا واضح ہے۔

علامہ بوصیری اس کے بارے میں کہتے ہیں:

وَسَنَدُہٗ ضَعِیفٌ لِّضُعْفِ مَعْرُوفِ ابْنِ حَسَّانٍ.

''اس کی سند معروف بن حسان کے ضعیف ہونے کی بنا پر ضعیف ہے۔''

(اتحاف الخیرۃ المہرۃ:7/500)

حافظ سخاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَسَنَدُہٗ ضَعِیفٌ، لٰکِنْ قَالَ النَّوَوِيُّ: إِنَّہٗ جَرَّبَہٗ ھُوَ وَبَعْضُ أَکَابِرِ شُیُوخِہٖ.

''اس کی سند تو ضعیف ہے، لیکن حافظ نووی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ انہوں نے اور ان کے بعض اکابر شیوخ نے اس کا تجربہ کیا ہے۔'' (الابتہاج بأذکار المسافر والحاج للسخاوی، ص:39)

اس کے تعاقب میں ناصر السنۃ، محدث العصر، علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اَلْعِبَادَاتُ لَا تُؤْخَذُ مِنَ التَّجَارِبِ، سِیَّمَا مَا کَانَ مِنْھَا فِي أَمْرٍ غَیْبِيٍّ کَھٰذَا الْحَدِیثِ، فَلَا یَجُوزُ الْمَیْلُ إِلٰی تَصْحِیحِہٖ، کَیْفَ وَقَدْ تَمَسَّکَ بِہٖ بَعْضُھُمْ فِي جَوَازِ الْاِسْتِغَاثَۃِ بِالْمَوْتٰی عِنْدَ الشَّدَائِدِ، وَھُوَ شِرْکٌ خَالِصٌ، وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ!

''عبادات تجربوں سے اخذ نہیں کی جا سکتیں، خصوصاً ایسی عبادات جو کسی غیبی امر کے بارے میں ہوں، جیسا کہ یہ حدیث ہے، لہٰذا تجربے کو بنیاد بنا کر اس کو صحیح قرار دینے کی طرف میلان ظاہر کرنا جائز نہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے، جبکہ بعض لوگوں نے اس سے مصیبتوں کے وقت مردوں سے مدد مانگنے پر بھی استدلال کیا ہے۔ یہ خالص شرک ہے، اللہ محفوظ فرمائے!''

(سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ:2/108، 109، ح:655)

مذکورہ روایت کا ایک شاہد بھی ہے۔ اس میں ابان بن صالح بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا نَفَرَتْ دَابَّةُ أَحَدِكُمْ أَوْ بَعِيرُهُ بِفَلَاةٍ مِّنَ الْأَرْضِ، لَا يَرَى بِهَا أَحَدٌ، فَلْيَقُلْ: أَعِينُونِي عِبَادَ اللهِ! فَإِنَّهُ يُسْتَعَانُ.

''جب تم میں سے کسی کا جانور یا اونٹ صحرا میں بھاگ جائے اور وہ دکھائی نہ دے پا رہا ہو تو اس شخص کو کہنا چاہیے: اے اللہ بندو! میری مدد کرو۔ یوں اس کی مدد کی جائے گی۔''

(مصنف ابن أبي شيبة: 132/7)

لیکن اس کی سند بھی ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① یہ منقطع بلکہ ''معضل'' (سخت منقطع) روایت ہے۔ ایسی روایت قابل اعتبار نہیں ہوتی۔

② محمد بن اسحاق راوی ''مدلس'' ہے، سماع کی تصریح نہیں مل سکی۔

تنبیہ: مصنف ابن ابی شیبہ (103/6) کی سند میں محمد بن اسحاق ''مدلس'' ہیں، سماع کی تصریح کہیں نہیں مل سکی۔ نیز ابان بن صالح صغار تابعین میں سے ہیں اور ڈائریکٹ نبی اکرم ﷺ سے بیان کر رہے ہیں، لہٰذا یہ سند ''مرسل'' ہونے کی بنا پر بھی ''ضعیف'' ہے۔

دلیل نمبر ⑩: عتبہ بن غزوان نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا أَضَلَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا أَوْ أَرَادَ أَحَدُكُمْ عَوْنًا، وَهُوَ بِأَرْضٍ لَيْسَ بِهَا أَنِيسٌ، فَلْيَقُلْ: يَا عِبَادَ اللهِ أَغِيثُونِي، يَا عِبَادَ اللهِ أَغِيثُونِي، فَإِنَّ لِلّٰهِ عِبَادًا لَا نَرَاهُمْ، وَقَدْ جُرِّبَ ذٰلِكَ.

''جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا تم میں سے کسی کو مدد چاہیے ہو اور وہ ایسی جگہ میں ہو جہاں اس کا کوئی مددگار نہ ہو، تو اسے یہ کہنا چاہیے: اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جنہیں ہم دیکھ نہیں سکتے اور یہ تجربہ

شدہ بات ہے۔'' (المعجم الکبیر للطبرانی: 17/ 117,118)

تبصرہ: یہ روایت ''ضعیف'' ہے۔ کیونکہ:

① حافظ ہیثمی لکھتے ہیں: إِنَّ زَيْدَ بْنَ عَلِيٍّ لَمْ يُدْرِكْ عُتْبَةَ.

''یقیناً زید بن علی نے عتبہ کا زمانہ نہیں پایا۔'' (مجمع الزوائد: 10/ 132)

✿ حافظ مناوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: سَنَدُهُ مُنْقَطِعٌ.

''اس کی سند منقطع ہے۔'' (فیض القدیر: 1/ 307)

② اس کی سند میں شریک بن عبد اللہ قاضی کی ''تدلیس'' اور اس کا ''اختلاط'' بھی ہے۔ ان کے بیٹے عبد الرحمن بن شریک کا ان سے ''اختلاط'' سے پہلے احادیث روایت کرنا ثابت نہیں۔

تنبیہ: مذکورہ دونوں احادیث بلحاظ سند ''ضعیف'' ہیں۔ البتہ اگر ان میں مذکور ''عباد اللہ'' سے مراد فرشتے لیے جائیں تو صحیح حدیث سے ان کی تائید ہو جائے گی، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ سِوَى الْحَفَظَةِ، يَكْتُبُونَ مَا سَقَطَ مِنْ وَرَقِ الشَّجَرِ، فَإِذَا أَصَابَ أَحَدَكُمْ عَرْجَةٌ بِأَرْضِ فَلَاةٍ، فَلْيُنَادِ: أَعِينُوا عِبَادَ اللّٰهِ.

''زمین میں حفاظت والے فرشتوں کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہوتے ہیں جو درختوں کے گرنے والے پتوں کو لکھتے ہیں۔ جب تم میں سے کسی کو ویرانے میں چلتے ہوئے پاؤں میں موچ آ جائے تو وہ کہے: اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔''

(کشف الأستار عن زوائد البزار: 1/ 3128، وسندہٗ حسنٌ)

علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: رِجَالُهُ ثِقَاتٌ. ''اس کے سارے راوی ثقہ ہیں۔''

(مجمع الزوائد: 10/ 32)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذا حَدِيثٌ حَسَنُ الْإِسْنَادِ، غَرِيبٌ جِدًّا.

''اس کی سند حسن ہے لیکن یہ انوکھی روایت ہے۔''

(مختصر زوائد البزار: 2/120، شرح ابن علان علی الأذکار: 5/151)

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّمَا هُمُ الْمَلَائِكَةُ، فَلَا يَجُوزُ أَنْ يُلْحَقَ بِهِمُ الْمُسْلِمُونَ مِنَ الْجِنِّ أَوِ الْإِنْسِ مِمَّنْ يُسَمُّونَهُمْ بِرِجَالِ الْغَيْبِ مِنَ الْأَوْلِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ، سَوَاءٌ كَانُوا أَحْيَاءً أَوْ أَمْوَاتًا، فَإِنَّ الِاسْتِغَاثَةَ بِهِمْ وَطَلَبَ الْعَوْنِ مِنْهُمْ شِرْكٌ بَيِّنٌ لِأَنَّهُمْ لَا يَسْمَعُونَ الدُّعَاءَ، وَلَوْ سَمِعُوا لَمَا اسْتَطَاعُوا الِاسْتِجَابَةَ وَتَحْقِيقَ الرَّغْبَةِ، وَهٰذَا صَرِيحٌ فِي آيَاتٍ كَثِيرَةٍ، مِنْهَا قَوْلُهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: ﴿وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ * إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ﴾

(فاطر 13-14)

''اس حدیث میں اللہ کے بندوں سے مراد صرف فرشتے ہیں۔ان کے ساتھ مسلمان جنوں اور ان اولیاء اور صالحین کو ملانا جنہیں غیبی لوگ کہا جاتا ہے، جائز نہیں، خواہ وہ زندہ ہوں یا فوت ہو گئے ہوں۔ان جنوں اور انسانوں سے مدد طلب کرنا واضح شرک ہے کیونکہ وہ پکارنے والے کی پکار کو سن نہیں سکتے۔اگر وہ سن بھی لیں تو اس کا جواب دینے یا حاجت روائی کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔قرآنِ کریم کی بہت سی آیات اس پر شاہد ہیں۔ایک مقام پر فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ * إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ

مِثْلُ خَبِيْرٍ﴾(فاطر 13 - 14)(اور جن لوگوں کو یہ مشرکین اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کھجور کی گٹھلی کے باریک غلاف کے برابر بھی کسی چیز کے مالک نہیں ہیں۔ اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار کو سن نہیں سکتے اور اگر وہ سن بھی لیں تو تمہاری مراد پوری نہیں کر سکتے اور قیامت کے روز یہ لوگ تمہارے شرک سے لاعلمی کا اظہار کریں گے اور آپ کو (اللہ) خبیر کی طرح کوئی خبر نہیں دے سکتا)۔"

(سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيئ في الأمة:2/111، ح:655)

یعنی اس حدیث میں ماتحت الاسباب مدد مانگنے کا بیان ہے، کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے خود بیان فرما دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے وہاں ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نیک بندوں کی اعانت پر مامور کر رکھا ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں اہل سنت والجماعت اس پکار کو شرک کہتے ہیں جس میں کسی غائب یا فوت شدہ کو پکارا جائے یا کسی زندہ سے وہ چیز مانگی جائے جس پر وہ سرے سے قدرت ہی نہیں رکھتا۔ اسے مافوق الاسباب استعانت کہا جاتا ہے جو کہ ممنوع وحرام اور شرک ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَضَلَلْتُ الطَّرِيقَ فِي حَجَّةٍ وَكُنْتُ مَاشِيًا، فَجَعَلْتُ أَقُولُ: يَا عِبَادَ اللهِ! دُلُّونَا عَلَى الطَّرِيقِ، فَلَمْ أَزَلْ أَقُولُ ذٰلِكَ، حَتّٰى وَقَعْتُ الطَّرِيقَ.

"ایک حج کے سفر میں مجھے راستہ بھول گیا۔ میں پیدل تھا، میں نے یہ کہنا شروع کیا: اللہ کے بندو! مجھے راستہ بتاؤ۔ میں مسلسل کہتا رہا حتی کہ صحیح راستے پر آ گیا۔"

(مسائل الإمام أحمد لابنه عبد الله، ص:245)

علامہ نووی رحمہ اللہ نے اپنے بعض اکابر شیوخ کا "عباد اللہ" کے بارے میں جو تجربہ بیان کیا ہے، ظن غالب ہے کہ وہ فرشتوں ہی کے بارے میں ہوگا۔

دلیل نمبر ⑪: سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

"رسول اللہ ﷺ نے وضو خانے میں تین مرتبہ لَبَّيْكَ کہا اور تین مرتبہ نُصِرْتَ (تیری

مدد کی گئی) کہا۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کو تین مرتبہ لَبَّیْکَ اور تین مرتبہ نُصِرْتَ فرماتے ہوئے سنا ہے، گویا آپ کسی انسان سے گفتگو کر رہے ہوں۔ کیا وضو خانے میں کوئی آپ کے ساتھ تھا؟ آپ نے فرمایا: یہ بنو کعب کا رجز خواں مجھے پکار رہا تھا اور اس کا کہنا ہے کہ قریش نے ان کے خلاف بنو بکر کی مدد کی ہے۔ تین دن کے بعد آپ نے صحابہ کرام کو صبح کی نماز پڑھائی تو میں نے سنا کہ رجز خواں یہ اشعار پیش کر رہا تھا۔۔۔"

(المعجم الکبیر للطبراني: 434,433/23، ح: 1052، المعجم الصغیر للطبراني: 167/2، ح: 968، المُخَلِّصِیَّات: 1331، دلائل النبوۃ لأبي القاسم الأصبھاني: 59)

تبصرہ: اس کی سند "ضعیف" ہے، کیونکہ:

① اس کے ایک راوی محمد بن نضلہ کے حالات نہیں مل سکے۔

امام شافعی رحمہ اللہ (150-204ھ) فرماتے ہیں:

لَا نَقْبَلُ خَبَرَ مَنْ جَهِلْنَاهُ، وَكَذٰلِكَ لَا نَقْبَلُ خَبَرَ مَنْ لَّمْ نَعْرِفْهُ بِالصِّدْقِ وَعَمَلِ الْخَيْرِ.

"ہم مجہول (العین) راوی کی روایت قبول نہیں کرتے۔ اسی طرح اس (مجہول الحال) راوی کی روایت بھی ہمارے ہاں ناقابل قبول ہے، جس کی سچائی اور نیکی ہمیں معلوم نہیں۔"

(اختلاف الحدیث، ص: 45)

تنبیہ: حافظ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس روایت میں یحییٰ بن سلیمان بن نضلہ راوی "ضعیف" ہے۔ (مجمع الزوائد: 164/6)

لیکن راجح یہی ہے کہ یحییٰ بن سلیمان بن نضلہ راوی "حسن الحدیث" ہے، البتہ اس کے حفظ میں کلام ضرور ہے۔ واللہ أعلم!

دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت میں وسیلہ بالذوات والاموات کا کوئی ذکر نہیں۔

دلیل نمبر ⑫ : سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت ۱۸ ہجری میں قحط سالی واقع ہوئی۔ اس سال کو عام الرمادہ کہتے ہیں۔ بنومزینہ نے اپنے ایک آدمی (بلال) سے کہا کہ ہم مرے جا رہے ہیں، کوئی بکری ذبح کیجیے۔ اس نے کہا: بکریوں میں کچھ نہیں رہا۔ اصرار بڑھا تو انہوں نے بکری ذبح کر دی۔ جب اس کی کھال اتاری تو نیچے سے سرخ ہڈی نکلی۔ یہ دیکھ کر اس آدمی نے یا مُحَمَّدَاہ کہا۔ رات ہوئی تو اس نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے فرما رہے ہیں: تمہیں زندگی مبارک ہو۔ عمر کے پاس جاؤ، اسے میری طرف سے سلام کہو اور یہ بھی کہو کہ اے عمر! تم تو وعدوں کو خوب نبھانے والے ہو، میرا وعدہ یاد کرو۔ عمر! دانائی سے کام لو۔ قبیلہ بنومزینہ کا یہ شخص بیدار ہونے پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر آیا اور دربان سے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کرو۔ دربان نے آ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی تو وہ گھبرا گئے اور فرمایا: اسے میرے پاس لاؤ۔ جب اس شخص کو اندر بلایا گیا تو اس نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں اعلان کرایا، منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا: تمہیں اس ذات کی قسم جس نے تمہیں اسلام کی توفیق بخشی! کیا تم نے مجھ میں کوئی کوتاہی دیکھی ہے؟ لوگ کہنے لگے: نہیں، لیکن ہوا کیا؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بلال کے خواب والا واقعہ سنایا۔ لوگ سمجھ گئے لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نہ سمجھ سکے۔ لوگوں نے انہیں بتایا کہ آپ نے نمازِ استسقاء کی ادائیگی میں تاخیر کی ہے۔ ہمارے ساتھ نمازِ استسقاء ادا کریں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان سے لوگوں کو جمع کیا، کھڑے ہو کر مختصر خطبہ دیا، پھر مختصر دو رکعتیں ادا کیں، پھر بارش کے لیے دعا فرمائی۔۔۔"

(تاریخ الطبري: 99/4، البداية والنهاية لابن كثير: 91/7)

تبصرہ: یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے، کیونکہ:

① سیف بن عمر الکوفی راوی بالاتفاق "ضعیف و متروک" ہے۔

② اس کا استاذ مبشر بن فضیل "مجہول" ہے۔

امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مَجْهُولٌ بِالنَّقْلِ، إِسْنَادُهُ لَا يَصِحُّ.

"یہ شخص روایتِ حدیث میں مجہول ہے، اس حدیث کی سند صحیح نہیں۔"

(الضعفاء الکبیر: 4/236)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَا يُدْرَى مَنْ هُوَ؟ "نہ معلوم یہ کون ہے؟"

(میزان الاعتدال: 3/434)

③ اس کے راوی جبیر بن صخر کی توثیق مطلوب ہے۔

④ شعیب بن ابراہیم کوفی "مجہول" ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت کو اکثر حنفی حضرات ہی اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں، حالانکہ ان کی پیش کردہ اس من گھڑت روایت میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو نماز استسقاء پڑھنے کا حکم دیا گیا بلکہ اسے دانائی وحکمت بتایا گیا، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس حکم نبوی کے مطابق باجماعت نماز استسقاء کی ادائیگی بھی کی۔ جبکہ حنفی حضرات کے مقلَّد امام ابوحنیفہ نماز استسقاء کو مسنون نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی معتبر کتاب "ہدایہ" میں امام ابوحنیفہ کا قول یوں نقل کیا گیا ہے:

لَيْسَ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ صَلَاةٌ مَسْنُونَةٌ فِي جَمَاعَةٍ..... وَرَسُولُ اللهِ اسْتَسْقَى، وَلَمْ تُرْوَ عَنْهُ الصَّلَاةُ.

"استسقاء میں باجماعت نماز پڑھنا سنتِ نبوی نہیں۔۔۔۔رسول اللہ ﷺ نے بارش طلب کی تھی لیکن آپ سے اس موقع پر نماز پڑھنا مروی نہیں۔"

(الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب الصلاة، باب الاستسقاء: 1/176)

حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے باجماعت نماز استسقاء ادا کرنے کے بارے میں احادیث معروف ہیں۔ کتبِ حدیث میں کثرت کے ساتھ رسولِ کریم ﷺ کی نماز استسقاء اور اس کے طریقے کے بارے میں احادیث موجود ہیں۔ صرف صحاحِ ستہ سے چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

صحيح بخاري:1012، صحيح مسلم:894، سنن أبي داود:1161، سنن الترمذي:556، سنن النسائي:1505، سنن ابن ماجه:1266.

فوت شدگان سے توسل والے من گھڑت عقیدے پر ایک من گھڑت روایت نے حنفی بھائیوں کو بھلا کیا فائدہ دیا؟ صرف یہ کہ باجماعت نماز استسقاء ان کے گلے پڑ گئی!!!

دلیل نمبر ⑬ : جنگِ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے ساتھ فوج کی تعداد ساٹھ ہزار تھی، جبکہ مسلمانوں کی تعداد کم تھی۔ مقابلہ بہت شدید تھا۔ ایک وقت نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مسلمان مجاہدین کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سپہ سالار تھے۔ انہوں نے یہ حالت دیکھی تو:

وَنَادٰى بِشِعَارِهِمْ يَوْمَئِذٍ، وَكَانَ شِعَارُهُمْ يَوْمَئِذٍ: يَامُحَمَّدَاهُ!

''انہوں نے مسلمانوں کا نعرہ بلند کیا۔ اس دن مسلمانوں کا نعرہ یَامُحَمَّدَاهُ تھا۔''

(تاريخ الطبري:2/181، البداية والنهاية لابن كثير:6/324)

تبصرہ : یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے، کیونکہ:

① اس میں سیف بن عمر کوفی راوی بالاتفاق ''ضعیف ومتروک'' موجود ہے۔

② شعیب بن ابراہیم کوفی ''مجہول'' ہے۔ گمنام

③ ضحاک بن یربوع کی توثیق نہیں ملی۔

④ اس کا باپ یربوع کیسا ہے؟ معلوم نہیں ہو سکا۔

⑤ رجل من بنی سحیم کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔

دلیل نمبر ⑭ : سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے سیدنا کعب بن ضمرہ رضی اللہ عنہ کو ایک ہزار افراد کے ہمراہ حلب کا جائزہ لینے کے لیے روانہ کیا۔ جب وہ حلب کے قریب پہنچے تو یوقنا پانچ ہزار افراد کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ مسلمان جم کر لڑنے لگے۔ اتنے میں پیچھے چھپے ہوئے

پانچ ہزار افراد کے لشکر نے حملہ کر دیا۔ اس خطرناک صورتِ حال نے مسلمانوں کو بے حد پریشان کر دیا۔ کعب بن ضمرہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اتھامے ہوئے بلند آواز سے پکارا:

يَامُحَمَّدُ، يَامُحَمَّدُ، يَانَصْرَ اللّٰهِ، اِنْزِلْ!

''اے محمد! اے محمد! اے اللہ کی مدد، اتر آ۔''

(فتوح الشام لمحمد بن عمر الواقدی:1/196، طبع مصر:1394)

تبصرہ: یہ روایت سخت ترین ''ضعیف'' ہے، اس کا راوی محمد بن عمر الواقدی جمہور کے نزدیک ''ضعیف، متروک اور کذاب'' ہے۔ اس کے بارے میں:

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

''اسے جمہور محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (مجمع الزوائد:3/255)

علامہ ابنِ ملقن رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وَقَدْ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

''اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(البدر المنير في تخريج الأحاديث والآثار الواقعة في الشرح الكبير: 5/324)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اسے ''متروک'' کہا ہے۔ (تقريب التهذيب:6175)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: كُتُبُ الْوَاقِدِيِّ كِذْبٌ.

''واقدی کی کتابیں جھوٹ کا پلندا ہیں۔''

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم:8/21، وسندهٔ صحيح)

امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إِنَّهُ عِنْدِي مِمَّنْ يَضَعُ الْحَدِيثَ.

''میرے نزدیک یہ جھوٹی احادیث گھڑنے والا ہے۔''

(الجرح والتعديل:8/21، وسندهٔ صحيح)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسے ''کذاب'' قرار دیا ہے۔

(الضعفاء الكبير للعقيلي:4/108، وسندهٔ صحيح)

امام بخاری، امام ابوزرعہ، امام نسائی اور امام عقیلی رحمہم اللہ نے اسے ''متروک الحدیث'' کہا ہے، امام یحییٰ بن معین اور جمہور نے ''ضعیف'' کہا ہے، امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يَرْوِي أَحَادِيثَ غَيْرَ مَحْفُوظَةٍ وَالْبَلَاءُ مِنْهُ، وَمُتُونُ أَخْبَارِ الْوَاقِدِيِّ غَيْرُ مَحْفُوظَةٍ، وَهُوَ بَيِّنُ الضَّعْفِ.

''یہ غیر محفوظ احادیث بیان کرتا ہے اور یہ مصیبت اسی کی طرف سے ہے۔ واقدی کی احادیث کے متون غیر محفوظ ہیں۔ اس کے ضعیف ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔''

(الکامل في ضعفاء الرجال: 6/243)

امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَالْوَاقِدِيُّ عِنْدَ أَئِمَّةِ أَهْلِ النَّقْلِ ذَاهِبُ الْحَدِيثِ.

''واقدی ائمہ محدثین کے ہاں ضعیف راوی ہے۔'' (تاریخ بغداد: 1/37)

دلیل نمبر (15): سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بہن نے کہا: اے بہت ہی تعریف کیے ہوئے! امداد، امداد۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے اور آسمانی فرشتے درود بھیجیں۔ حسین میدان میں ہیں، خون میں نہائے ہوئے، اعضاء کٹے ہوئے۔ یا محمد! امداد۔ آپ کی بیٹیاں حراست میں ہیں۔ آپ کی اولاد شہید کردی گئی ہے۔ بادِ صبا ان پر مٹی اڑا رہی ہے۔

(البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: 8/193)

تبصرہ: اس کی سند باطل اور جھوٹی ہے، کیونکہ:

① اس میں سفیان ثوری کی تدلیس ہے۔ سماع کی تصریح نہیں ملی۔

② مخبر (سند میں خبر دینے والا) نامعلوم ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کسی مجہول اور کذاب رافضی کی کارستانی ہے، جو بعض لوگوں کے ہاتھ لگ گئی ہے اور وہ اسے دین بنائے بیٹھے ہیں۔

دلیل نمبر (16): ہیثم بن عدی کہتے ہیں کہ بنو عامر نے بصرہ میں اپنے

جانور کھیتی میں چرائے۔ انہیں طلب کرنے کے لیے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھیجے گئے۔ بنو عامر نے بلند آواز سے اپنی قوم آلِ عامر کو بلایا تو نابغہ جعدی اپنے رشتہ داروں کی ایک جماعت کے ساتھ نکلے۔ انہیں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا۔ انہوں نے پوچھا: تم کیوں نکلے ہو؟ انہوں نے کہا: میں نے اپنی قوم کی پکار سنی تھی۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے انہیں تازیانے لگائے۔ اس پر نابغہ جعدی نے کہا:

فَإِنْ تَکُ لِابْنِ عَفَّانَ أَمِینًا　　فَلَمْ یَبْعَثْ بِکَ الْبَرَّ الْأَمِینَا

وَیَا قَبْرِ النَّبِيِّ وَصَاحِبَیْهِ　　أَلَا یَا غَوْثَنَا لَوْ تَسْمَعُونَا

''اگر تو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا امین ہے تو انہوں نے تجھے احسان کرنے والا امین بنا کر نہیں بھیجا۔ اے نبی اور آپ کے دو صاحبوں کی قبر! اے ہمارے فریادرس! کاش آپ ہماری فریاد سن لیں۔'' (الاستیعاب: 3/586)

تبصرہ: یہ روایت موضوع (جھوٹ کا پلندا) ہے۔ اس کا راوی ہیثم بن عدی بالاتفاق ''کذاب'' اور ''متروک الحدیث'' ہے۔

دلیل نمبر ⑰: عبدالرحمٰن بن سعد بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، فَخَدِرَتْ رِجْلُهُ، فَقُلْتُ: یَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ! مَا لِرِجْلِکَ؟ قَالَ: اجْتَمَعَ عَصَبُهَا مِنْ هَاهُنَا، فَقُلْتُ: ادْعُ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَیْکَ، فَقَالَ: یَا مُحَمَّدُ! فَانْبَسَطَتْ.

''میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا۔ آپ کا پاؤں سُن ہو گیا۔ میں نے عرض کی: اے ابوعبدالرحمٰن! آپ کے پاؤں کو کیا ہو گیا ہے؟ فرمایا: یہاں سے میرے پٹھے کھنچ گئے ہیں۔ میں نے عرض کی: تمام لوگوں میں سے جو ہستی آپ کو زیادہ محبوب ہے، اسے یاد کریں۔ آپ نے یا محمد! کہا۔ اسی وقت ان کے پٹھے کھل گئے۔''

(الأدب المفرد للبخاري: 924، مسند علي بن الجعد: 2539، عمل اليوم والليلة لابن السنّي: 173، طبقات ابن سعد: 4/154، تاريخ ابن معين: 2953)

تبصرہ: اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔اس کی سند کا دارومدار ابواسحاق سبیعی پر ہے جو کہ ''مدلس'' اور ''مختلط'' ہیں۔مسلّم اصول ہے کہ ثقہ مدلس جب بخاری ومسلم کے علاوہ ''عن'' یا ''قال'' سے بیان کرے تو روایت ''ضعیف'' ہوتی ہے، تاآنکہ وہ سماع کی تصریح نہ کرے۔اس روایت کی صحت کے مدعی پر سماع کی تصریح پیش کرنا لازم ہے۔

الادب المفرد کی سند میں سفیان ثوری رحمہ اللہ ''مدلس'' ہیں، جو کہ ''عن'' سے بیان کر رہے ہیں۔

عمل الیوم واللیلۃ (169) میں سفیان ثوری رحمہ اللہ کی ابوبکر بن عیاش (171)، اسرائیل بن یونس اور (173) زہیر بن معاویہ نے متابعت کر رکھی ہے۔لیکن کسی روایت میں ابواسحاق نے سماع کی تصریح نہیں کی۔لہٰذا یہ روایت ابواسحاق سبیعی کی تدلیس کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔نہ معلوم عقیدہ میں خبرِ واحد کو حجت نہ ماننے والے اسے سینے سے کیوں لگائے بیٹھے ہیں؟

فائدہ: امامِ بریلویت احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں:

''حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نام پاک لے کر ندا کرنی ہمارے نزدیک بھی صحیح نہیں ہے۔''

(روحوں کی دنیا از احمد رضا خان،ص: 245)

نیز دیکھیں: (''جاء الحق'' از احمد یار خان نعیمی بریلوی: 1/173، شان حبیب الرحمن از نعیمی: 136)

یوں یہ روایت بریلوی بھائیوں کے لیے چنداں مفید نہیں، کیونکہ اس سے صحیح ماننے سے لازم آئے گا کہ (معاذ اللہ) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک غلط کام کر رہے تھے!!!

دلیل نمبر (18): مجاہد رحمہ اللہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

خَدِرَتْ رِجْلُ رَجُلٍ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: اُذْكُرْ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيْکَ، فَقَالَ: مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَهَبَ خِدْرُهُ.

''سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے کسی شخص کی ٹانگ سن ہوگئی تو انہوں نے اس سے فرمایا: لوگوں میں سے جو تمہیں زیادہ محبوب ہے، اسے یاد کرو۔ اس شخص نے کہا: محمد ﷺ۔ یہ کہنا تھا کہ اس کے پاؤں کا سُن ہوجانا جاتا رہا۔''

(عمل اليوم والليلة لابن السني: 170)

تبصرہ: یہ موضوع (من گھڑت) روایت ہے۔ اس کی سند میں غیاث بن ابراہیم نخعی بالاتفاق کذاب (پرلے درجے کا جھوٹا)، خبیث اور وضاع (جھوٹی حدیثیں گھڑنے والا) ہے۔

دلیل نمبر ⑲: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اپنے گھر سے نماز کے لیے نکلے اور یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ اپنے چہرے کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس کے لیے ستر ہزار فرشتے دعائے مغفرت کرتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ، وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ مَمْشَايَ هٰذَا.

''اے اللہ! میں دعا کرنے والوں کا جو آپ پر حق ہے، اس کے طفیل اور اپنے اس چلنے کے طفیل سوال کرتا ہوں۔'' (مسند أحمد: 3/21، سنن ابن ماجہ: 778)

تبصرہ: اس کی سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے۔

حافظ منذری رحمہ اللہ (581-656ھ) فرماتے ہیں:

بِإِسْنَادٍ فِيهِ مَقَالٌ.

''اس کی سند میں کلام ہے۔'' (الترغيب والترهيب: 2487)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَهٰذَا الْحَدِيثُ هُوَ مِنْ رِوَايَةِ عَطِيَّةَ الْعَوْفِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، وَهُوَ ضَعِيفٌ بِإِجْمَاعِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ طَرِيقٍ آخَرَ، وَهُوَ ضَعِيفٌ أَيْضًا.

''یہ حدیث عطیہ عوفی نے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے اور عطیہ باتفاقِ اہل علم

ضعیف ہے۔اس کی ایک اور سند بھی موجود ہے لیکن وہ بھی ضعیف ہے۔''
(قاعدة جليلة في التوسل والوسيلة، ص:215)

علامہ مغلطائی حنفی (689-762ھ) کہتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ.

''اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔'' (شرح ابن ماجه:1/1294)

بوصیری (762-840ھ) کہتے ہیں:

هٰذَا إِسْنَادٌ ضَعِيفٌ.

''اس کی سند ضعیف ہے۔'' (اتحاف الخيرة المهرة:2/32، ح:979)

لہٰذا حافظ عراقی (تخريج أحاديث الإحياء:1/384) کا اس کی سند کو ''حسن'' کہنا اور بعض کا اس حدیث کو ''حسن'' قرار دینا صحیح نہیں۔

اس کا راوی عطیہ بن سعد عوفی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے، نیز ''مدلس'' بھی ہے،

حافظ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ضَعِيفٌ عِنْدَ الْجُمْهُورِ. ''جمہور کے نزدیک یہ راوی ضعیف ہے۔''
(تهذيب الأسماء واللّغات:1/48)

حافظ عراقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

''اسے جمہور محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (طرح التثريب لابن العراقي:3/42)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وَالْأَكْثَرُ عَلٰى تَضْعِيفِهِ.

''اکثر محدثین کرام اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔'' (مجمع الزوائد:10/412)

حافظ ابن الملقن رحمہ اللہ اسے ''ضعیف'' قرار دے کر لکھتے ہیں:

وَالْجُمْهُورُ عَلٰى تَضْعِيفِهِ. ''جمہور اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔''
(البدر المنير في تخريج الأحاديث والآثار الواقعة في الشرح الكبير:7/463)

علامہ عینی حنفی (762-855ھ) لکھتے ہیں: ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

''اسے جمہور محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (عمدة القاري: 6/250)

علامہ شرف الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ (م بعد: 1310ھ) لکھتے ہیں:

عَطِيَّةُ، ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ. ''عطیہ کو جمہور نے ضعیف کہا ہے۔''

(عون المعبود على سنن أبي داؤد: 3/336)

امام ہشیم بن بشیر واسطی کے بارے میں ہے: وَكَانَ هُشَيْمٌ يَتَكَلَّمُ فِيهِ.

''آپ عطیہ پر جرح کرتے تھے۔'' (التاريخ الصغير للبخاري: 1/303، وسندهٔ صحيحٌ)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضَعِيفُ الْحَدِيثِ.

''اس کی بیان کردہ حدیث ضعیف ہوتی ہے۔'' (كتاب العلل ومعرفة الرجال: 1306)

امام ابوزرعہ الرازی نے اسے ''لَيِّن'' کہا ہے اور امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعِيفُ الْحَدِيثِ، يُكْتَبُ حَدِيثُهُ. ''ضعیف الحدیث ہے۔ اس کی حدیث (متابعات وشواہد میں) لکھی جائے گی۔'' (الجرح والتعديل لابن ابی حاتم: 6/383)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔ (سنن الدارقطني: 4/39)

نیز فرماتے ہیں کہ یہ ''مضطرب الحدیث'' ہے۔ (العلل للدارقطني: 4/291)

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: كَانَ يَحْيَى يَتَكَلَّمُ فِي عَطِيَّةَ.

''امام یحییٰ عطیہ پر جرح کرتے تھے۔'' (التاريخ الكبير للامام البخارى: 4/83)

نیز فرماتے ہیں: كَانَ يَحْيَى لَا يَرْوِي عَنْ عَطِيَّةَ.

''امام یحییٰ عطیہ بن سعد عوفی سے روایت نہیں کرتے تھے۔''

(التاريخ الكبير للامام البخارى: 5/122)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضَعِيفٌ، إِلَّا أَنَّهُ يُكْتَبُ حَدِيثُهُ.

”یہ راوی ضعیف ہے، البتہ اس کی روایت (متابعات وشواہد) میں لکھی جائے گی۔“
(الکامل لابن عدي:5/369، وسندهٔ حسنٌ)

اس قول کے خلاف امام صاحب سے یہ بھی مروی ہے: لَيْسَ بِهِ بَأْسٌ.

”اس میں کوئی حرج نہیں۔“ (التاريخ لابن طهمان:256)

جمہور کے موافق قول تضعیف والا ہے، لہٰذا اسے ہی قبول کیا جائے گا۔

امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی عطیہ کو ”ضعیف“ کہا ہے۔ (کتاب الضعفاء والمتروکين:481)

حافظ ابن حبان رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ جرح کی ہے:

لَا يَحِلُّ الِاحْتِجَاجُ بِهِ، وَلَا كِتَابَةُ حَدِيثِهِ إِلَّا عَلَى جِهَةِ التَّعَجُّبِ.

”اس کی حدیث سے حجت لینا جائز نہیں، اسے صرف تعجب کے طور پر لکھنا درست ہے۔“
(کتاب المجروحين:2/176)

حافظ جوزجانی نے اسے ”مائل“ قرار دیا ہے۔ (أحوال الرجال:42)

یعنی ان کے نزدیک عطیہ غالی رافضی تھا۔

امام ابنِ عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهُوَ مَعَ ضُعْفِهِ يُكْتَبُ حَدِيثُهُ، وَكَانَ يُعَدُّ مِنْ شِيعَةِ الْكُوفَةِ.

”ضعیف ہونے کے باوجود اس کی حدیث (متابعات وشواہد) میں لکھی جائے گی۔ اس کا شمار کوفہ کے شیعوں میں ہوتا ہے۔“ (الکامل في ضعفاء الرجال:5/370)

حافظ بیہقی رحمہ اللہ نے بھی اسے ”ضعیف“ کہا ہے۔ (السنن الکبری:7/369)

حافظ ابنِ حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ضَعِيفٌ جِدًّا. ”سخت ضعیف ہے۔“
(المحلّٰی لابن حزم:11/86)

حافظ نووی رحمہ اللہ نے بھی ”ضعیف“ کہا ہے۔ (خلاصة الأحكام:1/572)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

ضَعِيفُ الْحَدِيثِ، مَشْهُورٌ بِالتَّدْلِيسِ الْقَبِيحِ.

''یہ راوی ضعیف الحدیث اور بہت بُری تدلیس کے ساتھ مشہور ہے۔''

(طبقات المدلسين: 50)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' لکھا ہے۔ (ميزان الاعتدال في نقد الرجال: 3/80)

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ بھی ''ضعیف'' قرار دیتے ہیں۔

(تفسير القرآن العظيم: 6/89، بتحقيق عبد الرزاق المهدي)

لہٰذا امام ابنِ سعد (الطبقات: 6/304) کا اسے ''ثقہ'' کہنا جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے نا قابل التفات ہے۔

پہلے اکثر محدثین ''ضعیف'' کہتے تھے، بعد میں عطیہ بن سعد عوفی کے ''ضعیف'' ہونے پر اجماع ہو گیا تھا، جیسا کہ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مُتَّفَقٌ عَلٰى ضَعْفِهٖ.

''اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق و اجماع ہے۔'' (المحلّى: 10/309)

حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: أَمَّا عَطِيَّةُ، فَاجْتَمَعُوا عَلٰى تَضْعِيفِهٖ.

''عطیہ کے ضعیف ہونے پر محدثین کرام کا اجماع ہو گیا ہے۔'' (الموضوعات: 1/386)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَهُوَ ضَعِيفٌ بِإِجْمَاعِ أَهْلِ الْعِلْمِ.

''اس کے ضعیف ہونے پر اہل علم کا اجماع ہے۔'' (قاعدة جليلة في التوسل، ص: 233)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مُجْمَعٌ عَلٰى ضَعْفِهٖ.

''اس کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے۔'' (المغني في الضعفاء: 2/62)

حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَهُوَ ضَعِيفٌ بِإِجْمَاعِهِمْ.

''عطیہ باجماعِ محدثین ضعیف ہے۔'' (البدر المنير: 5/313)

نوٹ: عطیہ عوفی ''مُدَلِّس'' بھی تھا، بلکہ ''تدلیس'' کی بُری قسم میں ملوث تھا۔ یہ

اپنے استاذ محمد بن سائب کلبی (متہم بالکذب) کا نام ذکر نہیں کرتا تھا اور اس کی کنیت ابو سعید ذکر کر کے باور کرانے کی کوشش کرتا تھا کہ اس سے مراد صحابیٔ رسول ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعِيفُ الْحِفْظِ، مَشْهُورٌ بِالتَّدْلِيسِ الْقَبِيحِ.

"اس کا حافظہ کمزور تھا اور یہ بری تدلیس کرنے میں معروف تھا۔"

(طبقات المدلسین، ص:50)

تنبیہ ①: محمد زاہد کوثری حنفی جہمی (م1371ھ) نے لکھا ہے:

وَلَمْ يَنْفَرِدْ عَطِيَّةُ عَنِ الْخُدْرِيِّ، بَلْ تَابَعَهُ أَبُو الصِّدِّيقِ عَنْهُ فِي رِوَايَةِ عَبْدِ الْحَكَمِ بْنِ ذَكْوَانَ، وَهُوَ ثِقَةٌ عِنْدَ ابْنِ حِبَّانَ، وَإِنْ أَعَلَّهُ ابْنُ الْفَرَجِ فِي عِلَلِهِ.

"عطیہ عوفی، سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بیان کرنے میں اکیلا نہیں بلکہ اس کی متابعت ابو الصدیق نے عبد الحکم بن ذکوان کی روایت میں کی ہے اور وہ ثقہ راوی ہے۔ اسے امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ثقہ کہا ہے، اگرچہ ابن الفرج نے اسے اپنی علل میں ذکر کیا ہے۔"

(مقالات الکوثري:394)

لیکن:

① کوثری کی نقل کا کوئی اعتبار نہیں۔

② کوثری نے کوئی سند ذکر نہیں کی۔ ہمیں کہیں باسند یہ متابعت نہیں ملی۔

③ راوی عبد الحکم بن ذکوان نہیں بلکہ عبد الحکم بن عبد اللہ قسملی ہے کیونکہ ابو الصدیق ناجی کے شاگردوں میں قسملی ہی ہے، ابن ذکوان نہیں۔ اگر ابن ذکوان بھی ہو تو وہ "مجہول" ہے۔

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَا أَعْرِفُهُ. "میں اسے نہیں جانتا۔"

(الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم:36/6)

اگرچہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے اپنی کتاب الثقات (131/5) میں ذکر کیا ہے، لیکن

یہ ان کے تساہل پر مبنی ہے۔ان کی منفرد توثیق قابل قبول نہیں ہوتی۔

یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے اسے مقبول (مجہول الحال) ہی لکھا ہے۔(تقریب التہذیب:3748)

جہاں تک عبدالحکم بن عبداللہ قسملی کا تعلق ہے،تو وہ بھی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَا يُحْتَجُّ بِهِ. ''یہ قابل حجت نہیں۔''

(سنن الدارقطني:1/104)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے ''منکر الحدیث'' قرار دیا ہے۔(التاريخ الكبير:2/168)

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَعَامَّةُ أَحَادِيثِهِ مِمَّا لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ ، وَبَعْضُ مُتُونِ مَا يَرْوِيهِ مَشَاهِيرُ، إِلَّا أَنَّهُ بِالْإِسْنَادِ الَّذِي يَذْكُرُهُ عَبْدُ الْحَكَمِ لَعَلَّهُ لَا يَرْوِي ذَاكَ .

''اس کی عام احادیث پر متابعت نہیں کی جاتی۔اس کی روایت کردہ احادیث کے بعض متون مشہور ہیں،لیکن وہ ان سندوں کے ساتھ ہیں،جنہیں عبدالحکم ذکر کرتا ہے۔شاید اس نے وہ روایت نہیں کیے۔''(الكامل:5/334)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ مِمَّنْ يَرْوِي عَنْ أَنَسٍ مَا لَيْسَ مِنْ حَدِيثِهِ، وَلَا أَعْلَمُ لَهُ مَعَهُ مُشَافَهَةً، لَا يَحِلُّ كِتَابَةُ حَدِيثِهِ إِلَّا عَلَى جِهَةِ التَّعَجُّبِ .

''یہ ان لوگوں میں سے تھا جو سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے منسوب کر کے جھوٹی روایات بیان کرتے تھے۔اس کی سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے بالمشافہ ملاقات مجھے معلوم نہیں۔اس کی حدیث کو لکھنا جائز نہیں،ہاں بطور تعجب (ونقد) لکھا جا سکتا ہے۔''(المجروحين:2/143)

امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: هُوَ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ، ضَعِيفٌ

الْحَدِيثِ، قُلْتُ (الْقَائِلُ هُوَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ): يُكْتَبُ حَدِيثُهُ؟ قَالَ: زَحْفًا.

''وہ منکر الحدیث اور ضعیف الحدیث ہے۔ابن ابی حاتم کہتے ہیں: میں نے ان سے پوچھا: کیا اس کی حدیث کو لکھا جائے؟ انہوں نے فرمایا: بطور مجبوری اس کی روایت پر تعجب کرتے ہوئے اسے لکھا جاسکتا ہے۔'' (الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم:6/36,35)

نیز امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو عبدالحکم بن ذکوان بہتر لگتا ہے یا عبدالحکم قسملی؟ تو انہوں نے فرمایا: هٰذَا أَسْتَرُ مِنْهُ.

''ابن ذکوان کے مقابلے میں اس کا ضعف وعیب اتنا واضح نہیں۔''

(الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم:6/36)

امام ابونعیم اصبہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رَوٰى عَنْ أَنَسٍ نُسْخَةً مُنْكَرَةً، لَا شَيْءَ.

''اس نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ایک منکر نسخہ روایت کیا ہے، یہ بالکل ناقابل اعتبار راوی ہے۔'' (الضعفاء:34)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔(تقریب التہذیب:3749)

لہٰذا عطیہ بن سعد عوفی کی کوئی معتبر متابعت ثابت نہیں۔وہ اس کو بیان کرنے میں منفرد ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ زاہد الکوثری نے عطیہ کے استاذ ابوسعید کو صحابیٔ رسول سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ قرار دیا ہے، حالانکہ یہ صریح جہالت یا تدلیس ہے۔ہم بیان کر چکے ہیں کہ عطیہ اپنے استاذ محمد بن سائب کلبی کذاب کو ابوسعید کے الفاظ سے ذکر کرتا تھا۔

تنبیہ ②: عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی (85) میں جو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، اس کی سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے۔اس میں وازع بن نافع عقیلی راوی ''متروک، کذاب وضاع'' ہے۔حافظ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَهُوَ مُتَّفَقٌ عَلٰی ضَعْفِهٖ، وَأَنَّهٗ مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ.

''اس کے ضعیف ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے اور یہ منکر الحدیث راوی ہے۔''

(الأذکار النافعۃ:85)

علامہ محمد بن عبدالہادی سندھی حنفی (م:1138ھ) کہتے ہیں:

قَوْلُهٗ: بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْکَ، أَيْ مُتَوَسِّلًا إِلَیْکَ فِي قَضَاءِ الْحَاجَةِ وَإِمْضَاءِ الْمَسْأَلَةِ، بِمَا لِلسَّائِلِیْنَ عِنْدَکَ مِنَ الْفَضْلِ الَّذِي یَسْتَحِقُّوْنَهٗ عَلَیْکَ بِمُقْتَضٰی فَضْلِکَ وَوَعْدِکَ وَجُوْدِکَ وَإِحْسَانِکَ، وَلَا یَلْزَمُ مِنْهُ الْوُجُوْبُ الْمُتَنَازَعُ فِیْهِ عَلَیْهِ تَعَالٰی، لٰکِنْ لِإِیْهَامِهِ الْوُجُوْبَ بِالنَّظَرِ إِلَی الْأَفْهَامِ الْقَاصِرَةِ، یَحْتَرِزُ عَنْهُ عُلَمَاؤُنَا الْحَنَفِیَّةُ، وَیَرَوْنَ إِطْلَاقَهٗ لَا یَخْلُوْ عَنْ کَرَاهَةٍ.

''اس روایت میں جو سوالیوں کے حق کا وسیلہ دینے کا ذکر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ! میں اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے تجھے تیرے اس فضل کا واسطہ دیتا ہوں جس کا تو نے انہیں اپنے رحم وکرم اور احسان ووعدہ کے پیش نظر مستحق بنایا ہے۔ ان الفاظ سے اقسام علی اللہ کی متنازع صورت لازم نہیں آتی۔ البتہ کند ذہن لوگوں کو ان الفاظ میں اقسام علی اللہ بخلقہ کا وہم ہوتا ہے۔ اسی لیے علمائے احناف اس سے احتراز کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں ان الفاظ کا مطلق استعمال کراہت (تحریمی) سے خالی نہیں۔''

(حاشیۃ السندي علی سنن ابن ماجہ:1/262,261، تحت الحدیث:778)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) اس بارے میں فرماتے ہیں:

فَإِنْ کَانَ مِنْ کَلَامِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، فَهُوَ مِنْ هٰذَا الْبَابِ لِوَجْهَیْنِ:

أَحَدُهُمَا: لِأَنَّ فِیْهِ السُّؤَالَ لِلّٰہِ تَعَالٰی بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ، وَبِحَقِّ الْمَاشِیْنَ فِي طَاعَتِهٖ، وَحَقُّ السَّائِلِیْنَ أَنْ یُّجِیْبَهُمْ، وَحَقُّ الْمَاشِیْنَ أَنْ یُّثِیْبَهُمْ، وَهٰذَا حَقٌّ أَوْجَبَهُ اللّٰہُ

تَعَالٰی، وَلَیْسَ لِلْمَخْلُوقِ أَنْ یُوجِبَ عَلَی الْخَالِقِ تَعَالٰی شَیْئًا۔

''اگر یہ حدیث نبی اکرم ﷺ کی فرمودہ ہوتو اس سے مشروع وسیلہ ہی مراد ہے۔ ایک تو اس طرح کہ اس میں اللہ تعالیٰ سے اس کے سوالیوں اور اس کی اطاعت میں چلنے والوں کے حق کے وسیلے سے سوال کرنے کا ذکر ہے۔ سوالیوں کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے مطالبات پورے کرے اور چلنے والوں کا حق یہ ہے کہ اللہ انہیں اجر وثواب سے نوازے۔ یہ حق اللہ تعالیٰ نے خود اپنے اوپر لازم کیا ہے۔ مخلوق اپنے خالق پر کوئی چیز لازم نہیں کرسکتی۔۔۔''

(قاعدة جليلة في التوسّل والوسيلة، ص:215)

یعنی اس ''ضعیف'' روایت میں مذکور وسیلہ اپنے نیک اعمال اور اللہ تعالیٰ کے فضل کا وسیلہ ہے، جو کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک بھی مشروع اور جائز ہے۔ اس میں وسیلہ بالذوات والاموات کا کوئی ذکر نہیں۔

دلیل نمبر (20): نبی کریم ﷺ نے فاطمہ بنتِ اسد کی قبر پر یوں دعا کی:

بِحَقِّ نَبِیِّکَ وَالْأَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِي. ''تیرے نبی (مجھ) اور مجھ سے پہلے انبیاء کے طفیل۔''

(المعجم الكبير للطبراني:24/351، المعجم الأوسط:191، حلية الأولياء لأبي نعيم:3/121)

تبصرہ: یہ ''ضعیف'' اور ''منکر'' روایت ہے، کیونکہ:

① اس کا راوی روح بن صلاح جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' کہا ہے۔ (الكامل في ضعفاء الرجال:3/146)

امام دارقطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں: کَانَ ضَعِیفًا فِي الْحَدِیثِ.

''حدیث میں کمزور تھا۔'' (المؤتلف والمختلف:3/1377)

ابن ماکولا کہتے ہیں: ضَعَّفُوهُ.

''(جمہور) محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (الإكمال:5/15)

ابن یونس کہتے ہیں: رُوِیَتْ عَنْهُ مَنَاکِیرُ.

''اس سے منکر روایات بیان کی گئی ہیں۔'' (لسان المیزان لابن حجر: 2/467)

حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف ومتروک'' راویوں میں ذکر کیا ہے۔

(کتاب الضعفاء والمتروکین: 1/282)

حافظ ہیثمی کہتے ہیں: وَفِيهِ ضُعْفٌ. ''اس میں ضعف ہے۔''

(مجمع الزوائد: 9/257)

لہٰذا امام ابنِ حبان (الثقات: 8/244) اور امام حاکم (سوالات السجزی: 98) کی توثیق تساہل پر محمول ہے۔

علامہ محمد بشیر سہسوانی ہندی رحمہ اللہ (م: 1252ھ) اس راوی کے بارے میں فرماتے ہیں:

فَقَدْ عُلِمَ بِذٰلِکَ أَنَّ فِي سَنَدِهٖ رَوْحُ بْنُ صَلَاحِ الْمِصْرِيُّ، وَهُوَ ضَعِيفٌ ضَعَّفَهُ ابْنُ عَدِيٍّ، وَهُوَ دَاخِلٌ فِي الْقِسْمِ الْمُعْتَدِلِ مِنْ أَقْسَامِ مَنْ تُكُلِّمَ فِي الرِّجَالِ، كَمَا فِي فَتْحِ الْمُغِيثِ لِلسَّخَاوِيِّ، وَلَا اعْتِدَادَ بِذِكْرِ ابْنِ حِبَّانَ لَهُ فِي الثِّقَاتِ، فَإِنَّ قَاعِدَتَهُ مَعْرُوفَةٌ مِنَ الِاحْتِجَاجِ بِمَنْ لَّا يُعْرَفُ كَمَا فِي الْمِيزَانِ، وَقَدْ تَقَدَّمَ، وَكَذٰلِکَ لَا اعْتِدَادَ بِتَوْثِيقِ الْحَاكِمِ وَتَصْحِيحِهٖ، فَإِنَّهُ دَاخِلٌ فِي الْقِسْمِ الْمُتَسَمِّحِ.

''معلوم ہوا کہ اس کی سند میں رَوح بن صلاح مصری راوی ہے جو کہ ضعیف ہے۔ اس کو امام ابن عدی رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ علامہ سخاوی کی فتح المغیث کے مطابق یہ درمیانے درجے کا مجروح راوی ہے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ کے اسے ثقات میں ذکر کرنے کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ ان کا غیر معروف راویوں کی توثیق کرنے کا قاعدہ معروف ہے جیسا کہ میزان الاعتدال کے حوالے سے ذکر کیا جاچکا ہے۔ اسی طرح امام حاکم رحمہ اللہ کی (منفرد) توثیق وتصحیح بھی قابل اعتبار نہیں ہوتی۔ ان کا شمار متساہلین میں ہوتا ہے۔'' (صیانۃ الإنسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان، ص: 132)

② اس میں سفیان ثوری ''مدلس'' ہیں جو ''عن'' سے روایت کر رہے ہیں۔

بھلا منکر اور مدلس روایات سے عقیدے کے مسائل ثابت کرنا اہل سنت والجماعت کا طریقہ و مسلک ہے؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَلَمْ يَذْكُرْ أَحَدٌ مِّنَ الْعُلَمَاءِ أَنَّهُ يُشْرَعُ التَّوَسُّلُ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا بِالرَّجُلِ الصَّالِحِ بَعْدَ مَوْتِهِ وَلَا فِي مَغِيبِهِ، وَلَا اسْتَحَبُّوا ذٰلِكَ فِي الِاسْتِسْقَاءِ وَلَا فِي الِاسْتِنْصَارِ وَلَا غَيْرِ ذٰلِكَ مِنَ الْأَدْعِيَةِ، وَالدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ، وَالْعِبَادَةُ مَبْنَاهَا عَلَى السُّنَّةِ وَالِاتِّبَاعِ، لَا عَلَى الْهَوٰى وَالِابْتِدَاعِ.

''کسی ایک عالم نے بھی وفات کے بعد یا غیر موجودگی میں نبی اکرم ﷺ یا کسی نیک شخص کے وسیلے کو مشروع قرار نہیں دیا، نہ اہل علم نے بارش و نصرت طلبی وغیرہ کی دعاؤں میں ایسا کرنا مستحب سمجھا۔ دُعا عبادات کا مغز ہے اور عبادت کی اساس سنت رسول اور اتباع شریعت پر ہوتی ہے، خواہشات نفس اور بدعت پر نہیں۔۔۔'' (مختصر الفتاوی المصریۃ، ص: 196,197)

دلیل نمبر ㉑: سیدنا ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ صبح و شام جو دعائیں پڑھتے تھے، ان میں یہ الفاظ بھی شامل تھے:

أَسْأَلُكَ بِنُورِ وَجْهِكَ الَّذِي أَشْرَقَتْ لَهُ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ، بِكُلِّ حَقٍّ هُوَ لَكَ، وَبِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ، أَنْ تَقْبَلَنِي فِي هٰذِهِ الْغَدَاةِ، أَوْ فِي هٰذِهِ الْعَشِيَّةِ، وَأَنْ تُجِيرَنِي مِنَ النَّارِ بِقُدْرَتِكَ.

''(اے اللہ!) میں تجھ سے تیرے چہرے کے اس نور کے واسطے سے سوال کرتا ہوں جس سے زمین و آسمان روشن ہو گئے ہیں۔ تیرے ہر حق کے واسطے سے سوال کرتا ہوں اور سوال کرنے والوں کا تجھ پر جو حق ہے، اس کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ: اس صبح یا اس شام میری

دعا قبول فرمالے اور اپنی قدرت سے مجھے آگ سے بچالے۔“

(المعجم الكبير للطبراني: 264/8، كتاب الدعاء للطبراني: 941,940/2)

تبصرہ: اس کی سند باطل (جھوٹی) ہے۔ اس کے راوی ابوالمہند فضال بن جبیر کے بارے میں حافظ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَهُوَ ضَعِيفٌ، مُجْمَعٌ عَلَى ضُعْفِهِ.

”یہ راوی باتفاقِ محدثین کرام ضعیف ہے۔“ (مجمع الزوائد: 117/10)

امام ابن عدی رحمہ اللہ اس کی بیان کردہ روایات کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَلِفَضَّالٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَدْرُ عَشْرَةِ أَحَادِيثَ، كُلُّهَا غَيْرُ مَحْفُوظَةٍ.

”فضال، سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے تقریباً دس احادیث روایت کرتا ہے، یہ ساری کی ساری منکر ہیں۔“ (الكامل في ضعفاء الرجال: 21/6)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يَرْوِي عَنْ أَبِي أُمَامَةَ مَا لَيْسَ مِنْ حَدِيثِهِ، لَا يَحِلُّ الِاحْتِجَاجُ بِهِ بِحَالٍ.

”یہ راوی سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے منسوب کر کے ایسی روایات بیان کرتا ہے جو انہوں نے بیان نہیں کیں۔ کسی بھی صورت میں اس کی روایت سے دلیل لینا جائز نہیں۔“

(المجروحين من المحدثين والضعفاء والمتروكين: 304/2)

نیز فرماتے ہیں کہ فضال کی سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے بیان کردہ روایت جھوٹی ہوتی ہے۔

(كتاب المجروحين: 304/2)

فضال کی بیان کردہ مذکورہ روایت بھی چونکہ سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے ہے، لہٰذا اس کے جھوٹی اور باطل ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت کے راوی ہشام بن ہشام کوفی کی توثیق بھی نہیں ملی۔

دلیل نمبر 22: محمد بن سائب کلبی کہتا ہے:

اِجْتَمَعَ الطِّرِمَّاحُ وَهِشَامُ الْمُرَادِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْحِمْيَرِيُّ عِنْدَ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ، فَأَخْرَجَ بَدْرَةً فَوَضَعَهَا بَيْنَ يَدَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: يَا مَعْشَرَ شُعَرَاءِ الْعَرَبِ! قُولُوا قَوْلَكُمْ فِي عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، وَلَا تَقُولُوا إِلَّا الْحَقَّ، وَأَنَا نَفِيٌّ مِنْ صَخْرِ بْنِ حَرْبٍ إِنْ أَعْطَيْتُ هٰذِهِ الْبَدْرَةَ إِلَّا مَنْ قَالَ الْحَقَّ فِي عَلِيٍّ، فَقَامَ الطِّرِمَّاحُ، فَتَكَلَّمَ وَقَالَ فِي عَلِيٍّ وَوَقَعَ فِيهِ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: اجْلِسْ، فَقَدْ عَرَفَ اللّٰهُ نِيَّتَكَ وَرَأَى مَكَانَكَ، ثُمَّ قَامَ هِشَامُ الْمُرَادِيُّ، فَقَالَ أَيْضًا وَوَقَعَ فِيهِ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: اجْلِسْ مَعَ صَاحِبِكَ، فَقَدْ عَرَفَ اللّٰهُ مَكَانَكُمَا، فَقَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ لِمُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْحِمْيَرِيِّ، وَكَانَ خَاصًّا بِهِ: تَكَلَّمْ وَلَا تَقُلْ إِلَّا الْحَقَّ، ثُمَّ قَالَ: يَا مُعَاوِيَةُ! قَدْ آلَيْتَ، أَلَّا تُعْطِيَ هٰذِهِ الْبَدْرَةَ إِلَّا قَائِلَ الْحَقِّ فِي عَلِيٍّ؟ قَالَ: نَعَمْ، أَنَا نَفِيٌّ مِنْ صَخْرِ بْنِ حَرْبٍ إِنْ أَعْطَيْتُهَا مِنْهُمْ إِلَّا مَنْ قَالَ الْحَقَّ فِي عَلِيٍّ، فَقَامَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، فَتَكَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ: بِحَقِّ مُحَمَّدٍ، قُولُوا بِحَقٍّ، فَإِنَّ الْإِفْكَ مِنْ شِيَمِ اللِّئَامِ، أَبَعْدَ مُحَمَّدٍ بِأَبِي وَأُمِّي.

”طرماح، ہشام مرادی اور محمد بن عبد اللہ حمیری، معاویہ بن ابو سفیان کے پاس جمع ہوئے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہیرے جواہرات کی ایک تھیلی نکال کر ان کے سامنے رکھ دی، پھر کہا: اے شعراء عرب! تم علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں حق پر مبنی اشعار کہو۔ میں اپنے باپ صخر بن حرب کا بیٹا نہیں اگر یہ تھیلی اسے نہ دوں جو تم میں سے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں حق بات کہے گا۔ طرماح کھڑا ہوا اور اشعار میں علی رضی اللہ عنہ کی توہین کی۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، اللہ تمہاری نیت اور حیثیت کو جانتا ہے۔ پھر ہشام مرادی کھڑا ہوا، اس نے بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی

گستاخی میں اشعار کہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم بھی اپنے ساتھی کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ اللہ تم دونوں کی حیثیت کو جانتا ہے۔ پھر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے محمد بن عبداللہ حمیری سے، جو ان کے خاص آدمی تھے، کہا: بولو اور علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں صرف حق کہو۔ پھر فرمایا: معاویہ! کیا آپ نے قسم اٹھائی ہے کہ آپ یہ تھیلی صرف اسی شخص کو دیں گے جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں حق گوئی کرے گا؟ معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، میں اپنے باپ صخر بن حرب کا بیٹا نہیں، اگر میں یہ تھیلی اس شخص کو نہ دوں جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں حق بات کہے۔ محمد بن عبداللہ کھڑا ہوا اور اشعار پڑھے، پھر کہا: محمد کے واسطے، تم حق کہو، جھوٹ بولنا تو کمینوں کی عادت ہے۔۔۔۔‘‘

(بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار لمحمد باقر بن محمد تقي بن المقصود علی المجلسي الرافضي (م:1111ھ): 259/33)

تبصرہ: یہ کائنات کا بدترین جھوٹ اور خالص ابلیسی کارروائی ہے۔ کیونکہ:

① محمد بن سائب کلبی کے بارے میں امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلنَّاسُ مُجْتَمِعُونَ عَلٰی تَرْکِ حَدِیثِهٖ، لَا یُشْتَغَلُ بِهٖ، هُوَ ذَاهِبُ الْحَدِیثِ.

’’اہل علم کا اس کی حدیث کو ترک کرنے پر اجماع ہے۔ اس کی حدیث کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔ اس کی بیان کردہ حدیث کا کوئی اعتبار نہیں۔‘‘

(الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم: 271/7)

قرہ بن خالد سدوسی کہتے ہیں:

کَانُوا یَرَوْنَ الْکَلْبِيَّ یَزْرُفُ، یَعْنِي یَکْذِبُ.

’’محدثین کرام کہتے تھے کہ کلبی جھوٹ بولتا ہے۔‘‘ (الجرح والتعدیل: 271/7، وسندہٗ حسن)

سلیمان بن طرخان تیمی نے اسے ’’کذاب‘‘ قرار دیا ہے۔ (أیضا: 270/7، وسندہٗ حسن)

② اس کے بیٹے اور شاگرد ہشام بن محمد کلبی کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: تَرَکُوْهُ، وَهُوَ أَخْبَارِيٌّ.

''محدثین نے اسے چھوڑ دیا تھا۔ یہ اخباری تھا۔'' (المغني في الضعفاء:2/711)

③ محمد بن زکریا بن دینار غلابی کے بارے میں امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يَضَعُ الْحَدِيثَ. ''یہ اپنی طرف سے حدیثیں گھڑ لیتا تھا۔''

(سوالات الحاكم للدارقطني:206)

حافظ ابن مندہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تُكُلِّمَ فِيهِ. ''اس پر جرح کی گئی ہے۔''

(ميزان الاعتدال للذهبي:3/550)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے ''کذاب'' کہا ہے۔ (ميزان الاعتدال:3/166، ت:عمار بن عمر)

نیز فرماتے ہیں کہ یہ ''متہم بالکذب'' راوی ہے۔ (أيضا:1/325، ت:بشر بن مهران)

حافظ ابن حبان رحمہ اللہ اس کے بارے میں کہتے ہیں:

كَانَ صَاحِبَ حِكَايَاتٍ وَّأَخْبَارٍ يُعْتَبَرُ حَدِيثُهُ إِذَا رَوَى عَنِ الثِّقَاتِ، لِأَنَّهُ فِي رِوَايَتِهِ عَنِ الْمَجَاهِيلِ بَعْضُ الْمَنَاكِيرِ.

''یہ حکایات اور قصے کہانیاں بیان کرتا تھا۔ اس کی حدیث اس وقت معتبر ہوتی ہے جب وہ ثقہ راویوں سے بیان کرے، کیونکہ اس کی مجہول راویوں سے بیان کردہ روایات میں بعض مناکیر ہیں۔'' (الثقات:9/154)

④ اس کا استاذ عبداللہ بن ضحاک مرادی نامعلوم و مجہول ہے، لہٰذا اس روایت پر جرح مفسر ہوگئی ہے۔

اس میں مزید خرابیاں موجود ہیں۔ لہٰذا یہ جھوٹی روایت ہے۔

دلیل نمبر 23: ایک روایت یوں ہے:

تَوَسَّلُوا بِجَاهِي، فَإِنَّ جَاهِي عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيمٌ.

''تم میرے مقام و مرتبے کے وسیلے سے دعا کیا کرو، کیونکہ میرا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے۔''

ایک راویت کے الفاظ یوں ہیں:

إِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئَلُوهُ بِجَاهِي، فَإِنَّ جَاهِي عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيمٌ.

"جب تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو تو میرے مقام و مرتبے کے وسیلے سے مانگا کرو، کیونکہ میرا مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بلند ہے۔"

تبصرہ: یہ روایت بے اصل و بے ثبوت ہے۔ اس کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (م:728ھ) فرماتے ہیں:

وَرَوٰى بَعْضُ الْجُهَّالِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: إِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئَلُوهُ بِجَاهِي، فَإِنَّ جَاهِي عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيمٌ. وَهٰذَا الْحَدِيثُ كَذِبٌ، لَيْسَ فِي شَيْءٍ مِّنْ كُتُبِ الْمُسْلِمِينَ الَّتِي يَعْتَمِدُ عَلَيْهَا أَهْلُ الْحَدِيثِ، وَلَا ذَكَرَهُ أَحَدٌ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ، مَعَ أَنَّ جَاهَهُ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى أَعْظَمُ مِنْ جَاهِ جَمِيعِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ.

"بعض جاہل لوگ نبی اکرم ﷺ سے منسوب یہ روایت بیان کرتے ہیں۔۔۔ یہ روایت جھوٹی ہے۔ مسلمانوں کی کسی ایسی کتاب میں اس کا وجود نہیں جس پر محدثین کرام اعتماد کرتے تھے۔ محدثین میں سے کسی نے اس کا ذکر بھی نہیں کیا۔ یہ بات تو برحق ہے کہ آپ ﷺ کا مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام انبیاء و رسل سے بڑھ کر تھا (لیکن اس مقام و مرتبے کو وسیلہ بنانا شریعتِ اسلامیہ میں مشروع نہیں)۔" (قاعدة جليلة في التوسل والوسيلة، ص:252)

علامہ محمد بشیر سہسوانی رحمہ اللہ (م1326ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يَرْوِهِ أَحَدٌ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَلَا هُوَ فِي شَيْءٍ مِّنْ كُتُبِ الْحَدِيثِ.

"اسے کسی اہل علم نے روایت نہیں کیا، نہ ہی کتبِ حدیث میں سے کسی کتاب میں اس کا وجود ملتا ہے۔" (صيانة الإنسان عن وسوسة الشيخ دحلان، ص:188,189)

دلیل نمبر㉔: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ قرآنِ کریم سیکھتے تھے، لیکن جلدی بھول جاتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ دعا سکھائی:

اَللّٰھُمَّ إِنِّي أَسْئَلُکَ بِمُحَمَّدٍ نَّبِیِّکَ، وَإِبْرَاھِیمَ خَلِیلِکَ، وَمُوسٰی نَجِیِّکَ، وَعِیسٰی رُوحِکَ وَکَلِمَتِکَ، وِبِتَوْرَاۃِ مُوسٰی، وَإِنْجِیلِ عِیسٰی، وَزَبُورِ دَاوُدَ، وَفُرْقَانِ مُحَمَّدٍ، وَبِکُلِّ وَحْيٍ أَوْحَیْتَہٗ، وَقَضَاءٍ قَضَیْتَہٗ.

''اے اللہ! میں تجھ سے ان سب کے واسطے سے سوال کرتا ہوں۔ تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، تیرے خلیل ابراہیم علیہ السلام، تیری ہم کلامی کا شرف حاصل کرنے والے موسیٰ علیہ السلام، تیری روح وکلمہ عیسیٰ علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام کی تورات، عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل، داود علیہ السلام کی زبور، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن، تیری ہر وحی اور تیری تمام قضاء وقدر۔''

(جامع الأصول لابن الأثیر: 302/4، ح: 2302، قاعدۃ جلیلۃ لابن تیمیۃ، ص: 165,164، اللآلی المصنوعۃ في الأحادیث الموضوعۃ للسیوطي: 299,298/2)

تبصرہ: یہ جھوٹ کا پلندہ ہے جو کہ عبدالملک بن ہارون نے ترتیب دیا ہے۔

اس کے بارے میں امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ''کذاب'' ہے۔

(تاریخ یحیی بن معین: 376/2)

علامہ جوزجانی کہتے ہیں: دَجَّالٌ کَذَّابٌ.

''یہ بہت بڑا دھوکے باز اور سخت جھوٹا شخص ہے۔'' (أحوال الرجال، ص: 68)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے ''منکر الحدیث'' قرار دیا ہے۔ (الضعفاء الصغیر: 218)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اسے ''ضعیف الحدیث'' فرماتے ہیں۔ (العلل ومعرفۃ الرجال: 2648)

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَہٗ أَحَادِیثُ غَرَائِبُ عَنْ أَبِیہِ عَنْ جَدِّہٖ عَنِ الصَّحَابَۃِ، مِمَّا لَا یُتَابِعُہٗ عَلَیْہِ أَحَدٌ.

’’یہ اپنے باپ اور دادے کے واسطے سے صحابہ کرام سے منسوب منکر روایات بیان کرتا ہے۔ان روایات پر کوئی ثقہ راوی اس کی موافقت نہیں کرتا۔‘‘

(الکامل في ضعفاء الرجال: 529/6)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ مِمَّنْ يَضَعُ الْحَدِيثَ، لَا يَحِلُّ كِتَابَةُ حَدِيثِهِ إِلَّا عَلَى جِهَةِ الِاعْتِبَارِ.

’’یہ ان لوگوں میں سے تھا جو جعلی احادیث گھڑتے تھے۔اس کی حدیث کو صرف جانچ پرکھ کے طور پر لکھنا جائز ہے۔‘‘(کتاب المجروحین: 133/2)

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رَوٰى عَنْ أَبِيهِ أَحَادِيثَ مَوْضُوعَةً.

’’اس نے اپنے باپ سے جھوٹی روایات بیان کی ہیں۔‘‘(المدخل إلی کتاب الإکلیل: 129)

علامہ ابن عراق کنانی رحمہ اللہ مذکورہ روایت کے بارے میں فرماتے ہیں:

رَوَاهُ أَبُو الشَّيْخِ فِي الثَّوَابِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، مِنْ طَرِيقِ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ هَارُونَ الدَّجَّالِ.

’’اس روایت کو ابوالشیخ نے کتاب الثواب میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔اس کی سند دجال (سخت جھوٹے) راوی عبدالملک بن ہارون نے بیان کی ہے۔‘‘

(تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الأخبار الشنیعۃ الموضوعۃ: 322/2)

اس روایت کے بارے میں حافظ سیوطی کہتے ہیں:

عَبْدُ الْمَلِكِ دَجَّالٌ، مَعَ مَا فِي السَّنَدِ مِنَ الْإِعْضَالِ.

’’عبدالملک سخت جھوٹا راوی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ سند سخت منقطع بھی ہے۔‘‘

(اللآلی المصنوعۃ في الأحادیث الموضوعۃ: 299/2)

حافظ عراقی رحمہ اللہ (725-806ھ) فرماتے ہیں:

وَهُوَ مُنْقَطِعٌ بَيْنَ هَارُونَ وَأَبِي بَكْرٍ.

”اس روایت کی سند میں ہارون اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے۔“
(المغني عن حمل الأسفار في تخريج ما في الإحياء من الأخبار: 1/374)

دلیل نمبر ㉕: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُوعِيَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ حِفْظَ الْقُرْآنِ وَحِفْظَ أَصْنَافِ الْعِلْمِ، فَلْيَكْتُبْ هٰذَا الدُّعَاءَ فِي إِنَاءٍ نَظِيفٍ أَوْ فِي صَحْفَةِ قَوَارِيرَ بِعَسَلٍ وَزَعْفَرَانٍ وَمَاءِ مَطَرٍ، وَيَشْرَبُهُ عَلَى الرِّيقِ، وَلْيَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَلْيَكُنْ إِفْطَارُهُ عَلَيْهِ، فَإِنَّهُ يَحْفَظُهَا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ، وَيَدْعُو بِهِ فِي أَدْبَارِ صَلَوَاتِهِ الْمَكْتُوبَةِ: اللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّكَ مَسْئُولٌ لَمْ يُسْأَلْ مِثْلُكَ وَلَا يُسْأَلُ، أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ رَسُولِكَ وَنَبِيِّكَ، وَإِبْرَاهِيمَ خَلِيلِكَ وَصَفِيِّكَ، وَمُوسٰى كَلِيمِكَ وَنَجِيِّكَ، وَعِيسٰى كَلِمَتِكَ وَرُوحِكَ، وَأَسْأَلُكَ بِصُحُفِ إِبْرَاهِيمَ، وَتَوْرَاةِ مُوسٰى، وَزَبُورِ دَاوُدَ، وَإِنْجِيلِ عِيسٰى، وَفُرْقَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَسْأَلُكَ بِكُلِّ وَحْيٍ أَوْحَيْتَهُ، وَبِكُلِّ حَقٍّ قَضَيْتَهُ، وَبِكُلِّ سَائِلٍ أَعْطَيْتَهُ.

”جو شخص قرآنِ کریم اور علوم دینیہ کو یاد کرنا چاہے، وہ درج ذیل دعا کو ایک صاف برتن یا چاندی کی پلیٹ میں شہد، زعفران اور بارش کے پانی سے لکھے۔ پھر تین دن اسے نہار منہ پیے۔ وہ فرض نمازوں کے بعد بھی اس دعا کو پڑھے۔ إن شاء اللّٰہ! اسے سب کچھ یاد رہے گا۔ دعا یہ ہے: اے اللہ! میں تجھ سے اس لیے سوال کرتا ہوں کہ تیری جیسی کوئی ذات نہیں جس سے مانگا گیا ہو یا مانگا جائے گا۔ میں تجھ سے تیرے نبی اور رسول محمد ﷺ کے وسیلے، تیرے خلیل اور دوست ابراہیم علیہ السلام کے واسطے، تیرے کلیم موسیٰ علیہ السلام کے طفیل، تیرے کلمے اور روح عیسیٰ علیہ السلام کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں، نیز میں ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں، موسیٰ علیہ السلام کی تورات، داود علیہ السلام کی زبور،

عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل، محمد ﷺ کے قرآن، تیری ہر وحی، تیری تمام قضاء وقدر اور ہر اس سائل کے وسیلے سے مانگتا ہوں جسے تو نے عطا کیا ہے۔۔۔'' (الدعاء للطبراني: 3/1422، ح: 1334)

تبصرہ: یہ انتہائی جھوٹی روایت ہے۔ اس کو گھڑنے والا موسیٰ بن عبد الرحمٰن صنعانی راوی ہے۔ اس کے بارے میں:

① امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

دَجَّالٌ يَضَعُ الْحَدِيثَ، وَضَعَ عَلَى ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كِتَابًا فِي التَّفْسِيرِ.

''یہ سخت جھوٹا اور مکار انسان ہے۔ احادیث اپنی طرف سے گھڑنا اس کا مشغلہ تھا۔ اس نے عطاء عن ابن عباس کی سند سے تفسیر کی ایک کتاب خود گھڑ کر امام ابنِ جریج سے منسوب کی ہوئی تھی۔'' (کتاب المجروحین: 2/242)

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ''منکر الحدیث'' راوی ہے۔ (الکامل: 6/349)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: هَالِكٌ. ''یہ سخت ضعیف راوی ہے۔''

(المغني في الضعفاء: 6507)

تنبیہ ①: یہ روایت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(الموضوعات لابن الجوزي: 3/131، اللآلئ المصنوعة للسيوطي: 2/298)

لیکن یہ روایت بھی من گھڑت ہے۔ اس کو گھڑنے کا ارتکاب عمر بن صبح نامی راوی نے کیا ہے۔ اس کو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ''متروک الحدیث'' اور امام ابوحاتم رازی (الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم: 6/117) و امام ابن عدی (الکامل: 5/24) رحمہم اللہ نے ''منکر الحدیث'' قرار دیا ہے۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ مِمَّنْ يَضَعُ الْحَدِيثَ عَلَى الثِّقَاتِ، لَا يَحِلُّ كِتَابَةُ حَدِيثِهِ إِلَّا عَلَى جِهَةِ

التَعَجُّبِ لِأَهْلِ الصَّنَاعَةِ فَقَطْ.

"یہ شخص ثقہ راویوں سے منسوب کر کے اپنی طرف سے احادیث گھڑتا تھا۔اس کی حدیث کو صرف ماہرین فن حدیث لکھ سکتے ہیں اور وہ بھی صرف اور صرف بطور تعجب۔"(المجروحين:2/88)

امام ابونعیم اصبہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

رَوٰی عَنْ قَتَادَةَ وَمُقَاتِلِ الْمَوْضُوعَاتِ.

"اس نے قتادہ اور مقاتل کی طرف جھوٹی روایات منسوب کی ہیں۔"(الضعفاء:151)

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رَوٰی عَنْ قَتَادَةَ وَمُقَاتِلِ بْنِ حَيَّانَ أَحَادِيثَ مَوْضُوعَةً.

"اس نے قتادہ اور مقاتل بن حیان کی طرف منسوب کر کے جھوٹی احادیث گھڑی ہوئی ہیں۔"(المدخل إلى الصحيح:113)

حافظ ابن الجوزی اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مَوْضُوعٌ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالْمُتَّهَمُ بِهِ عُمَرُ بْنُ الصُّبْحِ.

"یہ حدیث رسول اکرم ﷺ کی طرف جھوٹی منسوب کی گئی ہے اور یہ کارروائی عمر بن صبح نامی راوی کی ہے۔"(الموضوعات:3/831)

حافظ سیوطی لکھتے ہیں: مَوْضُوعٌ، وَالْمُتَّهَمُ بِهِ عُمَرُ بْنُ صُبْحٍ.

"یہ من گھڑت روایت عمر بن صبح کی گھڑنت ہے۔"(اللآلي المصنوعة:2/298)

دوسری علت یہ ہے کہ یزید بن عمر بن عبدالعزیز کی توثیق بھی نہیں مل سکی۔

تنبیہ ②: یہ روایت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک اور سند کے ساتھ بھی مروی ہے۔(الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع للخطيب البغدادي:2/261، ت:1793، أخبار لحفظ

القرآن لابن عساکر:3)

لیکن اس کی سند بھی سخت ترین ''ضعیف'' ہے۔اس کے راوی موسیٰ بن ابراہیم مروزی کے بارے میں امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ ''متروک'' ہے۔

(تاریخ بغداد للخطیب البغدادي:13/40، وسندۂ حسن)

امام عُقیلی رحمہ اللہ نے اسے ''منکر الحدیث'' قرار دیا ہے۔(الضعفاء الکبیر:4/166)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس روایت کے بارے میں فرمایا ہے: فَمِنْ بَلَایَاهُ.

''یہ موسیٰ بن ابراہیم کی ایک گھڑنت ہے۔''(میزان الاعتدال:4/199)

حافظ سیوطی نے اسے ''کذاب'' قرار دیا ہے۔(اللآلی المصنوعۃ:2/298)

اس راوی کے بارے میں ادنیٰ کلمہ توثیق بھی ثابت نہیں۔

دلیل نمبر 26: ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قَالَ دَاوُدُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَسْأَلُكَ بِحَقِّ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ، فَقَالَ : أَمَّا إِبْرَاهِيمُ، فَأُلْقِيَ فِي النَّارِ فَصَبَرَ مِنْ أَجْلِي، وَتِلْكَ بَلِيَّةٌ لَمْ تَنَلْكَ، وَأَمَّا إِسْحَاقُ، فَبَذَلَ نَفْسَهُ لِلذَّبْحِ فَصَبَرَ مِنْ أَجْلِي، وَتِلْكَ بَلِيَّةٌ لَمْ تَنَلْكَ، وَأَمَّا يَعْقُوبُ، فَغَابَ يُوسُفُ عَنْهُ، وَتِلْكَ بَلِيَّةٌ لَمْ تَنَلْكَ .

''داوٗد علیہ السلام نے کہا:اے اللہ!میں تجھ سے اپنے آباواجداد،یعنی ابراہیم،اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے صبر کیا اور یہ شرف تجھے نہیں ملا۔اسحاق علیہ السلام نے اپنے آپ کو ذبح کے لیے پیش کر دیا اور میری خاطر صبر کیا اور یہ مصیبت تجھے نہیں پہنچی۔یعقوب علیہ السلام سے ان کے فرزند یوسف علیہ السلام گم ہو گئے اور یہ تکلیف تجھے نہیں پہنچی۔''(مسند البزار:1307)

تبصرہ: یہ یہودیانہ کارروائی ہے،جس میں سیدنا اسماعیل کے بجائے سیدنا

اسحاق علیہ السلام کو ذبیح قرار دیا گیا ہے، کیونکہ یہود کا ہی اس بات پر اصرار ہے کہ ذبیح اللہ سیدنا اسحاق علیہ السلام تھے، جبکہ قرآن و سنت کی روشنی میں مسلمان سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو ذبیح قرار دیتے ہیں۔ یہ تو تھی متن کی بات، رہی اس روایت کی سند تو وہ بھی کئی وجوہ سے سخت ترین ''ضعیف'' ہے۔

① اس کا راوی ابو سعید حسن بن دینار ''ضعیف ومتروک'' ہے۔

اس کے بارے میں امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَيْسَ بِشَيْءٍ.

''یہ بالکل قابل اعتبار نہیں۔'' (تاريخ ابن معين برواية العباس الدوري: 4157)

امام ابوخیثمہ اسے ''ضعیف الحدیث'' قرار دیتے ہیں۔

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 3/12، وسندهٗ صحيحٌ)

امام فلاس فرماتے ہیں:

وَاجْتَمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ مِنْ أَهْلِ الْحَدِيثِ أَنَّهُ لَا يُرْوٰى عَنِ الْحَسَنِ بْنِ دِينَارٍ.

''محدثین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حسن بن دینار سے کوئی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔'' (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 3/12، وسندهٗ صحيحٌ)

امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هُوَ مَتْرُوكُ الْحَدِيثِ، كَذَّابٌ، وَتَرَكَ أَبُو زُرْعَةَ حَدِيثَ الْحَسَنِ بْنِ دِينَارٍ.

''یہ متروک الحدیث اور سخت جھوٹا شخص ہے۔ امام ابوزرعہ رحمہ اللہ نے حسن بن دینار کی حدیث کو ترک کر دیا تھا۔'' (الجرح والتعديل: 3/12)

امام دارقطنی رحمہ اللہ بھی اسے ''متروک الحدیث'' قرار دیتے ہیں۔ (سنن الدارقطني: 1/162)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

تَرَكَهُ ابْنُ الْمُبَارَكِ وَوَكِيعٌ، وَأَمَّا أَحْمَدُ ابْنُ حَنْبَلٍ وَيَحْيَى بْنُ مَعِينٍ فَكَانَا

يُكَذِّبَانِهِ.

''امام عبداللہ بن مبارک اور امام وکیع ﷭ نے اسے چھوڑ دیا تھا، جبکہ امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین ﷭ نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے۔'' (کتاب المجروحین: 1/226)

امام ابن عدی ﷫ فرماتے ہیں:

وَهُوَ إِلَى الضُّعْفِ أَقْرَبُ مِنْهُ إِلَى الصِّدْقِ.

''یہ شخص سچائی کی نسبت کمزوری سے زیادہ قریب تھا۔'' (الکامل في ضعفاء الرجال: 2/303)

امام بزار ﷫ فرماتے ہیں: وَهُوَ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ فِي الْحَدِيثِ.

''یہ حدیث میں قوی نہیں۔'' (مسند البزار: 1307)

اس کے علاوہ بھی حسن بن دینار پر بہت سی جروح ثابت ہیں۔

② علی بن زید بن جدعان راوی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

علامہ ہیثمی ﷫ (مجمع الزوائد: 8/209)، علامہ بوصیری (مصباح الزجاجة: 84)، حافظ ابن العراقی (طرح التثریب: 7712)، حافظ ابن ملقن (البدر المنیر: 4/434)، علامہ بقاعی (نظم الدرر في تناسب الآیات والسور: 4/525) نے اسے جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

③ اس کی سند میں امام حسن بصری کی ''تدلیس'' بھی موجود ہے۔ سماع کی تصریح نہیں ملی۔

اس روایت کے بارے میں حافظ ابن کثیر ﷫ فرماتے ہیں:

لَمْ يَصِحَّ سَنَدُهُ، فَفِي إِسْنَادِهِ ضَعِيفَانِ، وَهُمَا الْحَسَنُ بْنُ دِينَارٍ الْبَصْرِيُّ مَتْرُوكٌ، وَعَلِيُّ بْنُ زَيْدِ بْنِ جُدْعَانَ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ.

''اس روایت کی سند صحیح نہیں، کیونکہ اس میں دو راوی ضعیف ہیں۔ ایک حسن بن دینار بصری ہے جو متروک الحدیث ہے اور دوسرا علی بن زید بن جدعان ہے جو منکر الحدیث ہے۔''

(تفسیر ابن کثیر: 5/355)

تنبیہ ①: احنف بن قیس، نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام نے فرمایا:

أَيْ رَبِّ! إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ يَسْأَلُونَكَ بِإِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ، فَاجْعَلْنِي يَا رَبِّ لَهُمْ رَابِعًا، فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَيْهِ أَنْ يَا دَاوُدُ! إِنَّ إِبْرَاهِيمَ أُلْقِيَ فِي النَّارِ فِي سَبَبِي فَصَبَرَ، وَتِلْكَ بَلِيَّةٌ لَمْ تَنَلْكَ، وَإِنَّ إِسْحَاقَ بَذَلَ نَفْسَهُ لِيُذْبَحَ فَصَبَرَ مِنْ أَجْلِي، فَتِلْكَ بَلِيَّةٌ لَمْ تَنَلْكَ، وَإِنَّ يَعْقُوبَ أَخَذْتُ حَبِيبَهُ حَتَّى ابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ فَصَبَرَ، وَتِلْكَ بَلِيَّةٌ لَمْ تَنَلْكَ.

''داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی: اے میرے رب! بنی اسرائیل تجھ سے ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام کے وسیلے سے مانگتے ہیں۔تو مجھے بھی ان تینوں کے ساتھ شامل کردے۔اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی: اے داؤد! ابراہیم تو آگ میں ڈالے گئے تھے اور انہوں نے صبر کیا تھا، یہ آزمائش تجھے تو نہیں پہنچی۔اسحٰق نے اپنے آپ کو ذبح ہونے کے لیے پیش کردیا تھا اور اس پر ڈٹ گئے، یہ آزمائش آپ سے تو نہیں ہوئی۔یعقوب کا محبوب (بیٹا یوسف) میں نے چھین لیا تھا، حتی کہ غم میں ان کی آنکھیں رو رو کر سفید ہو گئی تھیں، انہوں نے صبر کیا، یہ آزمائش تیرے پاس تو نہیں آئی۔(مصنف ابن أبي شیبة: 554/11)

اس کی سند درج ذیل تین وجہ سے ''ضعیف'' ہے:

① یہ ''مرسل'' روایت ہے۔احنف بن قیس تابعی ہیں اور ڈائریکٹ اس روایت کو نبی اکرم ﷺ سے بیان کررہے ہیں۔

② اس میں وہی علی بن زید بن جدعان راوی موجود ہے جس کے بارے میں مفصل بات ابھی گزری ہے۔

③ اس میں امام حسن بصری کی ''تدلیس'' بھی موجود ہے۔

اس راویت کے بارے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهٰذَا مُرْسَلٌ، وَفِيهِ نَكَارَةٌ، بِأَنَّ الصَّحِيحَ أَنَّ إِسْمَاعِيلَ هُوَ الذَّبِيحُ، وَلٰكِنْ عَلِيُّ بْنُ زَيْدِ بْنِ جُدْعَانَ لَهُ مَنَاكِيرُ وَغَرَائِبُ كَثِيرَةٌ.

''یہ روایت مرسل ہونے کے ساتھ ساتھ منکر بھی ہے کیونکہ ذبیح سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔علی بن زید بن جدعان راوی اس طرح کی منکر اور عجیب وغریب روایات بیان کرتا رہتا ہے۔''(تفسیر ابن کثیر:3/599،600)

تنبیہ ②: سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ دَاوُدَ: رَبِّ! أَسْمَعُ النَّاسَ يَقُولُونَ: رَبَّ إِسْحَاقَ، قَالَ: إِنَّ إِسْحَاقَ جَادَ لِي بِنَفْسِهِ.

''اللہ کے نبی داود علیہ السلام نے عرض کی: میرے رب! کیا وجہ ہے کہ میں لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنتا ہوں کہ اے اسحٰق کے رب! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسحٰق علیہ السلام نے میری خاطر اپنی جان پیش کردی تھی۔''(المستدرک للحاکم:2/556)

اس کی سند میں وہی دو خرابیاں موجود ہیں، یعنی علی بن زید بن جدعان ''ضعیف'' ہے اور امام حسن بصری ''مدلس'' ہیں۔لہٰذا امام حاکم رحمہ اللہ کا اسے ''صحیح'' کہنا صحیح نہیں۔

تنبیہ ③: مبارک بن فضالہ بھی اسی روایت کو حسن بصری سے مرفوعاً اور موقوفاً بیان کرتے ہیں۔(مسند البزار:1308)

لیکن اس کی سند بھی ''ضعیف'' ہے۔مبارک بن فضالہ اگرچہ جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ثقہ'' ہیں، جیسا کہ حافظ بوصیری لکھتے ہیں: وَثَّقَهُ الْجُمْهُورُ.

''انہیں جمہور نے ثقہ کہا ہے۔''(زوائد ابن ماجہ:520)

حافظ ہیثمی لکھتے ہیں: وَالْأَكْثَرُ عَلٰى تَوْثِيقِهِ.

''اکثر محدثین انہیں ثقہ کہتے ہیں۔'' (مجمع الزوائد: 54/1)

مگر یہ غضب کے ''مدلس'' بھی تھے، جیسا کہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

صَدُوقٌ، يُدَلِّسُ وَيُسَوِّي.

''یہ ہیں تو سچے لیکن تدلیس کرتا ہیں اور وہ بھی تدلیس تسویہ (تدلیس کی سب سے سخت قسم)۔'' (تقریب التہذیب: 6464)

انہوں نے سماع کی تصریح نہیں کی، لہٰذا سند ''ضعیف'' ہے۔

دوسری بات یہ کہ اس میں امام حسن بصری کی ''تدلیس'' بھی موجود ہے۔

دلیل نمبر 27: عبداللہ حذاء کا بیان ہے:

قَالَ يُوسُفُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اللّٰهُمَّ! إِنِّي أَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِ[illegible] آبَائِي، إِبْرَاهِيمَ خَلِيلِكَ، وَإِسْحَاقَ ذَبِيحِكَ، وَيَعْقُوبَ إِسْرَائِيلِكَ.

''یوسف علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ! میں تیرے دربار میں اپنے آباء [illegible] ابراہیم خلیل، اسماعیل ذبیح اور یعقوب اسرائیل کا وسیلہ پیش کرتا ہوں۔'' (حلية الأولياء لأبي نعيم [illegible] 9/10)

تبصرہ: اس کی سند سخت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① اس کے راوی حسین بن عبداللہ بن شاکر سمرقندی کو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔ (سؤالات الحاكم للدارقطني: 89)

البتہ ابوسعد ادریسی نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ لیکن ہمارا رجحان امام دارقطنی رحمہ اللہ کے قول کی طرف ہے، کیونکہ ادریسی متاخر ہیں۔

② قصہ گو عبداللہ حذاء کون ہے؟ اس روایت سے استدلال کرنے والے ذرا اس کے حالاتِ زندگی اور اس کی توثیق تو پیش کریں۔ نیز یہ بھی بتائیں کہ عبداللہ حذاء کا یوسف علیہ السلام

سے کیا واسطہ تھا؟

③ یہ روایت مسلمانوں کے اجماع کے بھی خلاف ہے، کیونکہ کوئی ثقہ مسلمان اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کا قائل نہیں۔

دلیل نمبر 28: امام اصمعی رحمہ اللہ سے مروی ہے:

وَقَفَ أَعْرَابِيٌّ مُقَابِلَ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنَّ هٰذَا حَبِيبُكَ، وَأَنَا عَبْدُكَ، وَالشَّيْطَانُ عَدُوُّكَ، فَإِنْ غَفَرْتَ لِي سُرَّ حَبِيبُكَ، وَفَازَ عَبْدُكَ، وَغَضِبَ عَدُوُّكَ، وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لِي غَضِبَ حَبِيبُكَ، وَرَضِيَ عَدُوُّكَ، وَهَلَكَ عَبْدُكَ، وَأَنْتَ أَكْرَمُ مِنْ أَنْ تُغْضِبَ حَبِيبَكَ، وَتُرْضِيَ عَدُوَّكَ، وَتُهْلِكَ عَبْدَكَ، اَللّٰهُمَّ! إِنَّ الْعَرَبَ الْكِرَامَ إِذَا مَاتَ فِيهِمْ سَيِّدٌ أَعْتَقُوا عَلٰى قَبْرِهٖ، وَإِنَّ هٰذَا سَيِّدُ الْعَالَمِينَ، فَأَعْتِقْنِي عَلٰى قَبْرِهٖ، قَالَ الْأَصْمَعِيُّ: فَقُلْتُ: يَا أَخَا الْعَرَبِ! إِنَّ اللهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ، وَأَعْتَقَكَ بِحُسْنِ هٰذَا السُّؤَالِ.

''ایک بدوی نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا: اے اللہ! یہ تیرا حبیب ہے، میں تیرا بندہ ہوں اور شیطان تیرا دشمن ہے۔ اگر تو مجھے معاف فرما دے تو تیرا حبیب راضی ہو جائے گا، تیرا بندہ کامیاب ہو جائے گا اور تیرا دشمن غصے میں آئے گا۔ اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا تو تیرا حبیب غصے میں آئے گا، تیرا دشمن راضی ہو جائے گا اور تیرا بندہ ہلاک ہو جائے گا۔ تو اس بات سے بلند ہے کہ اپنے حبیب کو غصہ دلائے، اپنے دشمن کو راضی کرے اور اپنے بندے کو ہلاک کرے۔ اے اللہ! معزز عربوں کی یہ عادت ہے کہ جب ان میں سے کوئی سردار فوت ہو جاتا ہے تو اس کی قبر پر غلاموں کو آزاد کرتے ہیں۔ یہ جہانوں کے سردار ہیں، لہٰذا ان کی قبر پر مجھے آزاد کر دے۔ اصمعی کہتے ہیں کہ میں نے اس بدوی سے کہا: اے عرب! تیرے اندازِ سوال کی بنا پر تجھے معاف کر دیا گیا ہے۔'' (وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفٰی للسمہودي: 4/214)

تبصرہ: یہ سفید جھوٹ ہے۔ امام اصمعی رحمہ اللہ تک سند مذکور نہیں۔ بعض امتیوں سے منقول بے سروپا روایات دین نہیں بن سکتیں۔

دلیل نمبر (29): عبداللہ بن جعفر بن ابوطالب (م:80ھ) کہتے ہیں:

كُنْتُ إِذَا سَأَلْتُ عَلِيًّا شَيْئًا، فَامْتَنَعَ، قُلْتُ لَهُ: بِحَقِّ جَعْفَرٍ، فَيُعْطِينِي.

''میں جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کوئی چیز مانگتا اور وہ نہ دیتے تو میں ان سے کہتا: جعفر کے واسطے! اس پر وہ مجھے دے دیتے۔''

(تاريخ يحيى بن معين برواية ابن محرز:1/168، كتاب الولاة للكندي:21، المعرفة والتاريخ للفسوي (توضيح المشتبه: 1/230)، صحيح ابن السكن (الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر:1/237)، الاستيعاب لابن عبدالبر:1/244، تاريخ دمشق لابن عساكر:56/389)

تبصرہ: یہ اثر بلحاظِ سند سخت ''ضعیف'' ہے۔ اس کا راوی مجالد بن سعید جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' اور غیر ثقہ ہے۔ اس کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مُجَالِدٌ، حَدِيثُهُ عَنْ أَصْحَابِهِ كَأَنَّهُ حُلْمٌ.

''مجالد کی اپنے اصحاب سے روایت بے اصل ہوتی ہے۔''

(كتاب المجروحين لابن حبان:3/11، وسندهٔ حسنٌ)

نیز فرماتے ہیں: حَدِيثُ مُجَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ كَأَنَّهُ حُلْمٌ.

''مجالد کی شعبی سے روایت بے اصل ہوتی ہے۔''

(مسائل الإمام أحمد وإسحاق بن راهويه:750)

مذکورہ بالا روایت بھی امام شعبی سے ہے، لہٰذا یہ جرح مفسر ہے اور روایت ''ضعیف'' ہے۔

نیز اسے امام شافعی (المجروحين لابن حبان: 3/11، وسنده حسنٌ)، حافظ ابن سعد (الطبقات الكبرى: 6/349)، حافظ جوزجانی (أحوال الرجال: 126)، امام نسائی (کتاب

الضعفاء والمتروکین، ص: 233)، (بعض علماء نے امام نسائی سے اس کا ثقہ ہونا بھی ذکر کیا ہے، لیکن اس کا ثبوت نہیں ملا)، امام دارقطنی (کتاب الضعفاء والمتروکین: 532)، امام یحییٰ بن معین (الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم: 362/8، وسندہ صحیح)، امام یحییٰ بن سعید (أیضا، وسندہ صحیح)، امام ابو حاتم رازی (أیضا)، امام عبد الرحمن بن مہدی (الکامل في ضعفاء الرجال لابن عدي: 421/6، وسندہ صحیح)، امام ابن عدی (أیضا: 423/6)، امام ترمذی (السنن: 648) وغیرہ نے ''ضعیف'' اور ''غیر محتج بہ'' کہا ہے۔

حافظ ابن عراقی فرماتے ہیں: وَقَدْ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ، وَقَدِ اخْتَلَطَ أَخِيرًا.

''اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ یہ آخری عمر میں مختلط ہو گیا تھا۔''

(طرح التثریب في شرح التقریب: 38/2)

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: وَقَدْ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

''اسے جمہور نے ضعیف کہا ہے۔'' (مجمع الزوائد: 33/5، 190)

علامہ عینی حنفی کہتے ہیں: وَمُجَالِدٌ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

''مجالد کو جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(عمدۃ القاري بشرح صحیح البخاري: 240/6، تحت حدیث: 934)

علامہ شوکانی لکھتے ہیں: وَقَدْ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

''اس کی جمہور نے تضعیف کر رکھی ہے۔'' (نیل الأوطار: 205/3، وفي نسخۃ: 273/2)

دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض اسے صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کا وہ معنی نہیں جو بعض لوگوں نے سمجھ لیا ہے، یعنی اس سے مراد یہ نہیں کہ عبد اللہ بن جعفر اپنے چچا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی قسم دیتے تھے، بلکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

فَإِنَّ بَعْضَ النَّاسِ ظَنَّ أَنَّ هٰذَا مِنْ بَابِ الْإِقْسَامِ عَلَيْهِ بِجَعْفَرٍ، أَوْ مِنْ بَابِ قَوْلِهِمْ: أَسْأَلُكَ بِحَقِّ أَنْبِيَائِكَ، وَنَحْوِ ذٰلِكَ، وَلَيْسَ كَذٰلِكَ، بَلْ جَعْفَرٌ هُوَ أَخُو

عَلِيٍّ، وَعَبْدُاللهِ هُوَ ابْنُهُ، وَلَهُ عَلَيْهِ حَقُّ الصِّلَةِ، فَصِلَةُ عَبْدِ اللهِ صِلَةٌ لِأَبِيهِ جَعْفَرٍ، كَمَا فِي الْحَدِيثِ: ((إِنَّ مِنْ أَبَرِّ الْبِرِّ أَنْ يَصِلَ الرَّجُلُ أَهْلَ وُدِّ أَبِيهِ بَعْدَ أَنْ يُوَلِّيَ))، وَقَوْلُهُ: ((إِنَّ مِنْ بِرِّهِمَا بَعْدَ مَوْتِهِمَا الدُّعَاءُ لَهُمَا، وَالِاسْتِغْفَارُ لَهُمَا، وَإِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا مِنْ بَعْدِهِمَا، وَصِلَةُ رَحِمِكَ الَّتِي لَا رَحِمَ لَكَ إِلَّا مِنْ قِبَلِهِمَا))، وَلَوْ كَانَ هٰذَا مِنَ الْبَابِ الَّذِي ظَنُّوهُ لَكَانَ سُؤَالُهُ لِعَلِيٍّ بِحَقِّ النَّبِيِّ وَإِبْرَاهِيمَ الْخَلِيلِ وَنَحْوِهِمَا، أَوْلَى مِنْ سُؤَالِهِ بِحَقِّ جَعْفَرٍ، فَكَانَ عَلِيٌّ إِلَى تَعْظِيمِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَحَبَّتِهِ وَإِجَابَةِ السَّائِلِ بِهِ أَسْرَعَ مِنْهُ إِلَى إِجَابَةِ السَّائِلِ بِغَيْرِهِ، لٰكِنْ بَيْنَ الْمَعْنَيَيْنِ فَرْقٌ.

''بعض لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ عبد اللہ بن جعفر نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سامنے جعفر رضی اللہ عنہ کا ذکر کر کے ان کو جعفر رضی اللہ عنہ کی قسم دی ہے یا ان کا یہ فعل انبیائے کرام کے بحق مانگنے کے مترادف ہے، حالانکہ ایسا بالکل نہیں۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں اور عبداللہ ان کے بیٹے ہیں۔ ان کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر اپنے والد کی وجہ سے حق رشتہ داری تھا، جیسا کہ حدیث میں ہے: سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ انسان اپنے والد کی وفات کے بعد اس کے تعلق داروں سے حسن سلوک کرے۔ نیز فرمایا: والدین کے ساتھ نیکی کی ایک صورت یہ ہے کہ ان کے لیے دُعا کی جائے، ان کے لیے مغفرت طلب کی جائے، ان کی وفات کے بعد ان کے کیے گئے وعدے پورے کیے جائیں اور اپنے والدین کی طرف سے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے۔۔۔ اگر اس سے مراد وہ وسیلہ یا واسطہ ہوتا جو ان لوگوں نے سمجھا ہے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابراہیم خلیل علیہ السلام وغیرہ کے واسطے سے مانگنا بحق جعفر مانگنے سے زیادہ فائدہ مند ہوتا، کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ یقیناً رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و تعظیم اور محبت کی وجہ سے سوالی کی مراد بحق جعفر مانگنے کی نسبت جلدی پوری کر دیتے۔ لیکن ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔''

(اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفة أصحاب الجحیم:2/329,330)

دلیل نمبر 30: امام شعبی تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَقَدْ رَأَيْتُ عَجَبًا، كُنَّا بِفِنَاءِ الْكَعْبَةِ أَنَا، وَعَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ، وَعَبْدُ اللهِ بْنُ الزُّبَيْرِ، وَمُصْعَبُ بْنُ الزُّبَيْرِ، وَعَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَرْوَانَ، فَقَالَ الْقَوْمُ بَعْدَ أَنْ فَرَغُوا مِنْ حَدِيثِهِمْ: لِيَقُمْ كُلُّ رَجُلٍ مِّنْكُمْ فَلْيَأْخُذْ بِالرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ، وَيَسْأَلِ اللهَ حَاجَتَهُ، فَإِنَّهُ يُعْطَى مِنْ سَاعَتِهِ، قُمْ يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ! فَإِنَّكَ أَوَّلُ مَوْلُودٍ وُلِدَ فِي الْهِجْرَةِ، فَقَامَ فَأَخَذَ بِالرُّكْنِ، ثُمَّ قَالَ: اللّٰهُمَّ! إِنَّكَ عَظِيمٌ، تُرْجَى لِكُلِّ عَظِيمٍ، أَسْأَلُكَ بِحُرْمَةِ وَجْهِكَ، وَحُرْمَةِ عَرْشِكَ، وَحُرْمَةِ نَبِيِّكَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَلَّا تُمِيتَنِي مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى تُوَلِّيَنِي الْحِجَازَ، وَيُسَلَّمَ عَلَيَّ بِالْخِلَافَةِ، وَجَاءَ حَتَّى جَلَسَ، فَقَالُوا: قُمْ يَا مُصْعَبَ بْنَ الزُّبَيْرِ! فَقَامَ حَتَّى أَخَذَ بِالرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ، فَقَالَ: اللّٰهُمَّ! إِنَّكَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ، وَإِلَيْكَ مَصِيرُ كُلِّ شَيْءٍ، أَسْأَلُكَ بِقُدْرَتِكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ، أَلَّا تُمِيتَنِي مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى تُوَلِّيَنِي الْعِرَاقَ، وَتُزَوِّجَنِي سُكَيْنَةَ بِنْتَ الْحُسَيْنِ، وَجَاءَ حَتَّى جَلَسَ، فَقَالُوا: قُمْ يَا عَبْدَ الْمَلِكِ بْنَ مَرْوَانَ! فَقَامَ حَتَّى أَخَذَ بِالرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ، فَقَالَ: اللّٰهُمَّ! رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ، وَرَبَّ الْأَرَضِينَ ذَاتِ النَّبْتِ بَعْدَ الْقَفْرِ، أَسْأَلُكَ بِمَا سَأَلَكَ عِبَادُكَ الْمُطِيعُونَ لِأَمْرِكَ، وَأَسْأَلُكَ بِحُرْمَةِ وَجْهِكَ، وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّكَ عَلَى جَمِيعِ خَلْقِكَ، وَبِحَقِّ الطَّائِفِينَ حَوْلَ بَيْتِكَ، أَلَّا تُمِيتَنِي مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى تُوَلِّيَنِي شَرْقَ الدُّنْيَا وَغَرْبَهَا، وَلَا يُنَازِعَنِي أَحَدٌ إِلَّا أَتَيْتُ بِرَأْسِهِ، ثُمَّ جَاءَ حَتَّى جَلَسَ، فَقَالُوا: قُمْ يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ! فَقَامَ حَتَّى أَخَذَ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَّ، ثُمَّ

قَالَ: اللّٰهُمَّ ! إِنَّکَ رَحْمٰنٌ رَّحِیْمٌ، أَسْأَلُکَ بِرَحْمَتِکَ الَّتِي سَبَقَتْ غَضَبَکَ، وَأَسْأَلُکَ بِقُدْرَتِکَ عَلٰی جَمِیْعِ خَلْقِکَ، أَلَّا تُمِیْتَنِي مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی تُوجِبَ لِيَ الْجَنَّةَ. قَالَ الشَّعْبِيُّ: فَمَا ذَهَبَتْ عَیْنَايَ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی رَأَیْتُ کُلَّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ قَدْ أُعْطِيَ مَا سَأَلَ، وَبُشِّرَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ بِالْجَنَّةِ، وَرُئِیَتْ لَهٗ.

''میرے ساتھ ایک بہت عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک دن میں، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، مصعب بن زبیر اور عبدالملک بن مروان خانہ کعبہ کے صحن میں بیٹھے تھے۔ جب سب لوگ اپنی باتوں سے فارغ ہوئے تو کہنے لگے: ہر شخص کھڑا ہو اور رکنِ یمانی پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرے۔ اس وقت اس کی دعا قبول ہوگی۔ پھر کہنے لگے: عبداللہ بن زبیر! آپ کھڑے ہوں کیونکہ آپ ہجرت کے بعد سب سے پہلے پیدا ہونے مسلمان تھے۔ عبداللہ بن زبیر کھڑے ہوئے اور رکن یمانی پکڑ کر عرض کی: اللہ! تو بہت بڑا ہے، ہر بڑے معاملے میں تجھ ہی سے امید لگائی جاتی ہے۔ میں تجھ سے تیرے چہرے، تیرے عرش اور تیرے نبی کی حرمت کے طفیل سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک میں حجاز کا حکمران نہ بن جاؤں اور مجھے خلیفہ نہ مان لیا جائے۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما واپس آ کر اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ لوگوں نے کہا: مصعب بن زبیر! اب تم جاؤ۔ وہ گئے اور رکن یمانی پکڑ کر یوں عرض گزار ہوئے: اللہ! تو ہر چیز کا مالک ہے۔ ہر چیز تیری ہی طرف لوٹ کر جانے والی ہے۔ میں ہر چیز پر تیری قدرت کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک موت نہ آئے جب تک میں عراق کا حکمران نہ بن جاؤں اور سکینہ بنت حسین سے میری شادی نہ ہو جائے۔ وہ آئے اور بیٹھ گئے۔ پھر لوگوں نے عبدالملک بن مروان سے کہا۔ وہ کھڑے ہوئے اور رکن یمانی تھام کر کہا: اللہ! تو ساتوں آسمانوں اور ان ساتوں زمینوں کا مالک ہے جو پہلے بنجر تھیں اور پھر سرسبز وشاداب ہو گئیں۔ میں تجھ سے اسی طرح سوال کرتا ہوں جس طرح تیرے فرمانبردار بندوں نے سوال کیا تھا۔ میں تجھ سے تیرے چہرے کی حرمت کے وسیلے، تمام مخلوقات پر تیرے حق کے طفیل اور

تیرے گھر کا طواف کرنے والے لوگوں کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک میں زمین کے مشرق و مغرب کا حکمران نہ بن جاؤں اور جو بھی مجھ سے مقابلہ کرے میں اس کا سر قلم کر دوں۔ وہ آئے اور بیٹھ گئے۔ لوگوں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا، وہ کھڑے ہوئے اور رکن یمانی پکڑ کر عرض کرنے لگے: میرے اللہ! تو رحمٰن و رحیم ہے۔ میں تیری اس رحمت کے طفیل سوال کرتا ہوں جو تیرے غصے پر غالب ہے، نیز میں تمام مخلوق پر تیری قدرت کے طفیل مطالبہ کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک موت نہ آئے جب تک تُو مجھ پر جنت واجب نہ کر دے۔ شعبی کہتے ہیں: میں نے مرنے سے پہلے ہر شخص کی دعا کو قبول ہوتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بھی جنت کی بشارت دے دی گئی اور ان کے لیے جنت آراستہ کر دی گئی۔“

(مجابو الدعوة لابن أبي الدنيا : 121, 120، المنتظم لابن الجوزي : 6/135, 134، تاریخ دمشق لابن عساکر: 31/171)

تبصرہ: یہ موضوع اور من گھڑت روایت ہے۔ اس جھوٹی روایت کو گھڑنے کا کارنامہ سخت جھوٹے شخص اسماعیل بن ابان غنوی نے سرانجام دیا ہے۔

اس کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَتَبْنَا عَنْهُ.... ثُمَّ حَدَّثَ أَحَادِيثَ.....مَوْضُوعَةً....، فَتَرَكْنَاهُ.

”ہم نے اس سے ---کچھ احادیث لکھی تھیں، پھر اس نے ---جھوٹی احادیث بیان کیں ---تو ہم نے اسے چھوڑ دیا۔“

(العلل ومعرفة الرجال للإمام أحمد برواية ابنه عبد الله: 3/211، ت:4912)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ”کذاب“ راوی ہے۔

(الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي: 1/502، وسندهٔ صحيحٌ)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے ”متروک الحدیث“ قرار دیا ہے۔ (کتاب الضعفاء: 16)

امام ابو حاتم رازی ؒ لکھتے ہیں: مَتْرُوكُ الْحَدِيثِ، كَانَ كَذَّابًا.

''یہ متروک الحدیث اور سخت جھوٹا راوی تھا۔'' (الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم: 160/2)

امام ابوزرعہ ؒ نے بھی اسے ''متروک الحدیث'' قرار دیا ہے۔ (أیضا)

امام دارقطنی ؒ نے اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔ (سنن الدارقطني: 329/1)

امام ابن حبان ؒ فرماتے ہیں: وَكَانَ يَضَعُ عَلَى الثِّقَاتِ.

''یہ ثقہ راویوں سے منسوب کرکے جھوٹی روایات گھڑتا تھا۔'' (کتاب المجروحین: 128/1)

علامہ جوزجانی کہتے ہیں: ظَهَرَ مِنْهُ عَلَى الْكَذِبِ.

''میں نے اس کا جھوٹ پکڑ لیا ہے۔'' (أحوال الرجال: 84)

② طارق بن عبدالعزیز نامی راوی کی توثیق نہیں مل سکی، بلکہ کتبِ رجال میں اس کا ذکر تک نہیں۔

③ اس سند میں سفیان ثوری کی ''تدلیس'' بھی موجود ہے۔ سماع کی تصریح نہیں مل سکی۔

دلیل نمبر ㉛: سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اذان سننے کے بعد یہ الفاظ کہے تو روزِ قیامت اسے میری شفاعت نصیب ہوگی:

بِحَقِّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ، آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ، وَابْعَثْهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُودَ الَّذِي وَعَدْتَهُ، إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ.

''اے اللہ! اس کامل دعوت اور قائم ہونے والی نماز کے طفیل محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلہ عطا فرما اور ان کو اس مقام محمود پر مبعوث فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔ بلاشبہ تو اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔''

(المعجم الأوسط للطبراني : 4654، المعجم الصغير للطبراني : 670، السنن الكبرى للبيهقي 1/410، الدعوات الكبير للبيهقي:49، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کے الفاظ کے متعلق حافظ ابن رجب رحمہ اللہ (736-795ھ) فرماتے ہیں:

وَهٰذَا اللَّفْظُ لَا إِشْكَالَ فِيهِ، فَإِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ جَعَلَ لِهٰذِهِ الدَّعْوَةِ وَلِلصَّلَاةِ حَقًّا كَتَبَهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ، وَلَا يُخْلِفُهٗ عَمَّنْ قَامَ بِهِمَا مِنْ عِبَادِهٖ، فَرَجَعَ الْأَمْرُ إِلَى السُّؤَالِ بِصِفَاتِ اللّٰهِ وَكَلِمَاتِهٖ.

”ان الفاظ میں کوئی اشکال نہیں، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس دعوت اور نماز کے بدلے (اپنے نبی کی شفاعت عطا کرنے کا) حق اپنے اوپر لازم کیا ہے۔ جو شخص ان دونوں چیزوں کا اہتمام کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے اپنے وعدے کو ضرور وفا کرتا ہے۔ یوں آخر کار معاملہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے کلمات (کے وسیلے) کا ہی ہے۔“ (فتح الباري:5/271)

علامہ محمد بشیر سہسوانی رحمہ اللہ (م:1326ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْمُرَادَ بِهٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ نَوْعُ الْأَذَانِ، لَا أَذَانُ مُؤَذِّنٍ مَخْصُوصٍ، كَمَا أَنَّ الْمُرَادَ مُطْلَقُ الصَّلَاةِ، لَا صَلَاةُ مُصَلٍّ مُعَيَّنٍ، فَغَايَةُ مَا يَثْبُتُ مِنْهُ التَّوَسُّلُ بِمُطْلَقِ الْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ مِنْ غَيْرِ إِضَافَتِهَا إِلٰى أَشْخَاصٍ مُعَيَّنِينَ، وَهُوَ بِمَعْزِلٍ عَنِ الْمَطْلُوبِ.

”اس دعوتِ کاملہ سے مراد نوعِ اذان ہے، کسی مخصوص مؤذن کی اذان یہاں مراد نہیں۔ اسی طرح نماز سے یہاں مطلق نماز مراد ہے، کسی خاص نمازی کی نماز نہیں۔ لہٰذا زیادہ سے زیادہ اس حدیث سے ثابت ہوگا کہ معین اشخاص کی طرف نسبت کیے بغیر نیک اعمال کو وسیلہ بنانا جائز ہے اور یہ صورت ان کے مقصود کے خلاف ہے۔“

(صيانة الإنسان عن وسوسة الشيخ دحلان، ص:203)

دلیل نمبر (32): امام شافعی کی طرف منسوب ایک ضعیف اور باطل روایت یوں ہے:

إِنِّي لَأَتَبَرَّكُ بِأَبِي حَنِيفَةَ، وَأَجِيءُ إِلَى قَبْرِهِ فِي كُلِّ يَوْمٍ، يَعْنِي زَائِرًا، فَإِذَا عَرَضَتْ لِي حَاجَةٌ صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ، وَجِئْتُ إِلَى قَبْرِهِ، وَسَأَلْتُ اللّٰهَ تَعَالَى الْحَاجَةَ عِنْدَهُ، فَمَا تَبْعُدُ عَنِّي حَتَّى تُقْضَى.

''میں امام ابو حنیفہ سے تبرک حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر پر ہر دن زیارت کے لیے آتا ہوں۔ جب مجھے کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو میں دو رکعتیں ادا کرتا ہوں اور ان کی قبر کی طرف جاتا ہوں اور وہاں اللہ تعالیٰ سے اپنی ضرورت کا سوال کرتا ہوں، جلد ہی وہ ضرورت پوری کر دی جاتی ہے۔'' (تاریخ بغداد للخطیب البغدادي: 135/1)

تبصرہ: یہ جھوٹی اور باطل روایت ہے۔ اس کے راوی عمر بن اسحاق بن ابراہیم کا کتبِ رجال میں کوئی نام و نشان نہیں ملتا۔ نیز علی بن میمون راوی کی بھی تعیین نہیں ہو سکی۔

اس کے باوجود محمد زاہد الکوثری حنفی جہمی نے اس کی سند کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

(مقالات الکوثری: 380)

جس روایت کے راوی کا حال یہ ہو کہ اس کا کتبِ رجال میں ذکر ہی نہ ہو، اس کی سند صحیح کیسے ہوئی؟ کیا یہ سب کچھ قبر پرستی کو تقویت دینے کے لیے تو نہیں کیا جا رہا؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (م 728ھ) اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَهٰذَا كَذِبٌ مَعْلُومٌ كَذِبُهُ بِالِاضْطِرَارِ عِنْدَ مَنْ لَهُ أَدْنٰى مَعْرِفَةٍ بِالنَّقْلِ، فَإِنَّ الشَّافِعِيَّ لَمَّا قَدِمَ بَغْدَادَ لَمْ يَكُنْ بِبَغْدَادَ قَبْرٌ يُنْتَابُ لِلدُّعَاءِ عِنْدَهُ الْبَتَّةَ، بَلْ وَلَمْ يَكُنْ هٰذَا عَلَى عَهْدِ الشَّافِعِيِّ مَعْرُوفًا، وَقَدْ رَأَى الشَّافِعِيُّ بِالْحِجَازِ وَالْيَمَنِ وَالشَّامِ

وَالْعِرَاقِ وَمِصْرَ مِنْ قُبُورِ الْأَنْبِيَاءِ وَالصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ، مَنْ كَانَ أَصْحَابُهَا عِنْدَهُ وَعِنْدَ الْمُسْلِمِينَ أَفْضَلَ مِنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَمْثَالِهِ مِنَ الْعُلَمَاءِ، فَمَا بَالُهُ لَمْ يَتَوَخَّ الدُّعَاءَ إِلَّا عِنْدَ قَبْرِ أَبِي حَنِيفَةَ، ثُمَّ أَصْحَابُ أَبِي حَنِيفَةَ الَّذِينَ أَدْرَكُوهُ مِثْلَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ وَزُفَرَ وَالْحَسَنِ بْنِ زِيَادٍ وَطَبَقَتِهِمْ لَمْ يَكُونُوا يَتَحَرَّوْنَ الدُّعَاءَ، لَا عِنْدَ قَبْرِ أَبِي حَنِيفَةَ وَلَا غَيْرِهِ، ثُمَّ قَدْ تَقَدَّمَ عَنِ الشَّافِعِيِّ مَا هُوَ ثَابِتٌ فِي كِتَابِهِ مِنْ كَرَاهَةِ تَعْظِيمِ قُبُورِ الصَّالِحِينَ خَشْيَةَ الْفِتْنَةِ بِهَا، وَإِنَّمَا يَضَعُ مِثْلَ هٰذِهِ الْحِكَايَاتِ مَنْ يَقِلُّ عِلْمُهُ وَدِينُهُ، وَإِمَّا أَنْ يَكُونَ الْمَنْقُولُ مِنْ هٰذِهِ الْحِكَايَاتِ عَنْ مَجْهُولٍ لَا يُعْرَفُ.

”یہ ایسی جھوٹی روایت ہے جس کا جھوٹا ہونا ہر اس شخص کو لازمی طور پر معلوم ہو جاتا ہے جو فن روایت سے ادنیٰ معرفت بھی رکھتا ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ جب بغداد تشریف لائے تو وہاں قطعاً کوئی ایسی قبر موجود نہیں تھی جس پر دعا کے لیے حاضر ہوا جاتا ہو۔ یہ چیز امام شافعی رحمہ اللہ کے دور میں معروف ہی نہیں تھی۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے حجاز، یمن، شام، عراق اور مصر میں انبیائے کرام اور صحابہ و تابعین کی قبریں دیکھی تھیں۔ یہ لوگ تو امام شافعی اور تمام مسلمانوں کے ہاں امام ابوحنیفہ اور ان جیسے دوسرے علماء سے افضل تھے۔ کیا وجہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے سوائے امام ابوحنیفہ کے کسی کی قبر پر دعا نہیں کی؟ پھر امام ابوحنیفہ کے وہ شاگرد جنہوں نے ان کی صحبت پائی تھی، مثلاً ابو یوسف، محمد (بن حسن)، ابو زفر اور حسن بن زیاد، نیز ان کے طبقے کے دوسرے لوگ امام ابوحنیفہ یا کسی اور کی قبر پر دعا نہیں کرتے تھے۔ پھر یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک نیک لوگوں کی قبروں کی تعظیم کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں فتنے کا خدشہ ہے۔ اس طرح کی جھوٹی روایات وہ لوگ گھڑتے ہیں جو علمی اور دینی اعتبار سے تنگ دست ہوتے ہیں یا پھر ایسی روایات مجہول اور غیر معروف لوگوں سے منقول ہوتی ہیں۔“

(اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفة أصحاب الجحیم، ص: 165)

شیخ الاسلام ثانی، عالم ربانی، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ (691-751ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ شَيْخُنَا قَدَّسَ اللّٰهُ رُوحَهُ: وَهٰذِهِ الْأُمُورُ الْمُبْتَدِعَةُ عِنْدَ الْقُبُورِ مَرَاتِبُ، أَبْعَدُهَا عَنِ الشَّرْعِ: أَنْ يَّسْأَلَ الْمَيِّتَ حَاجَتَهُ، وَيَسْتَغِيثُ بِهِ فِيهَا، كَمَا يَفْعَلُهُ كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ، قَالَ: وَهٰؤُلَاءِ مِنْ جِنْسِ عُبَّادِ الْأَصْنَامِ، وَلِهٰذَا قَدْ يَتَمَثَّلُ لَهُمُ الشَّيْطَانُ فِي صُورَةِ الْمَيِّتِ أَوِ الْغَائِبِ كَمَا يَتَمَثَّلُ لِعُبَّادِ الْأَصْنَامِ، وَهٰذَا يَحْصُلُ لِلْكُفَّارِ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَأَهْلِ الْكِتَابِ، يَدْعُو أَحَدُهُمْ مَنْ يُعَظِّمُهُ، فَيَتَمَثَّلُ لَهُ الشَّيْطَانُ أَحْيَانًا، وَقَدْ يُخَاطِبُهُمْ بِبَعْضِ الْأُمُورِ الْغَائِبَةِ، وَكَذٰلِكَ السُّجُودُ لِلْقَبْرِ، وَالتَّمَسُّحُ بِهِ وَتَقْبِيلُهُ، وَالْمَرْتَبَةُ الثَّانِيَةُ: أَنْ يَّسْأَلَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ بِهِ، وَهٰذَا يَفْعَلُهُ كَثِيرٌ مِّنَ الْمُتَأَخِّرِينَ، وَهُوَ بِدْعَةٌ بِاتِّفَاقِ الْمُسْلِمِينَ،..... اَلرَّابِعَةُ: أَنْ يَّظُنَّ أَنَّ الدُّعَاءَ عِنْدَ قَبْرِهٖ مُسْتَجَابٌ، أَوْ أَنَّهُ أَفْضَلُ مِنَ الدُّعَاءِ فِي الْمَسْجِدِ، فَيَقْصُدُ زِيَارَتَهُ وَالصَّلَاةَ عِنْدَهُ لِأَجْلِ طَلَبِ حَوَائِجِهٖ، فَهٰذَا أَيْضًا مِّنَ الْمُنْكَرَاتِ الْمُبْتَدِعَةِ بِاتِّفَاقِ الْمُسْلِمِينَ، وَهِيَ مُحَرَّمَةٌ، وَمَا عَلِمْتُ فِي ذٰلِكَ نِزَاعًا بَيْنَ أَئِمَّةِ الدِّينِ، وَإِنْ كَانَ كَثِيرٌ مِّنَ الْمُتَأَخِّرِينَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ، وَيَقُولُ بَعْضُهُمْ: قَبْرُ فُلَانٍ تِرْيَاقٌ مُّجَرَّبٌ، وَالْحِكَايَةُ الْمَنْقُولَةُ عَنِ الشَّافِعِيِّ أَنَّهُ كَانَ يَقْصُدُ الدُّعَاءَ عِنْدَ قَبْرِ أَبِي حَنِيفَةَ، مِنَ الْكَذِبِ الظَّاهِرِ.

"ہمارے استاذ قدس اللہ سرہٗ (شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ) نے فرمایا: قبروں کے پاس بدعت پر مبنی امور کے کئی مراتب ہیں۔ سب سے بڑھ کر شریعت کے منافی مرتبہ یہ ہے کہ میت سے اپنی حاجت روائی کا سوال کیا جائے اور اس سے مدد کی درخواست کی جائے جیسا کہ بہت سے لوگ کرتے ہیں۔ یہ لوگ بت پرستوں جیسے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات شیطان ان کے

سامنے کسی میت یا کسی غیر موجود شخص کی صورت بنا کر آتا ہے اور بت پرستوں کے ساتھ بھی وہ ایسا ہی کرتا ہے۔ مشرکوں، کافروں اور اہل کتاب کے ساتھ بھی ایسا ہوتا ہے۔ وہ اپنے ہاں قابل تعظیم ہستی کو پکارتے ہیں تو شیطان ان کے سامنے اس کی صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے اور کبھی کبھار تو انہیں بعض غیبی امور کی خبر بھی دیتا ہے۔۔۔ قبروں کو سجدہ کرنا، ان کو تبرک کی نیت سے چھونا اور ان کو چومنا بھی اسی مرتبے سے تعلق رکھتا ہے۔۔۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ قبر والوں کے طفیل اللہ تعالیٰ سے دُعا کی جائے۔ بہت سے متاخرین ایسا کرتے ہیں۔ اس کام کے بدعت ہونے پر مسلمانوں کا اتفاق ہے۔۔۔۔۔۔ چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ انسان کسی بزرگ کی قبر کے پاس دُعا کی قبولیت کا اعتقاد رکھے یا یہ سمجھے کہ وہاں دُعا کرنا مسجد میں دعا کرنے سے افضل ہے اور اسی خیال سے وہ قبر کی زیارت کو جائے اور وہاں اپنی حاجات کو پورا کرنے کے لیے نماز ادا کرے۔ مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ یہ کام بھی بڑی منکرات میں سے ہے جو کہ حرام ہیں۔ مجھے اس بارے میں ائمہ دین کا کوئی اختلاف معلوم نہیں۔ ہاں، متاخرین میں سے بہت سے لوگ اس میں مبتلا ہیں۔ بعض تو کہتے ہیں کہ فلاں کی قبر تجربہ شدہ تریاق ہے۔ امام شافعی کے بارے میں امام ابوحنیفہ کی قبر کے پاس دُعا کرنے کی جو روایت بیان کی جاتی ہے، وہ صاف جھوٹ ہے۔“

(إغاثۃ اللھفان من مصاید الشیطان: 218/1)

جناب سرفراز خان صفدر دیوبندی حیاتی صاحب (م:2009ء) لکھتے ہیں:

”یہ واقعہ ہی جھوٹا اور گھڑا ہوا ہے۔“ (باب جنت، ص:66)

دلیل نمبر (33): سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہونے کے بعد یوں دعا کیا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُکَ بِحَقِّ السَّائِلِینَ عَلَیْکَ.

”اے اللہ! میں اس حق کے وسیلے سے مانگتا ہوں جو تجھ پر سوال کرنے والوں کا ہے۔“

(مسند الدیلمي بحوالہ کنز العمال للمتقي الھندي: 4977)

تبصرہ: یہ سخت ”ضعیف“ روایت ہے، کیونکہ:

① عمرو بن عطیہ عوفی راوی ”ضعیف“ ہے۔ کسی نے اس کی توثیق نہیں کی۔ اس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فِي حَدِيثِهِ نَظَرٌ.

”اس کی روایت منکر ہوتی ہے۔“ (الضعفاء الکبیر للعقیلي:3/290، وسندۂ صحیح)

امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ ذرا بھی قوی نہیں۔ (الجرح والتعدیل:6/250)

امام دارقطنی رحمہ اللہ بھی اسے ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔ (کتاب الضعفاء والمتروکین:388)

حافظ ہیثمی نے بھی اسے ”ضعیف“ کہا ہے۔ (مجمع الزوائد:6/82)

② عطیہ عوفی راوی بھی جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ ہے، نیز یہ ”مدلس“ بھی ہے اور ”تدلیس تسویہ“ کا مرتکب تھا۔

دلیل نمبر 34: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کی: يَا إِلٰهَ إِبْرَاهِيمَ! أَسْأَلُكَ بِحَقِّ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلِكَ عَلَيْكَ، وَإِسْحَاقَ ذَبِيحِكَ عَلَيْكَ.

”اے ابراہیم کے الٰہ! میں تجھ سے تیرے خلیل ابراہیم علیہ السلام اور تیرے ذبیح اسحاق علیہ السلام کے اس حق کے وسیلے سوال کرتا ہوں جو ان کا تجھ پر ہے۔“

(تخریج أحادیث الکشاف للزیلعي:3/179)

تبصرہ: یہ باطل اور جھوٹی روایت ہے۔ خود علامہ زیلعی امام دارقطنی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مَوْضُوعٌ بَاطِلٌ، وَإِسْحَاقُ بْنُ وَهْبٍ الطَّرْطُوسِيُّ يَضَعُ الْحَدِيثَ عَلَى ابْنِ وَهْبٍ وَغَيْرِهِ، حَدَّثَ عَنْهُ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ أَحَادِيثَ لَا أَصْلَ لَهَا.

''یہ حدیث جھوٹی اور مردود ہے۔ اسحاق بن وہب طرطوسی راوی، ابن وہب اور دیگر ثقہ راویوں سے منسوب کر کے خودساختہ روایات بیان کرتا ہے۔ اس نے اسی سند کے ساتھ ابن وہب سے بہت سی بے بنیاد روایات بیان کی ہیں۔'' (أیضا)

دلیل نمبر (35): سیدنا سواد بن قارب سدوسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تو یہ اشعار کہے:

فَأَشْهَدُ أَنَّ اللّٰهَ لَا رَبَّ غَيْرُهُ ... وَأَنَّكَ مَأْمُونٌ عَلَى كُلِّ غَائِبِ

وَأَنَّكَ أَدْنَى الْمُرْسَلِينَ وَسِيلَةً ... إِلَى اللّٰهِ يَا ابْنَ الْأَكْرَمِينَ الْأَطَايِبِ

وَكُنْ لِي شَفِيعًا يَوْمَ لَا ذُو شَفَاعَةٍ ... سِوَاكَ بِمُغْنٍ عَنْ سَوَادِ بْنِ قَارِبِ

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ربّ نہیں، آپ ہر غائب کے محافظ ہیں اور اے معزز و پاکیزہ لوگوں کی اولاد! آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب رسولوں سے بڑھ کر مقام و مرتبہ رکھتے ہیں۔ آپ اس دن میرے لیے سفارشی بن جانا جس دن آپ کے سوا سواد بن قارب کو کسی کی سفارش فائدہ نہیں دے سکے گی۔'' (المعجم الکبیر للطبراني: 7/94، 95، ح: 6475، معجم الشیوخ لأبي یعلی: 329، المستدرک للحاکم: 3/610، ح: 6558، دلائل النبوۃ للبیهقي: 2/31، 32، دلائل النبوۃ لأبي نعیم الأصبهاني: 280، دلائل النبوۃ لأسماعیل الأصبهاني: 144)

تبصرہ: (۱) یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ:

① اس کا راوی عثمان بن عبدالرحمٰن وقاصی باتفاقِ محدثین ''ضعیف'' اور ''متروک'' ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

مَتْرُوكٌ وَكَذَّبَهُ ابْنُ مَعِينٍ.

''یہ متروک راوی ہے۔ امام ابن معین رحمہ اللہ نے اسے سخت جھوٹا قرار دیا ہے۔''

(تقریب التهذیب: 4494)

② اس کی سند میں انقطاع بھی ہے۔ محمد بن کعب قرظی کا سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سماع ولقاء نہیں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ (150-204ھ) فرماتے ہیں:

نَحنُ لَا نَقْبَلُ الْحَدِيثَ الْمُنْقَطِعَ.

''ہم (جماعتِ محدثین) منقطع حدیث کو قبول نہیں کرتے۔'' (الأم: 10/461)

حافظ ہیثمی نے اس کی سند کو ''ضعیف'' کہا ہے۔ (مجمع الزوائد: 8/250)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: الْإِسْنَادُ مُنْقَطِعٌ. ''یہ سند منقطع ہے۔''
(تلخیص المستدرک: 3/610)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَهٰذَا مُنْقَطِعٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

''یہ روایت اس سند سے منقطع ہے۔'' (السيرة النبوية: 1/346)

اس میں اور بھی علتیں اور خرابیاں ہیں۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اسْمُهُ عُثْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْوَقَّاصِيُّ، مُتَّفَقٌ عَلٰى تَرْكِهِ، وَعَلِيُّ بْنُ مَنْصُورٍ فِيهِ جَهَالَةٌ، مَعَ أَنَّ الْحَدِيثَ مُنْقَطِعٌ.

''(اس سند میں مذکور) ابو عبد الرحمن کا نام عثمان بن عبد الرحمن وقاصی ہے۔ اس کے متروک ہونے پر اجماع ہے۔ نیز علی بن منصور مجہول ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ حدیث منقطع بھی ہے۔'' (تاریخ الإسلام: 1/208، سیر أعلام النبلاء: 1/246)

(ب) اس کی مزید کئی سندیں ہیں۔ ان کا حال بھی ملاحظہ فرمائیں:

① اس کی ایک جھوٹی سند خرائطی کی ''ہواتف الجان'' (27) اور ابو نعیم اصبہانی کی ''معرفۃ الصحابۃ'' (3/1405، ح: 3551) میں مذکور ہے۔ اس کے راوی عبید اللہ بن ولید وصافی

کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: أَحَدُ الْمَتْرُوكِينَ.

''یہ متروک راوی ہے۔'' (تاریخ الإسلام: 216/9)

اسے امام نسائی وغیرہ نے ''متروک'' قرار دیا ہے۔ اس کے بارے میں ادنیٰ کلمہ توثیق بھی ثابت نہیں۔

حافظ بوصیری فرماتے ہیں: أَجْمَعُوا عَلٰى ضَعْفِهٖ.

''اہل علم کا اس کے ضعیف ہونے پر اجماع واتفاق ہے۔''

(اتحاف الخیرۃ المہرۃ: 477/1، ح: 888)

اس میں اور بھی خرابیاں موجود ہیں۔

② امام بیہقی رحمہ اللہ کی کتاب ''دلائل النبوۃ'' (249/2) میں بھی اس کی ایک سند موجود ہے۔ وہ بھی سخت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

۱، ۲۔ محمد بن تراس کوفی اور زیاد بن یزید بن بارویہ ابوبکر قصوی، دونوں ''مجہول'' ہیں۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ اس حدیث کو ''منکر'' قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَمُحَمَّدُ بْنُ تُرَاسٍ وَّزِيَادٌ مَّجْهُولَانِ، لَا تُقْبَلُ رِوَايَتُهُمَا، وَأَخَافُ أَنْ يَّكُونَ مَوْضُوعًا عَلٰى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَيَّاشٍ.

''محمد بن تراس اور زیاد دونوں مجہول ہیں، ان کی روایت قبول نہیں ہو سکتی۔ مجھے خدشہ ہے کہ اسے گھڑ کر ابوبکر بن عیاش کے ذمے لگا دیا گیا ہے۔'' (سیر أعلام النبلاء: 245/1)

یہ سخت ''ضعیف'' اور باطل روایت انہی نامعلوم افراد کی کارستانی ہو سکتی ہے۔

۳۔ ابواسحاق سبیعی ''مدلس'' ہیں۔

③ علامہ سیوطی نے ''الخصائص الکبریٰ'' (255/1) اور ابونعیم اصبہانی نے ''معرفۃ الصحابۃ'' (3552) میں مسند حسن بن سفیان کے حوالے سے اس کی ایک سند ذکر کی ہے۔

یہ بھی سخت ترین ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

۱۔ اس میں حسن بن عمارہ جمہور کے نزدیک "ضعیف" ہے۔

اس کے بارے میں:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضَعَّفَهُ الْجُمْهُوْرُ.

"اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔" (طبقات المدلسین:53)

نیز فرماتے ہیں: وَالْحَسَنُ ضَعِيفٌ جِدًّا.

"حسن سخت ترین ضعیف ہے۔" (التلخیص الحبیر:1/409)

حافظ سہیلی فرماتے ہیں: فَهُوَ ضَعِيفٌ بِإِجْمَاعِ أَهْلِ الْحَدِيثِ.

"محدثین کرام کا اجماع ہے کہ یہ ضعیف راوی ہے۔"

(الروض الأنف:6/43، نصب الرایة للزیلعي الحنفي:2/311)

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: ضَعَّفَهُ شُعْبَةُ وَ جَمَاعَةٌ كَثِيرَةٌ.

"اسے امام شعبہ اور اہل علم کی ایک بڑی جماعت نے ضعیف قرار دیا ہے۔"

(مجمع الزوائد:2/289، ح:3721)

حافظ بوصیری لکھتے ہیں: وَقَدْ تَكَلَّمُوا فِيهِ كَثِيرًا، كَذَّبَهُ شُعْبَةُ، وَنَقَلَ السَّاجِي إِجْمَاعَ أَهْلِ الْحَدِيثِ عَلَى تَرْكِ حَدِيثِهِ، وَفِيهِ كَلَامٌ كَثِيرٌ جِدًّا.

"محدثین کرام نے اس کے بارے میں بہت زیادہ کلام کیا ہے۔ امام شعبہ رحمہ اللہ نے اسے کذاب قرار دیا ہے اور امام ساجی نے اس کی حدیث کو چھوڑ دینے پر محدثین کا اجماع نقل کیا ہے۔ اس پر بہت زیادہ جرح موجود ہے۔" (اتحاف الخیرة المهرة:2/80، ح:1075)

ثابت ہوا کہ یہ متروک راوی ہے۔ یہ "مدلس" بھی ہے۔

۲۔ اس سند میں موجود عراک بن خالد بن یزید نامی راوی کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَيِّنٌ. "یہ کمزور راوی ہے۔" (تقریب التهذیب:4548)

④ امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے ''تاریخ دمشق'' (322/72) میں بھی اس کی ایک سند ذکر کی ہے۔ وہ بھی جھوٹی اور باطل ہے، کیونکہ اس کا بیان کرنے والا الحکم بن یعلی بن عطاء رعینی راوی ''متروک'' اور ''ضعیف'' ہے۔

⑤ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ''السیرۃ النبویۃ'' (349/1) میں ایک سند نقل کی ہے۔ وہ بھی خود ساختہ ہے، اس کو محمد بن سائب کلبی نے گھڑا ہے جو باتفاقِ محدثین سخت جھوٹا اور ''ضعیف'' ہے۔

⑥ علامہ سیوطی نے ''الخصائص الکبریٰ'' (255/1) میں امام ابن شاہین رحمہ اللہ کے حوالے سے ایک سند لکھی ہے۔ وہ بھی انتہائی جھوٹی ہے۔ اس کو علاء بن یزید نامی راوی نے تراشا ہے۔ یہ ''منکر الحدیث''، ''متروک الحدیث'' اور احادیث گھڑنے والا راوی ہے۔ اسی طرح اس کا شاگرد فضل بن عیسیٰ رقاشی بھی ''متروک'' اور ''ضعیف'' ہے۔

پھر مزے کی بات یہ ہے کہ اس روایت میں وسیلے سے مراد مقام و مرتبہ اور قدر و منزلت ہے اور ان اشعار میں روزِ قیامت شفاعت کی درخواست ہے۔

دلیل نمبر 36: سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قُلْتُ لِعَلِيٍّ : يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ! أَسْأَلُكَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ، إِلَّا خَصَصْتَنِي بِأَعْظَمِ مَا خَصَّكَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاخْتَصَّهُ بِهِ جِبْرِيلُ، وَأَرْسَلَهُ بِهِ الرَّحْمٰنُ، فَضَحِكَ، ثُمَّ قَالَ لَهُ : يَا بَرَاءُ ! إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَدْعُوَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ بِاسْمِهِ الْأَعْظَمِ، فَاقْرَأْ مِنْ أَوَّلِ سُورَةِ الْحَدِيدِ إِلٰى آخِرِ سِتِّ آيَاتٍ مِنْهَا، إِلٰى ﴿عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾، وَآخِرِ سُورَةِ الْحَشْرِ، يَعْنِي أَرْبَعَ آيَاتٍ، ثُمَّ ارْفَعْ يَدَيْكَ، فَقُلْ : يَا مَنْ هُوَ هٰكَذَا، أَسْأَلُكَ بِحَقِّ هٰذِهِ الْأَسْمَاءِ أَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ، وَأَنْ تَفْعَلَ بِي كَذَا وَكَذَا، مِمَّا تُرِيدُ، فَوَالَّذِي لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ لَتُقْبَلَنَّ بِحَاجَتِكَ

إِنْ شَاءَ اللہ۔

”میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المومنین! میں اللہ و رسول کے واسطے آپ سے کہتا ہوں کہ مجھے وہ سب سے بڑی چیز دے دیجیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف آپ کو اور جبریل نے اللہ کی طرف سے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مسکرائے، پھر فرمایا: اے براء! جب تم چاہو کہ اللہ سے کچھ مانگو تو اسم اعظم کے ذریعے مانگو۔ سورۂ حدید کی پہلی چھے آیات اور سورۂ حشر کی آخری چار آیات پڑھ لو، پھر اپنے ہاتھ اٹھاؤ اور کہو: اے وہ ذات جو ان اوصاف سے متصف ہے! میں تجھ سے ان اسمائے حسنیٰ کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر درود و سلام نازل فرما اور مجھے یہ یہ چیز عطا فرما۔ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، تیری حاجت ضرور پوری کر دی جائے گی، ان شاء اللہ۔“

(ابن النجار بحواله كنز العمال للمتقي الهندي: 2/249,248)

تبصرہ: یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ:

① اس کا راوی عمرو بن ثابت بن ہرمز ”متروک و کذاب“ ہے۔

② اس میں کئی راوی مجہول ہیں، مثلاً احمد بن ادریس بن احمد بن نصر بن مزاحم، محمد بن محمد بن عبدالعزیز عسکری اور ابوعبداللہ محمد بن فضل اخباری وغیرہ۔

حافظ سیوطی (849-911ھ) نے اس کی سند کو ”ضعیف“ کہا ہے۔ (الدر المنثور: 8/49)

تنبیہ: اس کی ایک سند ابوعلی عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد بن فضالہ نیشاپوری کے ”فوائد“ (21) میں بھی آئی ہے۔ یہ بھی جھوٹی سند ہے جو درج ذیل افراد میں سے کسی کی کارروائی ہے:

① رافع بن عبداللہ فقیہ کے حالاتِ زندگی نہیں مل سکے۔

② احمد بن محمد بن یونس کون ہے؟

③ معروف بن موسیٰ کی توثیق نہیں ملی۔

④ عبدالعزیز بن حیلہ کا کتبِ جرح وتعدیل میں نام ونشان تک نہیں ملتا۔

⑤ صاحبِ کتاب ابوعلی عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد بن فضلہ خود رافضی تھا۔ اس کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ اسی کی کارروائی ہے۔

اس طرح کی سندیں تو ان لوگوں کا متاعِ عظیم ہوتی ہیں جو سند کو دین نہیں مانتے۔

دلیل نمبر (37): سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

كَانَتْ يَهُودُ خَيْبَرَ تُقَاتِلُ غَطَفَانَ، فَكُلَّمَا الْتَقَوْا هُزِمَتْ يَهُودُ خَيْبَرَ، فَعَاذَتِ الْيَهُودُ بِهٰذَا الدُّعَاءِ: اَللّٰهُمَّ! إِنَّا نَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي وَعَدْتَنَا أَنْ تُخْرِجَهُ لَنَا فِي آخِرِ الزَّمَانِ، إِلَّا نَصَرْتَنَا عَلَيْهِمْ، قَالَ: فَكَانُوا إِذَا الْتَقَوْا دَعَوْا بِهٰذَا الدُّعَاءِ، فَهَزَمُوا غَطَفَانَ، فَلَمَّا بُعِثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفَرُوا بِهِ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ: ﴿وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ﴾ (البقرة2:89) بِكَ يَا مُحَمَّدُ عَلَى الْكَافِرِينَ.

''خیبر کے یہود کی بنو غطفان سے لڑائی تھی۔ جب بھی میدان سجتا یہود شکست کھاتے۔ آخر یہود نے اس دُعا کے ذریعے پناہ پکڑی: اے اللہ! ہم تجھ سے اس اُمّی نبی محمد ﷺ کے طفیل سوال کرتے ہیں جس کو آخر زمانے میں مبعوث کرنے کا تُو نے ہمیں وعدہ دیا ہے کہ ہماری نصرت فرما۔ اس کے بعد جب بھی مڈبھیڑ ہوتی یہود، بنو غطفان کو شکست دیتے۔ جب نبی اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ سے کفر شروع کر دیا۔ اسی بارے میں یہ فرمانِ باری تعالیٰ نازل ہوا: ﴿وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ﴾ (البقرة2:89) (اس سے پہلے یہ یہود اللہ تعالیٰ سے فتح طلب کیا کرتے تھے) [اے محمد! آپ کے طفیل]۔'' (المستدرک للحاکم: 2/263، ح: 3042، الشریعة للآجری: 448، دلائل النبوة للبیهقي: 2/76)

تبصرہ: یہ جھوٹی روایت ہے۔ اس کی سند میں عبدالملک بن ہارون بن عنترہ

راوی ''کذاب'' اور ''متہم'' ہے۔ اس کے بارے میں:

علامہ ہیثمی لکھتے ہیں: وَهُوَ مُجْمَعٌ عَلٰى ضَعْفِهٖ.

''اس کے ضعیف ہونے پر محدثین کرام کا اتفاق ہے۔'' (مجمع الزوائد: 10/150)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے اسے ''کذاب'' کہا ہے۔ (تاریخ ابن معین بروایة الدوري: 1688)

علامہ جوزجانی اسے دجال اور کذاب قرار دیتے ہیں۔ (أحوال الرجال: 77)

امام بخاری رحمہ اللہ (التاریخ الکبیر: 5/436) اسے ''منکر الحدیث''، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (العلل ومعرفة الرجال: 2648) ''ضعیف الحدیث''، امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ (الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم: 5/374) ''متروک الحدیث، ذاہب الحدیث'' اور امام نسائی رحمہ اللہ (کتاب الضعفاء والمتروکین: 384) ''متروک الحدیث'' کہتے ہیں۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: كَانَ مِمَّنْ يَّضَعُ الْحَدِيْثَ.

''یہ جھوٹی احادیث گھڑنے والا شخص تھا۔'' (کتاب المجروحین: 2/133)

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مَتْرُوْكٌ يَّكْذِبُ.

''یہ متروک اور کذاب شخص ہے۔'' (سؤالات البرقاني للدارقطني: 252، 253)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے ''متروک ہالک'' (پرلے درجے کا جھوٹا) قرار دیا ہے۔

(تلخیص المستدرک: 2/213، ح: 3042)

نیز فرماتے ہیں: مَتْرُوْكٌ بِالْاِتِّفَاقِ. ''یہ بالاتفاق متروک ہے۔''

(أیضا: 81088)

اس کے بارے میں توثیق و توصیف کا ادنیٰ کلمہ بھی ثابت نہیں۔

امام حاکم رحمہ اللہ خود اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

رَوٰى عَنْ أَبِيْهِ أَحَادِيْثَ مَوْضُوْعَةً.

''اس نے اپنے باپ سے من گھڑت روایات نقل کی ہیں۔'' (المدخل: 170)

لہٰذا حافظ سیوطی (الدر المنثور: 1/216) کا اس کی سند کو صرف ''ضعیف'' کہنا صحیح نہیں، بلکہ

یہ موضوع و مکذوب سند ہے۔

دلیل نمبر (38): سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر یہ مرثیہ پڑھا:

أَلَا یَا رَسُولَ اللّٰہِ کُنْتَ رَجَائَنَا ۔۔۔ وَکُنْتَ بِنَا بَرًّا، وَلَمْ تَکُ جَافِیَا

''اے اللہ کے رسول! آپ ہماری امید تھے۔ آپ ہم سے اچھا سلوک کرتے تھے، سختی و زیادتی نہیں کرتے تھے۔'' (المعجم الکبیر للطبراني: 24/320، ح: 805)

تبصرہ: اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① عبداللہ بن لہیعہ راوی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔ نیز یہ ''مدلس'' اور ''مختلط'' بھی ہے۔

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (463-368ھ) فرماتے ہیں:

وَابْنُ لَهِيعَةَ، أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يَقْبَلُونَ شَيْئًا مِنْ حَدِيثِهِ.

''اکثر اہل علم ابن لہیعہ کی کوئی بھی حدیث قبول نہیں کرتے۔''

(التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد: 12/254)

حافظ نووی رحمہ اللہ (676-631ھ) فرماتے ہیں:

وَهُوَ ضَعِيفٌ بِالِاتِّفَاقِ لِاخْتِلَالِ ضَبْطِهِ.

''ابن لہیعہ حافظے کی خرابی کی بنا پر بالاتفاق ضعیف ہے۔''

(خلاصة الأحكام: 2/625)

حافظ ہیثمی (807-735ھ) کہتے ہیں: وَالْأَكْثَرُ عَلَى ضَعْفِهِ.

''اکثر اہل علم اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔'' (مجمع الزوائد: 7/13)

نیز فرماتے ہیں: وَابْنُ لَهِيعَةَ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

''ابن لہیعہ کو جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (مجمع الزوائد: 10/365)

ابن ترکمانی حنفی (683-750ھ) لکھتے ہیں: وَقَدْ ضَعَّفَهُ جَمَاعَةٌ.

''محدثین کی ایک بڑی جماعت نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (الجوهر النقي: 3/286)

حافظ سخاوی رحمہ اللہ (831-902ھ) فرماتے ہیں: وَهُوَ مِمَّنْ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

''یہ ان راویوں میں سے ہے جنہیں جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (فتح المغيث: 221)

حافظ ابراہیم بن موسیٰ ابواسحاق ابناسی (م: 802ھ) کہتے ہیں: ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

''اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (الشذا الفياح من علوم ابن الصلاح: 1/201)

ابن عراقی (762-826ھ) فرماتے ہیں: ضَعِيفٌ عِنْدَ الْأَكْثَرِ.

''یہ جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔'' (طرح التثريب: 6/64)

حافظ سیوطی (م: 911ھ) کہتے ہیں: وَهُوَ ضَعِيفٌ عِنْدَ الْجُمْهُورِ.

''ابن لہیعہ جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔'' (تدريب الراوي: 1/297)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) فرماتے ہیں کہ ابن لہیعہ ''ضعیف الحدیث'' ہے۔ (تغليق التعليق: 3/239)

② عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کا سیدہ صفیہ سے سماع و لقاء ممکن نہیں۔ عروہ کی ولادت ۲۹ ہجری کو ہوئی، جبکہ سیدہ صفیہ ۱۹ ہجری کو وفات پا گئی تھیں۔ ۱۰ سال بعد پیدا ہونے والا انسان سیدہ صفیہ سے وہ مرثیہ کیسے سن سکتا ہے جو انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی وفات کے موقع پر پڑھا۔ لہٰذا حافظ ہیثمی (مجمع الزوائد: 9/39) کا اس کی سند کو ''حسن'' قرار دینا بالکل غلط ہے۔

③ اس ضعیف روایت میں بھی مروجہ وسیلے کا سرے سے کوئی ذکر نہیں۔ اس روایت کے مطابق سیدہ صفیہ تو کہہ رہی ہیں کہ آپ زندگی میں ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے۔ بعض لوگوں کے مطابق تو آپ ﷺ وفات کے بعد بھی وفات سے پہلے کی طرح زندہ ہیں، لہٰذا

یہ روایت ان کے عقیدے پر ضربِ کاری ہے۔ اگر آپ اسی طرح زندہ ہوتے اور لوگوں کے مسائل حل فرماتے تو اس مرثیے کا کیا معنیٰ کہ آپ زندگی میں ہمارے ساتھ حسن سلوک کرتے تھے؟؟؟

جن لوگوں کے دلائل بودے ہوں اور دعوی و دلیل میں مطابقت نہ ہو، اکثر ایسے لوگوں کے دلائل انہی کے خلاف ہو جایا کرتے ہیں۔ اس روایت کا مطلب بالکل صاف ہے کہ آپ ﷺ سے ہماری کئی امیدیں وابستہ تھیں لیکن آپ دنیا چھوڑ کر چلے گئے۔

تنبیہ: اس روایت کی ایک دوسری سند احمد بن مروان دینوری کی کتاب ''المجالسۃ وجواہر العلم'' (758) میں ہے۔ یہ سند بھی باطل ہے، کیونکہ:

① خود صاحبِ کتاب احمد بن مروان دینوری ''متکلم فیہ'' ہے۔

② اس کے استاذ عامر بن عبداللہ زبیری کی توثیق بھی نہیں ملی۔

③ اس کے راوی مصعب بن ثابت کو جمہور محدثین کرام نے ''ضعیف'' کہا ہے۔ امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین، امام ابوحاتم رازی، امام ابوزرعہ رازی، امام نسائی، حافظ ابن سعد، حافظ جوزجانی، امام دارقطنی وغیرہم نے اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ''لَیِّنُ الحدیث'' کہا ہے۔ (تقریب التهذیب:6686)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَيِّنٌ لِغَلَطِهٖ.

''اپنی غلطیوں کی بنا پر یہ کمزور راوی ہے۔'' (الكاشف:3/130)

دلیل نمبر 39: وَعَنْ كَعْبِ الْأَحْبَارِ أَنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانُوا إِذَا قُحِطُوا، اسْتَسْقَوْا بِأَهْلِ بَيْتِ نَبِيِّهِمْ.

''کعب احبار سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل پر جب قحط پڑتا تو وہ اپنے نبی کے گھر والوں کے وسیلے بارش طلب کرتے تھے۔''

(عمدة القاري للعيني الحنفي:7/32)

تبصرہ: یہ بے سند اور جھوٹی بات ہے جو بعض لوگوں کا دین بن گئی ہے۔ دوسری

بات یہ ہے کہ اس جھوٹی روایت کا مطلب بھی یہ ہے کہ ان سے بارش کے لیے دُعا کرائی جاتی تھی۔ ناجائز وسیلے کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

دلیل نمبر 40: کعب بن ماتع احبار تابعی سے روایت ہے:

إِنَّ نُورَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - لَمَّا صَارَ إِلَى عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَأَدْرَكَ، نَامَ يَوْمًا فِي الْحِجْرِ، فَانْتَبَهَ مَكْحُولًا مَدْهُونًا، قَدْ كُسِيَ حُلَّةَ الْبَهَاءِ وَالْجَمَالِ، فَبَقِيَ مُتَحَيِّرًا لَا يَدْرِي مَنْ فَعَلَ بِهِ ذٰلِكَ، فَأَخَذَهُ أَبُوهُ بِيَدِهِ، ثُمَّ انْطَلَقَ بِهِ إِلَى كَهَنَةِ قُرَيْشٍ، فَأَخْبَرَهُمْ بِذٰلِكَ، فَقَالُوا لَهُ: اعْلَمْ أَنَّ إِلٰهَ السَّمَاوَاتِ قَدْ أَذِنَ لِهٰذَا الْغُلَامِ أَنْ يَتَزَوَّجَ، فَزَوَّجَهُ قَيْلَةَ، فَوَلَدَتْ لَهُ الْحَارِثَ ثُمَّ مَاتَتْ، فَزَوَّجَهُ بَعْدَهَا هِنْدَ بِنْتَ عَمْرٍو، وَكَانَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ يَفُوحُ مِنْهُ رَائِحَةُ الْمِسْكِ الْأَذْفَرِ، وَنُورُ رَسُولِ اللّٰهِ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يُضِيءُ فِي غُرَّتِهِ، وَكَانَتْ قُرَيْشٌ إِذَا أَصَابَهَا قَحْطٌ تَأْخُذُ بِيَدِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَتَخْرُجُ بِهِ إِلَى جَبَلِ ثَبِيرٍ، فَيَتَقَرَّبُونَ بِهِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى، وَيَسْأَلُونَهُ أَنْ يَسْقِيَهُمُ الْغَيْثَ، فَكَانَ يُغِيثُهُمْ وَيَسْقِيهِمْ بِبَرَكَةِ نُورِ مُحَمَّدٍ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - غَيْثًا عَظِيمًا.

"جب رسول اللہ ﷺ کا نور جناب عبدالمطلب کے پاس آیا اور وہ عمر بلوغت کو پہنچ گئے تو اس کے بعد ایک دن حطیم میں سوئے ہوئے تھے۔ جب وہ بیدار ہوئے تو ان کی آنکھوں میں سرما اور سر میں تیل لگا ہوا تھا۔ ان پر خوبصورتی اور جمال کا لباس تھا۔ وہ بہت حیران ہوئے اور وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ یہ سب کچھ ان کے ساتھ کس نے کیا؟ ان کے والد نے انہیں ہاتھ سے پکڑا اور قریش کے کاہنوں کے پاس لے گئے اور ساری بات سنائی۔ کاہنوں نے کہا: تمہارے علم میں یہ بات ہونی چاہیے کہ آسمانوں کے اللہ نے اس لڑکے کو شادی کی اجازت دے دی

ہے۔ ان کے والد نے ان کی شادی قیلہ سے کی۔ اس کے بطن سے حارث پیدا ہوا اور قیلہ فوت ہوگئی۔ پھر قیلہ کے بعد ان کی شادی ہند بنت عمرو سے ہوئی۔۔۔ جناب عبد المطلب سے کستوری کی بہت تیز اور عمدہ خوشبو آتی تھی۔ اللہ کے رسول کا نوران کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ قریش جب قحط سالی میں مبتلا ہوتے تو جناب عبد المطلب کا ہاتھ پکڑ کر ثبیر پہاڑ کی طرف لے جاتے اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں انہیں وسیلہ بناتے ہوئے بارش طلب کرتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کے نور کی برکت سے انہیں بہت زیادہ بارش عطا فرماتا۔'' (المواهب اللدنية للقسطلاني :1/97، وفي نسخة:1/63، سمط النجوم لعبد الملک بن حسین العصامي :1/226)

تبصرہ: یہ جھوٹا واقعہ ہے۔ اس کی سند جھوٹی اور باطل ہے، کیونکہ:

① کعب احبار تابعی ہیں اور وہ نبی اکرم ﷺ کی ولادت سے قبل کا واقعہ بیان کر رہے ہیں۔ اس وقت تک تو نبی اکرم ﷺ کے والد بھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ کعب احبار اور جناب عبد المطلب میں صدیوں کا فاصلہ ہے۔ لہٰذا سند میں سخت انقطاع ہے۔

② عمرو بن شرحبیل انصاری راوی ''مجہول الحال'' ہے۔ سوائے امام ابن حبان رحمہ اللہ (الثقات:7/225) کے کسی نے اس کی توثیق نہیں کی۔ اسی لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ''مقبول'' (مجہول الحال) قرار دیا ہے۔ (تقريب التهذيب:5047)

③ ابوبکر بن عبد اللہ بن ابو مریم راوی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' اور ''مختلط'' ہے۔ اس کے بارے میں:

۱۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضَعِيفٌ، كَانَ عِيسٰى (ابْنُ يُونُسَ) لَا يَرْضَاهُ. ''یہ ضعیف راوی ہے۔ امام عیسیٰ بن یونس اسے پسند نہیں کرتے تھے۔''

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم:2/405، العلل ومعرفة الرجال:1/203)

۲۔ امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف الحدیث، منکر الحدیث'' قرار دیا ہے۔

(الجرح والتعديل:2/405)

۳۔ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعِيفُ الْحَدِيثِ، طَرَقَتْهُ لُصُوصٌ، فَأَخَذُوا مَتَاعَهُ، فَاخْتَلَطَ.

''اس کی حدیث ضعیف ہوتی ہے۔ اسے چور پڑے اور اس کا سامان لوٹ لیا، اسی رنج سے اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔'' (الجرح والتعدیل: 405/2)

۴۔ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔ (أیضا، وسندہ صحیح)

نیز فرماتے ہیں: لَيْسَ حَدِيثُهُ بِشَيْءٍ.

''اس کی حدیث کسی کام کی نہیں۔'' (تاریخ الدوري: 437/4)

تنبیہ: امام ابن معین رحمہ اللہ نے اسے ''ثقہ'' بھی کہا ہے۔ (سؤالات ابن الجنید: 399)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کا جمہور کے موافق قول لے لیا جائے گا۔

یاد رہے کہ امام صاحب سے ایک روایت میں اس راوی کو ''صدوق'' کہنا بھی منقول ہے، لیکن وہ روایت ''ضعیف'' ہے۔ اس کی سند کے دو راویوں احمد بن علی مدائنی اور لیث بن عبدہ، کے حالات نہیں مل سکے۔ جرح والا قول ہی راجح ہے۔

۵۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

(کتاب الضعفاء والمتروکین: 668)

۶۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ''متروک'' کہا ہے۔ (أسئلة البرقاني: 596)

نیز انہوں نے اسے ''ضعیف'' بھی کہا ہے۔ (سنن الدارقطني: 104/1، 4/3، 148)

۷۔ حافظ جوزجانی کہتے ہیں:

لَيْسَ بِالْقَوِيِّ فِي الْحَدِيثِ، وَهُوَ مُتَمَاسِكٌ.

''یہ حدیث میں قوی نہیں تھا۔ یہ متروک راوی ہے۔'' (أحوال الرجال: 315)

۸۔ امام ذُہَیم فرماتے ہیں:

مِنْ كِبَارِ شُيُوخِ حِمْصَ، وَفِي حَدِيثِهِ بَعْضُ مَا فِيهِ.

''یہ حمص کے بڑے شیوخ میں سے تھا لیکن اس کی حدیث میں بعض مناکیر ہیں۔''

(تهذيب التهذيب لابن حجر: 29/12)

۹۔ حافظ ابن سعد رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' لکھا ہے۔ (الطبقات الكبرى: 467/7)

۱۰۔ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَالْغَالِبُ عَلَى حَدِيثِهِ الْغَرَائِبُ، وَقَلَّ مَا يُوَافِقُهُ عَلَيْهِ الثِّقَاتُ، وَأَحَادِيثُهُ صَالِحَةٌ، وَهُوَ مِمَّنْ لَا يُحْتَجُّ بِحَدِيثِهِ، وَلٰكِنْ يُكْتَبُ حَدِيثُهُ.

''اس کی اکثر احادیث منکر ہیں۔ اس کی بہت کم روایات پر ثقہ راوی موافقت کرتے ہیں۔ اس کی احادیث (بظاہر) خوبصورت ہیں، لیکن اس کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔ البتہ اس کی حدیث کو (متابعت وشواہد کے لیے) لکھا جائے گا۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال: 40/2)

۱۱۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سَاقِطُ الِاحْتِجَاجِ بِهِ إِذَا انْفَرَدَ.

''جب یہ کسی روایت کو بیان کرنے میں منفرد ہو تو اس کی روایت سے دلیل نہیں لی جا سکتی۔'' (كتاب المجروحين: 146/3)

۱۲۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: لَا يَبْلُغُ حَدِيثُهُ رُتْبَةَ الْحَسَنِ.

''اس کی حدیث حسن کے درجے تک نہیں پہنچتی۔'' (سير أعلام النبلاء: 65/7)

۱۳۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ضعیف'' کہا ہے۔ (تقريب التهذيب: 7974)

جمہور کی تضعیف کے مقابلے میں اسے حافظ بزار (كشف الأستار: 106/1، ح: 189) نے ''ثقہ'' کہا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ (المستدرك على الصحيحين: 696/1، ح: 1897) نے اس کی ایک حدیث کی سند کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔ جمہور کے مقابلے میں یہ توثیق ناقابل اعتبار ہے۔

④ مذکورہ سند میں ابوبکر بن ابومریم سے نیچے سند غائب ہے۔ مسلمان بے سند روایات کا کوئی اعتبار نہیں کرتے۔

دلیل نمبر ㊶: قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ بَشْكُوَالَ: أَخْبَرَنَا الْقَاضِي الشَّهِيدُ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ رَحِمَهُ اللّٰهُ قِرَاءَةً عَلَيْهِ، وَأَنَا أَسْمَعُ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلٰى أَبِي عَلِيٍّ حُسَيْنِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْغَسَّانِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو الْحَسَنِ طَاهِرُ بْنُ مُفَوِّزٍ الْمُعَافِرِيُّ، قَالَ: أَنَا أَبُو الْفَتْحِ وَأَبُو اللَّيْثِ نَصْرُ بْنُ الْحَسَنِ التَّنْكَتِيُّ، الْمُقِيمُ بِسَمَرْقَنْدَ، قَدِمَ عَلَيْهِمْ بِلَنْسِيَةَ، عَامَ أَرْبَعَةٍ وَّسِتِّينَ وَأَرْبَعِ مِائَةٍ. قَالَ: قُحِطَ الْمَطَرُ عِنْدَنَا بِسَمَرْقَنْدَ فِي بَعْضِ الْأَعْوَامِ، قَالَ: فَاسْتَسْقَى النَّاسُ مِرَارًا، فَلَمْ يُسْقَوْا، قَالَ: فَأَتٰى رَجُلٌ مِّنَ الصَّالِحِينَ مَعْرُوفٌ بِالصَّلَاحِ، مَشْهُورٌ بِهٖ، إِلٰى قَاضِي سَمَرْقَنْدَ، فَقَالَ لَهُ: إِنِّي قَدْ رَأَيْتُ رَأْيًا أَعْرِضُهُ عَلَيْكَ. قَالَ: وَمَا هُوَ؟ قَالَ: أَرٰى أَنْ تَخْرُجَ وَيَخْرُجَ النَّاسُ مَعَكَ إِلٰى قَبْرِ الْإِمَامِ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ الْبُخَارِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَقَبْرُهٗ بِخَرْتَنْكَ، وَتَسْتَسْقُوا عِنْدَهٗ، فَعَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّسْقِيَنَا، قَالَ: فَقَالَ الْقَاضِي: نِعْمَ مَا رَأَيْتَ، فَخَرَجَ الْقَاضِي، وَخَرَجَ النَّاسُ مَعَهٗ، وَاسْتَسْقَى الْقَاضِي بِالنَّاسِ، وَبَكَى النَّاسُ عِنْدَ الْقَبْرِ، وَتَشَفَّعُوا بِصَاحِبِهٖ، فَأَرْسَلَ اللّٰهُ السَّمَاءَ بِمَاءٍ عَظِيمٍ غَزِيرٍ، أَقَامَ النَّاسُ مِنْ أَجْلِهٖ بِخَرْتَنْكَ سَبْعَةَ أَيَّامٍ أَوْ نَحْوَهَا، لَا يَسْتَطِيعُ أَحَدٌ الْوُصُولَ إِلٰى سَمَرْقَنْدَ مِنْ كَثْرَةِ الْمَطَرِ وَغَزَارَتِهٖ، وَبَيْنَ خَرْتَنْكَ وَسَمَرْقَنْدَ ثَلَاثَةُ أَمْيَالٍ أَوْ نَحْوُهَا.

”سمرقند میں ایک سال قحط پڑا۔ لوگوں نے بہت دفعہ بارش طلبی کے لیے دُعائیں

کیں، لیکن بارش نہ ہوئی۔ ایک نیک آدمی جس کا ورع وتقویٰ مشہور تھا، وہ قاضی سمرقند کے پاس آیا اور کہنے لگا: میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے، میں وہ آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ قاضی نے کہا: وہ ترکیب کیا ہے؟ اس نے کہا: میرا خیال ہے کہ آپ اور تمام لوگ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ کی قبر کے پاس جا کر بارش کی دُعا کریں۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بارش عطا فرما دے۔ امام صاحب کی قبر خرتنک نامی جگہ میں ہے۔ قاضی اور تمام لوگ باہر نکلے اور امام صاحب کی قبر کے پاس جا کر بارش کی دُعا کی، اللہ کے ہاں گڑگڑائے اور امام صاحب کا وسیلہ پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ بارش نازل کی۔ اس بارش کی وجہ سے لوگوں کو خرتنک میں تقریباً سات دن ٹھہرنا پڑا۔ زیادہ بارش کی بنا پر کوئی بھی سمرقند نہ جا سکتا تھا۔ خرتنک اور سمرقند کے درمیان تقریباً تین میل کا فاصلہ تھا۔''

(الصلة في تاريخ أئمة الأندلس لابن بشكوال، ص:603، وسندهٗ صحيحٌ)

تبصرہ: پانچویں صدی کے اواخر کے بعض لوگوں کا عمل دین کیسے بن گیا؟

ایک شخص کے کہنے پر بادشاہ اور اس کی رعایا کا یہ عمل قرآن وسنت اور سلف صالحین کے تعامل کے خلاف تھا۔ رہا بارش کا ہو جانا تو وہ ایک اتفاقی امر ہے۔ آج بھی کتنے ہی مشرکین قبر والوں سے اولادیں مانگتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں اولاد ملتی ہے تو وہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ صاحبِ قبر نے ان پر یہ عنایت کی ہے۔ کیا بتوں کے پجاریوں اور ان سے مانگنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی چیز نہیں ملتی؟ اور کیا ان کی کوئی مراد پوری ہو جانا بت پرستی کے جواز کی دلیل ہے؟ قرآن و حدیث میں بزرگوں کی قبروں پر دُعا اور ان کے توسل کا کوئی جواز نہیں۔ اگر ایسا کرنا جائز ہوتا تو صحابہ وتابعین ضرور ایسا کرتے۔ خیر القرون کے بعد دین میں منکر کام داخل ہو گئے تھے، یہ بھی انہی کاموں میں سے ہے۔ اس دور میں کسی کے عمل کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔

قارئین کرام! یہ تھے ان لوگوں کے دلائل جو دُعا میں کسی مخلوق کی ذات یا فوت شدگان کے وسیلے کو مشروع اور جائز قرار دیتے ہیں۔ آپ نے ان کو بغور ملاحظہ فرمایا۔ ان روایات کی دو

قسمیں ہیں؛ اکثر تو ایسی ہیں جن میں فوت شدگان اور دیگر نیک ہستیوں کی ذات کے وسیلے کا تذکرہ تک نہیں لیکن بعض لوگ سلف صالحین کے فہم کو لات مارتے ہوئے ان سے اپنے خودساختہ وسیلے کے اثبات کے لیے کوشش کرتے ہیں۔ جبکہ دوسری وہ روایات ہیں جن میں ذات کے وسیلے کا تذکرہ تو ہے لیکن وہ موضوع، من گھڑت اور ضعیف وناقابل حجت ہیں۔ ایسی روایات پر اعتماد کرنا اہل سنت والجماعت ہونے کے دعویداروں کو بالکل زیب نہیں دیتا۔ دین سند کا نام ہے۔ اگر ایک بھی صحیح سند رسول اکرم ﷺ تک پہنچ جائے تو شرعی امر کا اثبات ہو جاتا ہے، لیکن اگر کوئی صحیح سند نہ مل سکے تو لاکھوں موضوع، من گھڑت اور ضعیف روایات بھی مل کر کسی چیز کو مشروع قرار نہیں دے سکتیں۔

امام بریلویت جناب احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں: ''ضعیف حدیثیں کسی غیر ثابت چیز کو ثابت نہیں کرتیں۔'' (فتاویٰ رضویہ: 29/ 726)

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

سیدنا آدم وحواء علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کے ایک درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا تھا۔ شیطان کے بہکاوے میں آکر دونوں نے وہ پھل کھالیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوا اور انہیں جنت سے نکال دیا۔ دونوں اپنے اس کیے پر بہت نادم ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کو ان پر ترس آیا اور انہیں وہ کلمات سکھا دیے جنہیں پڑھنے پر ان کی توبہ قبول ہوئی۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾ (البقرۃ 2:37)

''آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔''

یہ کلمات کیا تھے؟ خود اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ان کو بیان فرمادیا ہے:

﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (الأعراف 7:23)

''ان دونوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہم اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے ہیں۔ اگر تُو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم ضرور خسارہ پانے والوں میں شامل ہو جائیں گے۔''

یعنی آدم وحواء علیہما السلام نے اللہ تعالیٰ کو اس کی صفتِ مغفرت ورحمت کا واسطہ دیا۔

یہ تو تھا قرآنِ کریم کا بیان۔ لیکن بعض لوگ اس قرآنی بیان کے خلاف جھوٹے، بدکردار، بدعقیدہ، بددین اور نامعلوم ومجہول لوگوں کی بیان کردہ نامعقول اور باہم متصادم داستانیں بیان کرتے اور ان پر اپنے عقیدے کی بنیاد رکھتے نظر آتے ہیں۔ کسی داستان میں بتایا گیا ہے کہ آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ دیا، کسی میں ہے کہ انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آلِ محمد کا واسطہ دیا اور کسی میں مذکور ہے کہ ان کو سیدنا علی وسیدہ فاطمہ، سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم کے طفیل

معافی ملی۔

یہ نبی اکرم ﷺ اور ان کے اہل بیت کی شان میں غلوّ ہے، جو کہ سخت منع ہے۔ یہی بات نصاریٰ، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی غلطی عیسیٰ علیہ السلام کے طفیل معاف ہوئی۔ علامہ ابوالفتح محمد بن عبدالکریم شہرستانی (م: 548ھ) نصاریٰ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَالْمَسِيحُ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَرَجَتُهُ فَوْقَ ذٰلِكَ، لِأَنَّهُ الْإِبْنُ الْوَحِيدُ، فَلَا نَظِيرَ لَهُ، وَلَا قِيَاسَ لَهُ إِلٰى غَيْرِهِ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ، وَهُوَ الَّذِي بِهِ غُفِرَتْ زَلَّةُ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ.

''مسیح علیہ السلام کا مقام و مرتبہ اس سے بہت بلند ہے، کیونکہ وہ اکلوتے بیٹے ہیں۔ ان کی کوئی مثال نہیں، نہ انہیں دیگر انبیائے کرام پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ انہی کی بدولت آدم علیہ السلام کی خطا معاف ہوئی تھی۔'' (الملل والنحل: 62/2، وفي نسخة: 524/1)

ہماری سب لوگوں سے ناصحانہ اپیل ہے کہ وہ ان روایات کی حقیقت ملاحظہ فرمائیں اور پھر فیصلہ کریں کہ کیا قرآنِ کریم کے خلاف ان پر اعتماد کرنا کسی مسلمان کو زیب دیتا ہے؟

دلیل نمبر ①: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَمَّا أَذْنَبَ آدَمُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الذَّنْبَ الَّذِي أَذْنَبَهُ، رَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى الْعَرْشِ، فَقَالَ: أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ، إِلَّا غَفَرْتَ لِي، فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَيْهِ، وَمَا مُحَمَّدٌ، وَمَنْ مُحَمَّدٌ؟ فَقَالَ: تَبَارَكَ اسْمُكَ، لَمَّا خَلَقْتَنِي رَفَعْتُ رَأْسِي إِلٰى عَرْشِكَ، فَإِذَا فِيهِ مَكْتُوبٌ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ، فَعَلِمْتُ أَنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ أَعْظَمَ عِنْدَكَ قَدْرًا مِمَّنْ جَعَلْتَ اسْمَهُ مَعَ اسْمِكَ، فَأَوْحَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَيْهِ: يَا آدَمُ! إِنَّهُ آخِرُ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ، وَإِنَّ أُمَّتَهُ

آخِرُ الْأُمَمِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ، وَلَوْلَاهُ يَا آدَمُ مَا خَلَقْتُكَ.

”جب آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی تو انہوں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور عرض گزار ہوئے: (اے اللہ!) میں بحق محمد تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی: محمد کون ہیں؟ سیدنا آدم نے عرض کی: (اے اللہ!) تیرا نام پاک ہے۔ جب تو نے مجھے پیدا کیا تھا تو میں نے اپنا سر تیرے عرش کی طرف اٹھایا تھا۔ وہاں میں نے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ لکھا ہوا دیکھا، لہٰذا میں جان گیا کہ یہ ضرور کوئی بڑی ہستی ہے، جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ اے آدم! وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تیری نسل میں سے آخری نبی ہیں اور ان کی امت بھی تیری نسل میں سے آخری امت ہوگی اور اگر وہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا ہی نہ کرتا۔“

(المعجم الصغير للطبراني : 182/2، ح : 992، وفي نسخة : 82/2، المعجم الأوسط للطبراني:6502)

تبصرہ: اگر یہ روایت ثابت ہوتی تو واقعی نیک لوگوں کی ذات اور شخصیت کے وسیلے پر دلیل بنتی اور فوت شدگان اولیا و صالحین کا وسیلہ بالکل مشروع ہو جاتا لیکن کیا کریں کہ یہ موضوع (من گھڑت) روایت ہے، اسی لیے بعض لوگوں کے حصے میں آ گئی ہے۔

① اس میں عبد الرحمن بن زید بن اسلم راوی جمہور کے نزدیک ”ضعیف و متروک“ ہے، حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ کہتے ہیں: قَالَ الذَّهَبِيُّ : ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

”علامہ ذہبی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔“

(البدر المنير:449/1)

حافظ ہیثمی لکھتے ہیں: وَالْأَكْثَرُ عَلٰى تَضْعِيفِهِ.

”جمہور اس کو ضعیف کہتے ہیں۔“ (مجمع الزوائد:21/2)

حافظ ابنِ ملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

''اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (خلاصة البدر المنير: 1/11)

اسے امام احمد بن حنبل، امام علی بن المدینی، امام بخاری، امام یحییٰ بن معین، امام نسائی، امام دارقطنی، امام ابوحاتم الرازی، امام ابوزرعہ الرازی، امام ابنِ سعد، امام ابنِ خزیمہ، امام ترمذی، امام ابنِ حبان، امام ساجی، امام طحاوی حنفی، امام جوزجانی رحمہم اللہ وغیرہم نے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

امام بزار رحمہ اللہ (م292ھ) فرماتے ہیں:

وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زَيْدٍ، قَدْ أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ بِالنَّقْلِ عَلٰى تَضْعِيفِ أَخْبَارِهِ الَّتِي رَوَاهَا.....

''فن حدیث کے ماہر ائمہ کا عبدالرحمٰن بن زید کی بیان کردہ روایات کو ضعیف قرار دینے پر اتفاق ہے۔'' (مسند البزار: 8763)

حافظ ابن الجوزی کہتے ہیں: أَجْمَعُوا عَلٰى ضَعْفِهِ.

''اس کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے۔''

(تہذیب التہذیب لابن حجر: 6/179,178)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (م728ھ) فرماتے ہیں:

ضَعِيفٌ بِاتِّفَاقِهِمْ، يَغْلِطُ كَثِيرًا.

''باتفاق محدثین ضعیف ہے، بہت زیادہ غلطیاں کرتا ہے۔'' (التوسل والوسیلة: 167)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، مُتَّفَقٌ عَلٰى تَضْعِيفِهِ.

''عبدالرحمٰن بن زید کو ضعیف قرار دینے پر اہل علم کا اجماع ہے۔''

(اتحاف المهرة: 12/97، ح: 15163)

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رَوٰى عَنْ أَبِيهِ أَحَادِيثَ مَوْضُوعَةً.

''اس نے اپنے باپ سے منسوب کر کے موضوع (من گھڑت) احادیث روایت کی ہیں۔

(المدخل الی کتاب الاکلیل: 154)

امام ابونعیم الاصبہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حَدَّثَ عَنْ أَبِيهِ، لَا شَيْءَ.

''اس نے اپنے والد سے روایات بیان کی ہیں۔ یہ چنداں قابل اعتبار نہیں۔''

(الضعفاء: 122)

عبدالرحمن بن زید بن اسلم نے یہ حدیث بھی چونکہ اپنے باپ ہی سے روایت کی ہے، لہٰذا یہ بھی موضوع (من گھڑت) ہے۔

② امام طبرانی رحمہ اللہ کے استاذ محمد بن داؤد بن عثمان صدفی مصری کی توثیق مطلوب ہے۔

③ اس کے راوی احمد بن سعید مدنی فہری کی بھی توثیق چاہیے۔

دلیل نمبر ②:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دعائیہ کلمات کے بارے میں پوچھا، جو سیدنا آدم علیہ السلام کو ربّ تعالیٰ نے عطا فرمائے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سَأَلَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّعَلِيٍّ وَّفَاطِمَةَ وَّالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ، إِلَّا تُبْتَ عَلَيَّ، فَتَابَ عَلَيْهِ.

''آدم علیہ السلام نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور علی، فاطمہ، حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے وسیلے سے دُعا کر کے اللہ سے عرض کی کہ میری توبہ قبول کر لے۔ اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کر لی۔'' (الموضوعات لابن الجوزي: 1/398، الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة للشوكاني، ص: 394،395)

تبصرہ:

یہ موضوع (من گھڑت) روایت ہے اور عمرو بن ثابت بن ہرمز ابوثابت کوفی راوی کی گھڑنت ہے۔ یہ راوی کسی صورت میں قابل اعتبار نہیں ہوسکتا، جیسا کہ:

① علی بن شقیق کہتے ہیں:

سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الْمُبَارَكِ، يَقُولُ عَلَى رُؤُوسِ النَّاسِ: دَعُوا حَدِيثَ عَمْرِو بْنِ ثَابِتٍ، فَإِنَّهُ كَانَ يَسُبُّ السَّلَفَ.

''میں نے امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کو سرعام یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عمرو بن ثابت کی بیان کردہ روایات کو چھوڑ دو، کیونکہ وہ اسلافِ امت کو گالیاں بکتا تھا۔''

(مقدمة صحيح مسلم، ص:11، طبع دار السلام)

② امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ بِثِقَةٍ وَلَا مَأْمُونٍ. ''یہ قابلِ اعتبار راوی نہیں۔''

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 223/6، وسندهٗ حسنٌ)

نیز انہوں نے اسے ''ضعیف'' بھی کہا ہے۔ (تاریخ یحیی بن معین: 1624)

③ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَيْسَ بِالْقَوِيِّ عِنْدَهُمْ.

''یہ راوی محدثین کرام کے نزدیک قابلِ اعتبار نہیں۔'' (كتاب الضعفاء، ص: 87)

④ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی اسے ضعیف و متروک راویوں میں شمار کیا ہے۔

(كتاب الضعفاء والمتروكين: 401)

⑤ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعِيفُ الْحَدِيثِ، يُكْتَبُ حَدِيثُهُ، كَانَ رَدِيءَ الرَّأْيِ، شَدِيدَ التَّشَيُّعِ.

''اس کی حدیث ضعیف ہے، اسے (متابعات و شواہد میں) لکھا جا سکتا ہے۔ یہ بُرے عقائد کا حامل کٹر شیعہ تھا۔'' (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 233/6)

⑥ امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضَعِيفُ الْحَدِيثِ.

''اس کی حدیث ضعیف ہے۔'' (الجرح والتعديل: 323/6)

⑦ امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے ''متروک الحدیث'' قرار دیا ہے۔

(کتاب الضعفاء والمتروکین: 45)

⑧ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ مِمَّنْ يَرْوِي الْمَوْضُوعَاتِ، لَا يَحِلُّ ذِكْرُهُ إِلَّا عَلَى سَبِيلِ الِاعْتِبَارِ.

''یہ من گھڑت روایات بیان کرتا تھا۔ اس کی حدیث کو صرف (متابعات وشواہد) میں ذکر کرنا جائز ہے۔'' (کتاب المجروحین: 2/76)

⑨ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَالضُّعْفُ عَلَى رِوَايَاتِهِ بَيِّنٌ.

''اس کی روایات میں کمزوری واضح ہے۔'' (الكامل في ضعفاء الرجال: 5/132)

یہ جھوٹی روایت قرآنِ کریم کے بھی خلاف ہے۔ (دیکھیں: سورۃ الاعراف 7:23)

دلیل نمبر ③: ایک اور جھوٹی روایت ملاحظہ فرمائیں:

وَقَدْ رَوَاهُ أَبُو الْحُسَيْنِ بْنُ بِشْرَانَ، وَ مِنْ طَرِيقِهِ الشَّيْخُ أَبِي الْفَرَجِ ابْنِ الْجَوْزِيِّ فِي (الْوَفَا بِفَضَائِلِ الْمُصْطَفَى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: 1/33): حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ بْنِ صَالِحٍ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ صَالِحٍ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ الْعَوْفِيُّ، ثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ مَيْسَرَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شُفْيَانَ، عَنْ مَيْسَرَةَ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَتٰى كُنْتَ نَبِيًّا؟ قَالَ: لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْأَرْضَ وَاسْتَوٰى إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ، وَخَلَقَ الْعَرْشَ، كَتَبَ عَلٰى سَاقِ الْعَرْشِ: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ خَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ، وَخَلَقَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ الَّتِي أَسْكَنَهَا آدَمَ وَحَوَّاءَ، فَكَتَبَ اسْمِي عَلَى الْأَبْوَابِ وَالْأَوْرَاقِ وَالْقِبَابِ وَالْخِيَامِ، وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ، فَلَمَّا أَحْيَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، نَظَرَ إِلَى الْعَرْشِ،

فَرَأَى اسْمِي، فَأَخْبَرَهُ اللهُ أَنَّهُ سَيِّدُ وُلْدِكَ، فَلَمَّا غَرَّهُمَا الشَّيْطَانُ تَابَا وَاسْتَشْفَعَا بِاسْمِي إِلَيْهِ.

''میسرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ کب رسول بنے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا، آسمانوں کا قصد کیا اور ان کو سات آسمان بنایا اور عرش کو پیدا کیا تو عرش کے ایک پائے پر یہ لکھ دیا: مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ، خَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ، پھر جنت کو پیدا کیا جس میں آدم وحوا علیہما السلام کو ٹھہرایا جانا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کے دروازوں، پتوں، خیموں وغیرہ پر میرا نام لکھ دیا۔ اس وقت آدم علیہ السلام کے روح اور جسم کا ملاپ نہیں ہوا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو زندگی بخشی تو انہوں نے عرش پر میرا نام دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ میں ان کی اولاد کا سردار ہوں۔ جب شیطان نے آدم وحوا علیہما السلام کو ورغلایا تو انہوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کو میرے نام کا واسطہ دیا۔۔۔''

(مصباح الظلام في المستغيثين بخير الأنام في اليقظة والمنام، ص: 26، مجموع الفتاوی لابن تیمیة: 2/150)

تبصرہ: یہ جھوٹی اور منکر روایت ہے۔ اس کے راوی محمد بن صالح کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔ یہ اسی کی کارروائی ہے کیونکہ باقی سارے راوی ثقہ ہیں۔ جو شخص اس روایت کے صحیح ہونے کا دعویدار ہے، اس پر ضروری ہے کہ محمد بن صالح کی توثیق ثابت کرے۔ لہٰذا محمد بن یوسف صالحی شامی (م: 942ھ) کا اس روایت کی سند کو ''جید'' کہنا (سبل الھدیٰ والرشاد في سيرة خير العباد: 1/86) صحیح نہیں۔

دلیل نمبر ④: اسی معنی ومفہوم کی ایک روایت درج ذیل ہے:

أَنْبَأَنَا أَبُو أَحْمَدَ هَارُونُ بْنُ يُوسُفَ (بْنِ هَارُونَ) بْنِ زِيَادٍ التَّاجِرُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مَرْوَانَ الْعُثْمَانِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عُثْمَانُ بْنُ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي

الزِّنَادِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: مِنَ الْكَلِمَاتِ الَّتِي تَابَ اللّٰهُ بِهَا عَلٰى آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: اللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكَ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: يَا آدَمُ! وَمَا يُدْرِيكَ بِمُحَمَّدٍ؟ قَالَ: يَا رَبِّ، رَفَعْتُ رَأْسِي، فَرَأَيْتُ مَكْتُوبًا عَلٰى عَرْشِكَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ، فَعَلِمْتُ أَنَّهُ أَكْرَمُ خَلْقِكَ عَلَيْكَ.

''عبدالرحمٰن بن ابی الزناد اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ جن کلمات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی، ان میں سے یہ بھی ہیں: اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جو حق تجھ پر ہے، میں اس کے واسطے سے سوال کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کیا علم؟ آدم علیہ السلام نے عرض کی: میرے رب! میں نے اپنا سر اٹھایا تو تیرے عرش پر لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ لکھا تھا۔ یوں میں جان گیا کہ آپ تیرے نزدیک سب سے معزز مخلوق ہیں۔'' (الشریعة للآجري: 2/246، ح: 1006)

تبصرہ: یہ ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان تابعی کی طرف جھوٹا منسوب کیا گیا قول ہے، کیونکہ:

① اس کے راوی ابومروان محمد بن عثمان عثمانی کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وَثَّقَهُ أَبُو حَاتِمٍ، وَلَهُ عَنْ أَبِيهِ مَنَاكِيرُ.

''اسے امام ابوحاتم نے اگرچہ ثقہ قرار دیا ہے، لیکن اس کی اپنے والد سے روایات منکر ہیں۔'' (المغني في الضعفاء: 5808)

یہ قول بھی اس نے اپنے والد ہی سے بیان کیا ہے۔

② اس کا والد عثمان بن خالد ''متروک الحدیث'' راوی ہے۔

(تقریب التہذیب لابن حجر: 4464)

اس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ''منکر الحدیث'' ہے۔

(التاريخ الكبير:220/6)

نیز امام صاحب نے اسے ''ضعیف'' بھی کہا ہے۔

(الکامل في ضعفاء الرجال لابن عدي:175/5، وسندهٔ صحیح)

امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ بھی اسے ''منکر الحدیث'' کہتے ہیں۔

(الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم:149/6)

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَلِعُثْمَانَ غَيْرُ مَا ذَكَرْتُ، كُلُّهَا غَيْرُ مَحْفُوظَةٍ.

''میں نے جو روایات بیان کی ہیں، ان کے علاوہ بھی کچھ روایات عثمان نے بیان کی ہیں، لیکن یہ ساری کی ساری شاذ ہیں۔'' (الکامل في ضعفاء الرجال:176/5)

امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اَلْغَالِبُ عَلٰى حَدِيثِهِ الْوَهْمُ.

''اس کی بیان کردہ حدیثوں میں وہم بہت زیادہ ہوتا ہے۔'' (الضعفاء الکبیر:198/3)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ مِمَّنْ يَرْوِي الْمَقْلُوبَاتِ عَنِ الثِّقَاتِ، وَيَرْوِي عَنِ الْأَثْبَاتِ أَسَانِيدَ لَيْسَ مِنْ مَرْوِيَّاتِهِمْ، لِأَنَّهُ يَقْلِبُ الْأَسَانِيدَ، لَا يَحِلُّ الِاحْتِجَاجُ بِخَبَرِهِ.

''یہ ان لوگوں میں سے ہے جو ثقہ راویوں سے نقل کرتے وقت روایات کو الٹ پلٹ کر دیتے ہیں اور معتبر ترین راویوں سے ایسی سندیں بیان کرتے ہیں جو انہوں نے کبھی ذکر ہی نہیں کی ہوتیں۔ یہ سندوں کو خلط ملط کر دیتا ہے۔ اس کی بیان کردہ روایت سے دلیل لینا حرام ہے۔''

(کتاب المجروحین:102/2)

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رَوٰى عَنْ مَالِكٍ وَّعِيسَى بْنِ يُونُسَ وَغَيْرِهِمَا أَحَادِيثَ مَوْضُوعَةً.

''اس نے امام مالک، عیسیٰ بن یونس اور دیگر راویوں سے منسوب کر کے من گھڑت

روایات بیان کی ہیں۔" (المدخل إلی الصحیح، ص: 166)

امام ابو نعیم اصبہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عَنْ مَالِكٍ وَّعِيسٰى وَغَيْرِهِمَا أَحَادِيثَ مَوْضُوعَةً، لَا شَيْءَ.

"یہ امام مالک اور عیسیٰ وغیرہما کی طرف خودساختہ روایات منسوب کرتا ہے۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں۔" (کتاب الضعفاء: 157)

دلیل نمبر ⑤:

امام محمد باقر بن علی بن حسین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَمَّا أَصَابَ آدَمُ الْخَطِيئَةَ عَظُمَ كَرْبُهُ وَاشْتَدَّ نَدَمُهُ، فَجَاءَهُ جِبْرِيلُ، فَقَالَ: يَا آدَمُ! هَلْ أَدُلُّكَ عَلٰى بَابِ تَوْبَتِكَ الَّذِي يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَيْكَ مِنْهُ، قَالَ: بَلٰى يَا جِبْرِيلُ! قَالَ: قُمْ فِي مَقَامِكَ الَّذِي تُنَاجِي فِيهِ رَبَّكَ، فَمَجِّدْهُ وَامْدَحْ، فَلَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَى اللّٰهِ مِنَ الْمَدْحِ، قَالَ: فَأَقُولُ مَاذَا يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ: فَقُلْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوتُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ كُلُّهُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، ثُمَّ تَبُوءُ بِخَطِيئَتِكَ، فَتَقُولُ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَعَمِلْتُ السُّوءَ، فَاغْفِرْ لِي، إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ اللّٰهُ، إِنِّي أَسْأَلُكَ بِجَاهِ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ، وَكَرَامَتِهِ عَلَيْكَ أَنْ تَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي، قَالَ: فَفَعَلَ آدَمُ، فَقَالَ اللّٰهُ: يَا آدَمُ! مَنْ عَلَّمَكَ هٰذَا، فَقَالَ: يَا رَبِّ! إِنَّكَ لَمَّا نَفَخْتَ فِيَّ الرُّوحَ، فَقُمْتُ بَشَرًا سَوِيًّا، أَسْمَعُ وَأُبْصِرُ وَأَعْقِلُ وَأَنْظُرُ، رَأَيْتُ عَلٰى سَاقِ عَرْشِكَ مَكْتُوبًا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ، فَلَمَّا لَمْ أَرَ

أَثَرَ اسْمِکَ اسْمَ مَلَکٍ مُقَرَّبٍ، وَلَا نَبِيٍّ مُرْسَلٍ غَيْرَ اسْمِهِ، عَلِمْتُ أَنَّهُ أَكْرَمُ خَلْقِکَ عَلَيْکَ، قَالَ: صَدَقْتَ، وَقَدْ تُبْتُ عَلَيْکَ وَغَفَرْتُ لَکَ خَطِيئَتَکَ، قَالَ: فَحَمِدَ آدَمُ رَبَّهُ وَشَكَرَهُ، وَانْصَرَفَ بِأَعْظَمِ سُرُورٍ، وَلَمْ يَنْصَرِفْ بِهِ عَبْدٌ مِّنْ عِنْدِ رَبِّهِ، وَكَانَ لِبَاسُ آدَمَ النُّورَ قَالَ اللّٰهُ: ﴿يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا﴾ ثِيَابَ النُّورِ قَالَ: فَجَاءَتْهُ الْمَلَائِكَةُ أَفْوَاجًا تُهَنِّئُهُ، يَقُولُونَ: لِتَهْنِکَ تَوْبَةُ اللّٰهِ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ!

''جب آدم علیہ السلام خطا کر بیٹھے تو انہیں سخت غم پہنچا اور بہت نادم ہوئے۔ ان کے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا: آدم! کیا میں آپ کو ایسا طریقہ بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرما دیں؟ آدم علیہ السلام نے کہا: کیوں نہیں، ضرور بتائیے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: اس جگہ کھڑے ہو جائیے جہاں پر آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ اللہ کی تعریف وثنا کیجیے۔ تعریف سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز محبوب نہیں۔ آدم علیہ السلام کہنے لگے: میں کیا کہوں؟ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ آپ یہ کلمات پڑھیں: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيکَ لَهُ، لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوتُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ كُلُّهُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، پھر اپنے گناہوں کا اعتراف کریں اور کہیں: اے اللہ تو اپنی تعریف کے ساتھ پاک ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، اے اللہ! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور گناہ کا ارتکاب کیا ہے، مجھے معاف فرما دے، تیرے سوا کوئی معاف کرنے والا نہیں۔ میں تجھ سے تیرے بندے محمد (ﷺ) کی عزت و تکریم کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ میرا گناہ معاف فرما دے۔ آدم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آدم! تمہیں یہ طریقہ کس نے سکھایا؟ آدم علیہ السلام نے عرض کی: میرے رب! جب تو نے مجھ میں روح پھونکی اور میں سننے، دیکھنے اور سوچنے، سمجھنے والا کامل انسان بن گیا تو میں نے تیرے عرش کے پائے پر یہ لکھا ہوا دیکھا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ

لَا شَرِيكَ لَهُ، مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ میں نے تیرے نام کے ساتھ کسی مقرب فرشتے یا کسی نبی ورسول کا نام لکھا ہوا نہیں دیکھا سوائے محمد ﷺ کے۔ اس سے مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ تیری مخلوق میں سے سب سے محبوب و معزز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو نے سچ کہا، میں نے تیرا گناہ معاف کر دیا۔ آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور اس کا شکریہ ادا کیا، پھر بہت خوشی خوشی واپس پلٹ آئے۔ ان کلمات کے ساتھ دعا کر کے کوئی بندہ اپنے رب سے خالی ہاتھ نہیں لوٹا۔ آدم علیہ السلام کا لباس نور کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہے کہ شیطان نے ان کا لباس اتروا دیا، تو اس سے مراد نور کا لباس ہی ہے۔ پھر فرشتے گروہ در گروہ آدم علیہ السلام کو مبارک دینے آتے اور کہتے: اے محمد ﷺ کے باپ! آپ کو تو یہ مبارک ہو۔" (الدر المنثور للسيوطي: 60/1)

تبصرہ: یہ قول بلا سند ہونے کی بنا پر باطل اور مردود ہے۔ جو لوگ اسے پیش کرتے ہیں، انہیں چاہیے کہ اس قول کی کوئی ایسی سند ڈھونڈ کر لائیں جو امام باقر تک پہنچتی ہو۔ ورنہ وہ بتائیں کہ ایسی بے سروپا روایات پیش کر کے وہ کس دین کی خدمت کرتے ہیں؟

دلیل نمبر ⑥: کعب احبار تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ اللهَ تَعَالَى أَنْزَلَ عَلَى آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عِصِيًّا بِعَدَدِ الْأَنْبِيَاءِ الْمُرْسَلِينَ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى ابْنِهِ شِيثَ، فَقَالَ: أَيْ بُنَيَّ! أَنْتَ خَلِيفَتِي مِنْ بَعْدِي، فَخُذْهَا بِعِمَارَةِ التَّقْوَى وَالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى، وَكُلَّمَا ذَكَرْتَ اللهَ تَعَالَى فَاذْكُرْ إِلَى جَنْبِهِ اسْمَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِنِّي رَأَيْتُ اسْمَهُ مَكْتُوبًا عَلَى سَاقِ الْعَرْشِ، وَأَنَا بَيْنَ الرُّوحِ وَالطِّينِ، ثُمَّ إِنِّي طُفْتُ السَّمٰوَاتِ، فَلَمْ أَرَ فِي السَّمَاءِ مَوْضِعًا إِلَّا رَأَيْتُ اسْمَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكْتُوبًا عَلَيْهِ، وَإِنَّ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ أَسْكَنَنِي الْجَنَّةَ، فَلَمْ أَرَ فِي الْجَنَّةِ قَصْرًا وَّلَا غُرْفَةً إِلَّا رَأَيْتُ اسْمَ مُحَمَّدٍ مَكْتُوبًا عَلَيْهِ، وَلَقَدْ رَأَيْتُ اسْمَ مُحَمَّدٍ

مَكْتُوبًا عَلٰى نُحُورِ الْحُورِ الْعِينِ، وَعَلٰى وَرَقِ قَصَبِ آجَامِ الْجَنَّةِ، وَعَلٰى وَرَقِ شَجَرَةِ طُوبٰى، وَعَلٰى وَرَقِ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى، وَعَلٰى أَطْرَافِ الْحُجُبِ، وَبَيْنَ أَعْيُنِ الْمَلَائِكَةِ، فَأَكْثِرْ ذِكْرَهُ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَذْكُرُهُ فِي كُلِّ سَاعَاتِهَا، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

”اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام پر تمام انبیاء مرسلین کی تعداد کے برابر لاٹھیاں نازل فرمائیں۔ پھر وہ اپنے بیٹے شیث کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میرے بیٹے! میرے بعد تو میرا خلیفہ ہے۔ ان کو تقویٰ اور عروہ وثقیٰ کے ذریعے پکڑ لے۔ جب بھی تو اللہ تعالیٰ کو ذکر کرے تو ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی لینا۔ میں نے اس وقت عرش کے پائے پر ان کا نام لکھا دیکھا تھا جب میں روح اور مٹی کے درمیان تھا۔ پھر میں نے آسمانوں کا چکر لگایا تو ایسی کوئی جگہ نہ تھی جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لکھا ہو۔ میرے رب نے مجھے جنت میں بسایا تو میں نے جنت میں کوئی محل یا کوئی کمرہ نہیں دیکھا جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لکھا ہو۔ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام جنت کی حوروں کے سینوں پر لکھا دیکھا، جنت کے محلات کی اینٹوں پر، طوبیٰ کے درختوں کے پتوں پر، سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر، نور کے پردوں کے اطراف پر اور فرشتوں کی آنکھوں کے درمیان اسے لکھا دیکھا۔ تو ان کا ذکر کثرت سے کیا کر، کیونکہ فرشتے ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں۔“

(الدیباج للختلي: 112، تاریخ دمشق لابن عساکر: 281/23)

تبصرہ: یہ سفید جھوٹ ہے، کیونکہ:

① محمد بن خالد دمشقی ہاشمی راوی کے بارے میں امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: كَانَ يَكْذِبُ. ”یہ جھوٹ بولتا تھا۔“ (الجرح والتعدیل: 244/7)

② شریح بن عبید نے کعب احبار کا زمانہ نہیں پایا۔ حافظ مزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَلَمْ يُدْرِكْهُ. ”شریح نے کعب کا زمانہ نہیں پایا۔“ (تہذیب الکمال: 325,324/8)

③ محمد بن زفر اصبہانی کے حالاتِ زندگی نہیں مل سکے۔

④ زکریا بن یحییٰ مدائنی کے بارے میں حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: ولَمْ أَعْرِفْهُ.

''میں اسے پہچان نہیں پایا۔'' (مجمع الزوائد: 10/125، 126)

⑤ صاحبِ کتاب اسحاق بن ابراہیم ختلی کے بارے میں امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَيْسَ بِالْقَوِيِّ. ''یہ قوی نہیں۔'' (سؤالات الحاکم: 58)

امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔ (سؤالات الحاکم: 58)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وَفِي كِتَابِهِ (الدِّيبَاجِ) أَشْيَاءُ مُنْكَرَةٌ.

''اس کی کتاب دیباج میں بہت سی منکر روایات موجود ہیں۔'' (سیر أعلام النبلاء: 13/343)

دلیل نمبر ⑦: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

يَا مُوسَى! إِنَّ مَنْ لَقِيَنِي، وَهُوَ جَاحِدٌ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَدْخَلْتُهُ النَّارَ، فَقَالَ: مَنْ مُحَمَّدٌ؟ قَالَ: يَا مُوسَى! وَعِزَّتِي وَجَلَالِي، مَا خَلَقْتُ خَلْقًا أَكْرَمَ عَلَيَّ مِنْهُ، كَتَبْتُ اسْمَهُ مَعَ اسْمِي فِي الْعَرْشِ قَبْلَ أَنْ أَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ، وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ، بِأَلْفَيْ عَامٍ.

''اے موسیٰ! جو شخص میرے دربار میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے آئے گا، اسے میں جہنم میں ڈالوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: محمد کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: موسیٰ! مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم! میں نے ان سے زیادہ معزز کوئی مخلوق پیدا نہیں کی۔ میں نے ان کا نام اپنے نام کے ساتھ اپنے عرش پر زمین و آسمان اور سورج و چاند کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے لکھ دیا تھا۔'' (میزان الاعتدال للذهبي: 2/160، سبل الهدى والرشاد للصالحي: 1/85)

تبصرہ: اس کی سند جھوٹی ہے، کیونکہ:

① اس کے راوی سعید بن موسیٰ ازدی کو امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ''متہم بالوضع'' قرار دیا ہے۔ (کتاب المجروحین: 1/326)

اس کے بارے میں توثیق کا ادنیٰ کلمہ بھی ثابت نہیں۔

② ابوایوب سلیمان بن سلمہ خبائری کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهُوَ سَاقِطٌ. ''یہ سخت ضعیف راوی ہے۔'' (میزان الاعتدال: 2/160)

یہ ''متروک'' اور کذاب راوی ہے۔

③ اس میں امام زہری رحمہ اللہ کی ''تدلیس'' بھی موجود ہے، انہوں نے سماع کی تصریح نہیں کی۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے ''موضوع'' یعنی من گھڑت قرار دیا ہے۔ (میزان الاعتدال: 2/160)

دلیل نمبر ⑧: جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابوطالب بیان کرتے ہیں کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے یہ دُعا کی تھی:

رَبِّ! ظَلَمْتُ نَفْسِي، فَاغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي، إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ غَيْرُكَ، فَأَوْحَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَيْهِ: يَا آدَمُ! وَمِنْ أَيْنَ عَرَفْتَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ، وَلَمْ أَخْلُقْهُ بَعْدُ؟ فَقَالَ آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: إِنِّي رَأَيْتُ عَلَى الْعَرْشِ مَكْتُوبًا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ، فَعَلِمْتُ أَنَّ ذٰلِكَ النَّبِيَّ مِنْ صُلْبِي، فَبِحَقِّ ذٰلِكَ النَّبِيِّ، إِلَّا مَا أَطْعَمْتَنِي، فَأَوْحَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى جِبْرَئِيلَ أَنِ اهْبِطْ إِلَى عَبْدِي، فَهَبَطَ عَلَيْهِ جِبْرَئِيلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَى نَبِيِّنَا وَعَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهَبَطَ مَعَهُ بِسَبْعِ حَبَّاتٍ مِّنْ حِنْطَةٍ، فَوَضَعَهَا عَلَى يَدَيْ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ.

''میرے رب! میں اپنی جان پر ظلم کر بیٹھا ہوں، تو مجھے معاف فرما دے اور میرے حال پر رحم کر، تیرے سوا تیرے بندے کے گناہ کوئی معاف نہیں کرسکتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اے آدم! تُو نے اس اُمّی نبی کو کیسے پہچانا، حالانکہ میں نے ابھی اسے پیدا ہی نہیں کیا؟ اس پر آدم علیہ السلام نے عرض کیا: میں نے عرش پر یہ لکھا ہوا دیکھا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ، چنانچہ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ نبی میری اولاد میں سے ہوگا۔ اس نبی کے طفیل مجھے کھانا دے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میرے بندے کی طرف اُترو۔ جبرئیل علیہ السلام اترے اور ان کے ساتھ گندم کے سات دانے تھے۔ انہوں نے وہ دانے آدم علیہ السلام کے ہاتھوں پر رکھ دیئے۔'' (العظمة لأبي الشيخ الأصبهاني: 5/1598,1597، ح:1063)

تبصرہ: یہ جھوٹ کا پلندا ہے، کیونکہ:

① ابو یعقوب یوسف بن دودان کون ہے؟ معلوم نہیں ہو سکا۔

② محمد بن یوسف تمیمی کے حالات نہیں مل سکے۔

③ محمد بن جعفر بن محمد بن علی کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

تُكُلِّمَ فِيهِ. ''اس کے بارے میں جرح کی گئی ہے۔'' (میزان الاعتدال: 3/500)

حافظ موصوف نے اس کی ایک روایت کو باطل بھی کہا ہے۔ (تلخیص المستدرک: 2/588)

لہٰذا یہ روایت قطعاً قابلِ حجت نہیں۔

دلیل نمبر ⑨: سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ﴾ (البقرۃ 2: 137) (آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے) کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ أَهْبَطَ آدَمَ بِالْهِنْدِ، وَحَوَّاءَ بِجُدَّةَ، وَإِبْلِيسَ بِمِيسَانَ، وَالْحَيَّةَ بِأَصْبَهَانَ، وَكَانَ لِلْحَيَّةِ قَوَائِمُ كَقَوَائِمِ الْبَعِيرِ، وَمَكَثَ آدَمُ بِالْهِنْدِ مِائَةَ سَنَةٍ بَاكِيًا عَلٰى خَطِيئَتِهِ،

حَتّٰی بَعَثَ اللّٰہُ تَعَالٰی إِلَیْهِ جِبْرِیلَ، وَقَالَ: یَا آدَمُ! أَلَمْ أَخْلُقْکَ بِیَدِي؟ أَلَمْ أَنْفُخْ فِیکَ مِنْ رُوحِي؟ أَلَمْ أُسْجِدْ لَکَ مَلَائِکَتِي؟ أَلَمْ أُزَوِّجْکَ حَوَّاءَ أَمَتِي؟ قَالَ بَلٰی، قَالَ: فَمَا هٰذَا الْبُکَاءُ؟ قَالَ: وَمَا یَمْنَعُنِي مِنَ الْبُکَاءِ وَقَدْ أُخْرِجْتُ مِنْ جِوَارِ الرَّحْمٰنِ، قَالَ: فَعَلَیْکَ بِهٰذِهِ الْکَلِمَاتِ، فَإِنَّ اللّٰہَ قَابِلٌ تَوْبَتَکَ وَغَافِرٌ ذَنْبَکَ، قُلْ: اللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، سُبْحَانَکَ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، عَمِلْتُ سُوءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِي، فَتُبْ عَلَيَّ، إِنَّکَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیمُ، اللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، عَمِلْتُ سُوءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِي، فَتُبْ عَلَيَّ، إِنَّکَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیمُ، فَهٰؤُلَاءِ الْکَلِمَاتُ الَّتِي تَلَقّٰی آدَمُ.

''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ہندوستان میں، حواء علیہا السلام کو جدہ میں، ابلیس کو میسان میں اور سانپ کو اصبہان میں اتارا۔ سانپ کے چوپائیوں کی طرح پائے تھے۔ آدم علیہ السلام سو سال تک اپنی غلطی پر روتے رہے۔ حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس جبریل علیہ السلام کو بھیجا اور فرمایا: اے آدم! کیا میں نے تجھے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا؟ کیا میں نے تجھ میں اپنی روح نہیں پھونکی؟ کیا میں نے فرشتوں سے تجھ کو سجدہ نہیں کرایا؟ کیا میں نے اپنی بندی حواء کے ساتھ تیری شادی نہیں کی؟ آدم علیہ السلام نے عرض کی: بالکل ایسا ہی ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر یہ رونا دھونا کیسا ہے؟ آدم علیہ السلام نے عرض کی: میں کیوں نہ روؤں کہ مجھے رحمٰن کے پڑوس سے نکال دیا گیا۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا: یہ کلمات پڑھو تو اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول کر کے تمہارا گناہ معاف فرما دے گا: اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، سُبْحَانَکَ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، عَمِلْتُ سُوءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِي، فَتُبْ عَلَيَّ، إِنَّکَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیمُ، اللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، عَمِلْتُ سُوءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِي، فَتُبْ عَلَيَّ، إِنَّکَ

أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (اے اللہ! میں تجھ سے محمد ﷺ اور ان کی آل کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں۔ تو پاک ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں نے غلطی کی ہے اور اپنی جان پر ظلم کمایا ہے۔ تُو میری توبہ قبول کر لے۔ یقیناً تو ہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے)۔ یہی وہ کلمات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سکھائے تھے۔“

(فوائد أبي بكر الأبهري: 17، مسند الديلمي بحواله كنز العمال: 33457)

تبصرہ: یہ جھوٹ کا پلندا ہے، کیونکہ:

① اس میں حماد بن عمرو نصیبی راوی اپنی طرف سے حدیثیں گھڑنے والا اور سخت جھوٹا ہے۔

② سری بن خالد بن شداد عوفی راوی کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔ (میزان الاعتدال: 2/117)

حافظ سیوطی نے اس کی سند کو ”واہ“ (ضعیف) قرار دیا ہے۔

(الدر المنثور في التفسير بالمأثور: 1/147)

نیز یہ روایت قرآنِ کریم میں بیان کیے گئے کلمات کے خلاف بھی ہے۔

دلیل نمبر ⑩: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَمَّا نَزَلَتِ الْخَطِيئَةُ بِآدَمَ وَأُخْرِجَ مِنْ جِوَارِ رَبِّ الْعَالَمِينَ أَتَاهُ جِبْرِيلُ، فَقَالَ: يَا آدَمُ! اُدْعُ رَبَّكَ، قَالَ: يَا حَبِيبِي جِبْرِيلُ! وَبِمَا أَدْعُو؟ قَالَ: قُلْ: يَا رَبِّ! أَسْأَلُكَ بِحَقِّ خَمْسَةِ الَّذِينَ تُخْرِجُهُمْ مِنْ صُلْبِي آخِرَ الزَّمَانِ، إِلَّا تُبْتَ عَلَيَّ وَرَحِمْتَنِي، فَقَالَ: حَبِيبِي جِبْرِيلُ! اسْمَحْهُمْ لِي، قَالَ: مُحَمَّدٌ النَّبِيُّ، وَعَلِيٌّ الْوَصِيُّ، وَفَاطِمَةُ بِنْتُ عَلِيٍّ، وَالْحَسَنُ، وَالْحُسَيْنُ سِبْطَيِ النَّبِيِّ، فَدَعَا بِهِمْ، فَتَابَ اللهُ

عَلَيْهِ، وَذٰلِكَ قَوْلُهُ: ﴿فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾، وَمَا مِنْ عَبْدٍ يَدْعُو بِهَا إِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ لَهُ.

''جب آدم علیہ السلام سے غلطی ہوگئی اور انہیں رب العالمین کے پڑوس سے نکال دیا گیا تو ان کے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے: اے آدم! اپنے رب سے دُعا کرو۔ آدم علیہ السلام نے کہا: کیسے؟ انہوں نے کہا: کہو کہ اے میرے رب! میں تجھ سے اُن پانچ لوگوں کے طفیل التجا کرتا ہوں جن کو تُو میری نسل سے آخری زمانے میں پیدا کرنے والا ہے کہ تُو میری توبہ قبول کرلے اور مجھ پر اپنی رحمت فرما۔ آدم علیہ السلام نے کہا: میرے دوست جبریل! مجھے ان پانچوں لوگوں کے بارے میں بتا دے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: وہ نبی محمد ﷺ، ان کے وصیت یافتہ سیدنا علی، ان کی بیٹی سیدہ فاطمہ، سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان کلمات کے ساتھ آدم علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں آدم علیہ السلام کو کلمے سکھانے کا جو ذکر کیا ہے، اس سے مراد یہی کلمات ہیں۔ جو بھی بندہ ان کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی دُعا ضرور قبول فرمائے گا۔''

(شواهد التنزيل لقواعد التفضيل للحسكاني: 1/102)

تبصرہ: یہ سند بھی اندھیری ہے۔ احمد بن سلیمان کون ہے؟ اس کا تعین نہیں ہو سکا۔ اسی طرح ابوسہل واسطی کی تعیین بھی نہیں ہوئی۔ روایت کا متن دیکھنے سے یہ دونوں جھوٹے اور رافضی معلوم ہوتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کا اتفاقی عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے باقی صحابہ سے چھپا کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو کوئی چیز عطا نہیں کی تھی، نہ ہی خلافت کے حوالے سے ان کے بارے میں وصیت کی تھی۔ یہ رافضیوں کا من گھڑت عقیدہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس خاص علم تھا اور رسولِ اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں خلافت کی وصیت کی تھی۔

نیز جن کلمات سے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی، وہ قرآنِ کریم میں مذکور ہیں۔ ان میں کسی

مخلوق کے واسطے یا وسیلے کا کوئی ذکر نہیں۔

دلیل نمبر ⑪: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾ کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سَأَلَهُ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ، وَعَلِيٍّ، وَفَاطِمَةَ، وَالْحَسَنِ، وَالْحُسَيْنِ.

''آدم علیہ السلام نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، علی، فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے واسطے سے دُعا کی تھی۔'' (مناقب علي لابن المغازلي: 89)

تبصرہ: یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ:

(ا) اس کا راوی عمرو بن ابی المقدام بن ثابت ''کذاب'' اور ''متروک'' ہے۔

① علی بن شقیق کہتے ہیں:

سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الْمُبَارَكِ، يَقُولُ عَلَى رُؤُوسِ النَّاسِ: دَعُوا حَدِيثَ عَمْرِو بْنِ ثَابِتٍ، فَإِنَّهُ كَانَ يَسُبُّ السَّلَفَ.

''میں نے امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کو سرِعام یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عمرو بن ثابت کی بیان کردہ روایات کو چھوڑ دو، کیونکہ وہ اسلافِ امت کو گالیاں بکتا تھا۔''

(مقدمة صحيح مسلم، ص: 11، طبع دار السلام)

② امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ بِثِقَةٍ وَّلَا مَأْمُونٍ، لَا يُكْتَبُ حَدِيثُهُ.

''یہ قابلِ اعتبار راوی نہیں، اس کی حدیث لکھی ہی نہ جائے۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي: 5/121، وسندهٔ حسنٌ)

نیز انہوں نے اسے ''ضعیف'' بھی کہا ہے۔ (تاريخ يحيى بن معين: 1624)

③ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَيْسَ بِالْقَوِيِّ عِنْدَهُمْ.

''یہ راوی محدثین کرام کے نزدیک قابل اعتبار نہیں۔'' (كتاب الضعفاء، ص: 87)

④ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی اسے ضعیف و متروک راویوں میں شمار کیا ہے۔

(كتاب الضعفاء والمتروكين: 401)

⑤ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعِيفُ الْحَدِيثِ، يُكْتَبُ حَدِيثُهُ، كَانَ رَدِيءَ الرَّأْيِ، شَدِيدَ التَّشَيُّعِ.

''اس کی حدیث ضعیف ہے، اسے (متابعات وشواہد میں) لکھا جا سکتا ہے۔ یہ برے عقائد کا حامل کٹر شیعہ تھا۔'' (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 6/233)

⑥ امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضَعِيفُ الْحَدِيثِ.

''اس کی حدیث ضعیف ہے۔'' (الجرح والتعديل: 6/323)

⑦ امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے ''متروک الحدیث'' قرار دیا ہے۔

(كتاب الضعفاء والمتروكين: 45)

⑧ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ مِمَّنْ يَرْوِي الْمَوْضُوعَاتِ، لَا يَحِلُّ ذِكْرُهُ إِلَّا عَلَى سَبِيلِ الِاعْتِبَارِ.

''یہ من گھڑت روایات بیان کرتا تھا۔ اس کی حدیث کو صرف (متابعات وشواہد) میں ذکر کرنا جائز ہے۔'' (كتاب المجروحين: 2/76)

⑨ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَالضُّعْفُ عَلَى رِوَايَاتِهِ بَيِّنٌ.

''اس کی روایات میں کمزوری واضح ہے۔'' (الكامل في ضعفاء الرجال: 5/132)

(ب) اس کا ایک راوی حسین یا حسن اشقر جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔ اس کے بارے میں:

① امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فِيهِ نَظَرٌ.

''یہ منکر الحدیث راوی ہے۔'' (التاریخ الکبیر:385/2)

نیز فرماتے ہیں: عِنْدَهُ مَنَاكِيرُ. ''اس کے پاس منکر روایات ہیں۔''

(التاریخ الصغیر:291/2)

② امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مُنْكَرُ الْحَدِيثِ، وَكَانَ صَدُوقًا.

''اس کی حدیث منکر ہے، اگر چہ خود سچا تھا۔'' (سؤالات ابن هانئ:2358)

③ امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: هُوَ شَيْخٌ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ.

''یہ منکر احادیث بیان کرنے والا شیخ ہے۔'' (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم:50/3)

④ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: لَيْسَ بِقَوِيٍّ فِي الْحَدِيثِ.

''حدیث بیان کرنے میں بہت کمزور تھا۔'' (الجرح والتعديل:49/3)

⑤ علامہ جوزجانی لکھتے ہیں: غَالٍ مِنَ الشَّتَّامِينَ لِلْخِيَرَةِ.

''یہ غالی رافضی تھا، صحابہ کرام کو سخت برا بھلا کہتا تھا۔'' (أحوال الرجال:90)

⑥ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جَمَاعَةٌ مِنْ ضُعَفَاءِ الْكُوفِيِّينَ يُحِيلُونَ بِالرِّوَايَاتِ عَلَى حُسَيْنٍ الْأَشْقَرِ، عَلَى أَنَّ حُسَيْنًا هٰذَا فِي حَدِيثِهِ بَعْضُ مَا فِيهِ.

''ضعیف کوفی راویوں کی ایک جماعت حسین اشقر کی طرف روایات منسوب کرتی تھی۔ حالانکہ خود اس حسین کی حدیث میں بھی ضعف موجود ہے۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال:362/2)

⑦، ⑧ امام دارقطنی (كتاب الضعفاء والمتروكين : 195) اور امام نسائی (کتاب

الضعفاء والمتروکین:146) نے اسے غیر قوی قرار دیا ہے۔

⑨ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهُوَ شِيعِيٌّ جَلْدٌ، وَضَعَّفَهُ غَيْرُ وَاحِدٍ.

"یہ کٹر شیعہ تھا اور اسے بہت سے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔"
(البداية والنهاية:86/6)

مزید فرماتے ہیں: وَهُوَ شِيعِيٌّ مَتْرُوكٌ.

"یہ شیعہ اور متروک راوی ہے۔" (تفسیر ابن کثیر:570/3)

⑩ حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: وَضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

"اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔" (مجمع الزوائد:102/9)

⑪ حافظ عراقی فرماتے ہیں: شِيعِيٌّ مُخْتَلِقٌ.

"یہ راوی شیعہ اور جھوٹی احادیث گھڑنے والا ہے۔"
(الفتح السماوي بتخريج أحاديث القاضي البيضاوي للمناوي:869)

⑫ یہی بات علامہ زیلعی حنفی نے لکھی ہے۔
(تخريج أحاديث الكشاف:335/3)

⑬ علامہ سیوطی لکھتے ہیں: حُسَيْنٌ الْأَشْقَرُ مُتَّهَمٌ.

"حسین اشقر پر احادیث گھڑنے کا الزام ہے۔" (ذیل الأحاديث الموضوعة، ص:58)

لہٰذا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (تقریب التہذیب:1318) کا اسے غالی شیعہ اور وہمی کہنے کے ساتھ ساتھ سچا کہنا درست نہیں۔

⑭ خود حافظ موصوف اسے "ضعیف" بھی قرار دے چکے ہیں۔ (فتح الباري:28/6)

⑮ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عَمْرٌو لَيْسَ بِثِقَةٍ، وَحُسَيْنٌ مُتَّهَمٌ.

"اس حدیث کا راوی عمرو بن ثابت غیر معتبر اور حسین اشقر متہم ہے۔"
(تلخیص کتاب الموضوعات:151/1)

اس روایت میں اور بھی خرابیاں موجود ہیں۔ نیز مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے باسند صحیح یوں ثابت ہے:

﴿فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾، قَالَ: أَيْ رَبِّ! أَلَمْ تَخْلُقْنِي بِيَدِكَ؟ قَالَ: بَلَىٰ، قَالَ: أَيْ رَبِّ! أَلَمْ تَنْفُخْ فِيَّ مِنْ رُوحِكَ؟ قَالَ: بَلَىٰ، قَالَ: أَيْ رَبِّ! أَلَمْ تُسْكِنِّي جَنَّتَكَ؟ قَالَ: بَلَىٰ، قَالَ: أَيْ رَبِّ! أَلَمْ تَسْبِقْ رَحْمَتُكَ غَضَبَكَ؟ قَالَ: بَلَىٰ، قَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ تُبْتُ وَأَصْلَحْتُ، أَرَاجِعِي أَنْتَ إِلَى الْجَنَّةِ؟ قَالَ: بَلَىٰ، قَالَ: فَهُوَ قَوْلُهُ: ﴿فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ﴾ (البقرة:37)

"﴿فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾ (البقرة: 37) (آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی)۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! کیا تُو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیوں نہیں۔ عرض کیا: میرے رب! کیا تُو نے مجھ میں اپنی طرف سے رُوح نہیں پھونکی؟ فرمایا: کیوں نہیں۔ عرض کیا: اے رب! کیا تُو نے مجھے جنت میں نہیں بسایا تھا؟ فرمایا: کیوں نہیں۔ عرض کیا: میرے رب! کیا تیری رحمت تیرے غضب پر غالب نہیں ہے؟ فرمایا: کیوں نہیں۔ عرض کیا: اگر میں توبہ کروں اور نیک بن جاؤں تو کیا تُو مجھے دوبارہ جنت میں جگہ دے گا؟ فرمایا: کیوں نہیں۔۔۔ پھر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہی اس آیت کی تفسیر ہے۔"

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم: 594/2، ح: 4002، وسندہٗ صحیحٌ)

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ.

"اس حدیث کی سند صحیح ہے۔"

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو "صحیح" قرار دیا ہے۔

اس آیتِ کریمہ کی یہی تفسیر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد، مشہور تابعی امام اسماعیل بن عبد

الرحمٰن سُدّی (م:127ھ) نے بھی کی ہے۔ (التفسیر من سنن سعید بن منصور: 186، وسندۂ صحیح)

صحابی رسول کی اس صحیح وثابت تفسیر کو چھوڑ کر من گھڑت، باطل اور ضعیف روایات سے آیت کریمہ کی تفسیر کرنا قرآن کریم کی معنوی تحریف کے مترادف ہے۔

دلیل نمبر ⑫: آدم علیہ السلام کے توسّل کے بارے میں ایک روایت یوں ہے:

لَمَّا أَصَابَ آدَمُ الذَّنْبَ نُودِيَ أَنِ اخْرُجْ مِنْ جِوَارِي، فَخَرَجَ يَمْشِي بَيْنَ شَجَرِ الْجَنَّةِ، فَبَدَتْ عَوْرَتُهُ، فَجَعَلَ يُنَادِي: الْعَفْوَ الْعَفْوَ، فَإِذَا شَجَرَةٌ قَدْ أَخَذَتْ بِرَأْسِهِ، فَظَنَّ أَنَّهَا أُمِرَتْ بِهِ، فَنَادٰى: بِحَقِّ مُحَمَّدٍ، إِلَّا عَفَوْتَ عَنِّي، فَخُلِّيَ عَنْهُ، ثُمَّ قِيلَ لَهُ: أَتَعْرِفُ مُحَمَّدًا؟ قَالَ: نَعَمْ، قِيلَ: وَكَيْفَ؟ قَالَ: لَمَّا نُفِخَتْ فِيَّ يَا رَبِّ الرُّوحَ، رَفَعْتُ رَأْسِي إِلَى الْعَرْشِ، فَإِذَا فِيهِ مَكْتُوبٌ: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)، فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَمْ تَخْلُقْ خَلْقًا أَكْرَمَ عَلَيْكَ مِنْهُ .

''جب آدم علیہ السلام سے غلطی سرزد ہوئی تو ان کو غیب سے آواز آئی: میرے پڑوس سے نکل جاؤ۔ آدم علیہ السلام جنت کے درختوں کے درمیان چلتے ہوئے نکل رہے تھے کہ ان کا ستر کھل گیا۔ انہوں نے معافی معافی پکارنا شروع کر دیا۔ اچانک ایک درخت نے ان کے سر کو پکڑ لیا۔ آدم علیہ السلام سمجھے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا ہے۔ پھر انہوں نے یوں دُعا کی: اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طفیل مجھے معاف فرما دے۔ اس طرح ان کی خلاصی ہوگئی۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیسے جانتے ہو؟ انہوں نے کہا: اے میرے رب! جب تُو نے مجھ میں روح پھونکی تو میں نے عرش کی طرف اپنا سر اٹھایا اور دیکھا کہ اس میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھا ہوا ہے، تب مجھے یقین ہوگیا کہ وہ تجھے ساری مخلوق سے بڑھ کر محبوب ہیں۔''

(الإشراف في منازل الأشراف لابن أبي الدنيا: 24، تاریخ دمشق لابن عساکر: 7/386)

تبصرہ: یہ جھوٹ کا پلندا ہے جو ان نامعلوم اور مبہم راویوں نے اکٹھا کیا ہے:

① محمد بن مغیرہ مازنی راوی کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔

② اس کے باپ کے متعلق بھی کوئی آگاہی نہیں ملی۔

③ رجل من اہل الکوفہ، مبہم اور مجہول ہے۔

④ عبدالرحمٰن بن عبدربہ مازنی کی واضح توثیق درکار ہے۔

⑤ شیخ من اہل المدینہ بھی مجہول ہے۔

اس سند میں مبہم اور مجہول راویوں نے بسیرا کر رکھا ہے۔ یہ روایت انہی نامعلوم راویوں کی گھڑنتل ہے۔

تنبیہ: سعید بن جبیر تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

اِخْتَصَمَ وَلَدُ آدَمَ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: أَيُّ خَلْقٍ أَكْرَمُ عَلَى اللّٰهِ؟ قَالَ بَعْضُهُمْ: آدَمُ، خَلَقَهُ اللّٰهُ بِيَدِهٖ، وَأَسْجَدَ لَهُ الْمَلَائِكَةَ، قَالَ آخَرُونَ: الْمَلَائِكَةُ الَّذِينَ لَمْ يَعْصُوا اللّٰهَ، فَقَالُوا: بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَبُونَا، فَانْتَهَوْا إِلٰى آدَمَ، فَذَكَرُوا لَهُ مَا قَالُوا، فَقَالَ: يَا بَنِيَّ! إِنَّ أَكْرَمَ الْخَلْقِ مَا بَدَا أَنْ نَفَخَ فِيَّ الرُّوحَ، فَمَا بَلَغَ قَدَمَيَّ حَتّٰى اسْتَوَيْتُ جَالِسًا، فَبَرَقَ لِيَ الْعَرْشُ، فَنَظَرْتُ فِيهِ: مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ، فَذَاكَ أَكْرَمُ الْخَلْقِ عَلَى اللّٰهِ.

''آدم علیہ السلام کی اولاد نے آپس میں بحث وتکرار کی کہ اللہ کے نزدیک سب سے معزز مخلوق کون سی ہے؟ بعض نے کہا کہ وہ آدم علیہ السلام ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اسے فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ دوسروں نے کہا کہ فرشتے سب سے معزز مخلوق ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ کی کوئی نافرمانی نہیں کی۔ پھر انہوں نے کہا کہ ہم اپنے والد سے فیصلہ کراتے ہیں۔ وہ آدم علیہ السلام کے پاس پہنچے اور ساری بات انہیں بتائی۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا: میرے بیٹو! اللہ کے ہاں سب سے معزز مخلوق وہ ہستی ہے جو مجھ میں روح پھونکے جانے کے وقت ظاہر ہوئی۔ ابھی روح میرے قدموں تک نہیں پہنچی تھی کہ میں سیدھا ہو کر بیٹھ سکتا۔ اس وقت عرش چمکا اور میں نے

اس میں محمد رسول اللہ لکھا دیکھا۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی سب سے معزز مخلوق ہیں۔"

(الإشراف في منازل الأشراف لابن أبي الدنيا: 23، تاريخ دمشق لابن عساكر: 386/7)

یہ بے ثبوت قول ہے، کیونکہ:

① اس کا راوی محمد بن صالح بن مہران قرشی "مجہول الحال" ہے۔ سوائے امام ابن حبان رحمہ اللہ (125/9) کے کسی نے اس کی توثیق نہیں کی۔

② اس کا استاذ عون بن کہمس بھی "مجہول الحال" ہے۔ اس کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَا أَعْرِفُهُ. "میں اسے نہیں جانتا۔"

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 387/6، وسندهٔ صحيح)

رہا امام ابن حبان رحمہ اللہ کا اسے ثقات (515/8) میں ذکر کرنا، تو وہ مفید نہیں، کیونکہ انہوں نے کتنے ہی مجہول راویوں کو ثقات میں ذکر کر دیا ہے۔

رہی بات امام ابوداود رحمہ اللہ کے قول کی کہ انہوں نے اس کے بارے میں فرمایا:

لَمْ يَبْلُغْنِي إِلَّا خَيْرٌ. "مجھے اس کے متعلق خیر ہی پہنچی ہے۔" (سوالات الآجري: 1063)

تو یہ قول ثابت نہیں، کیونکہ ابوعبید الآجری خود نامعلوم و مجہول ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے "مقبول" یعنی مجہول الحال کہا ہے۔ (تقريب التهذيب: 5225)

معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہی راجح ہے۔

یہی بات درست ہے کہ یہ مجہول راوی ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (307/2) کا اسے ثقہ قرار دینا بے دلیل اور مرجوح ہے۔

③ سند میں مذکور ابوالاسود طفاوی نامی راوی کی توثیق کسی مجہول ہی کی طرف سے ہے۔ جو خود مجہول یا ضعیف ہو، اس کی توثیق کا کیا اعتبار؟ پھر اس طفاوی کا امام سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے سماع ولقاء بھی درکار ہے۔

سیدنا آدم علیہ السلام کے بارے میں اس طرح کا اڑتا ہوا قول حجت نہیں ہو سکتا، جبکہ یہ قرآنِ مجید

اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ثابت شدہ تفسیر کے بھی خلاف ہے۔

دلیل نمبر ⑬: حفص بن سائب حنظلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے والد کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دُعا سکھائی:

اَللّٰهُمَّ! بِحَقِّ آدَمَ وَذُرِّيَّتِهِ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ، أَنْ تَشْفِيَ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ، وَفُلَانَةَ بِنْتَ فُلَانٍ.

''اے اللہ! آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں آنے والے انبیائے کرام کے طفیل فلاں بن فلاں اور فلانہ بنت فلاں کو شفا دے دے۔۔۔''

(أخرجه المستغفري كما في الأجوبة المرضية للسخاوي: 1/316)

تبصرہ: مستغفری کی کتاب مفقود ہے۔ چراغ لیے ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ اس روایت کی سند کا علم نہیں ہو سکا۔ بے سند روایات دین نہیں بن سکتیں۔

دلیل نمبر ⑭: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَمَّا اقْتَرَفَ آدَمُ الْخَطِيئَةَ، قَالَ: يَا رَبِّ! أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ، لَمَا غَفَرْتَ لِي، فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: يَا آدَمُ! وَكَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَلَمْ أَخْلُقْهُ؟ قَالَ: لِأَنَّكَ يَا رَبِّ لَمَّا خَلَقْتَنِي بِيَدِكَ وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُوحِكَ رَفَعْتُ رَأْسِي، فَرَأَيْتُ عَلَى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوبًا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ، فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَمْ تُضِفْ إِلَى اسْمِكَ إِلَّا أَحَبَّ الْخَلْقِ إِلَيْكَ. فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: صَدَقْتَ يَا آدَمُ، إِنَّهُ لَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَيَّ، وَإِذْ سَأَلْتَنِي بِحَقِّهِ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ، وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ.

''جب آدم علیہ السلام نے گناہ کا ارتکاب کیا تو انہوں نے عرض کیا: اے میرے رب! میں تجھ سے بحقِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سوال کرتا ہوں کہ مجھے معاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تو

نے محمد (ﷺ) کو کیسے پہچان لیا جبکہ میں نے ابھی تک اسے پیدا ہی نہیں کیا؟ آدم نے عرض کیا: اس لیے کہ جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی طرف سے روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھایا اور عرش کے پائیوں پر لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ لکھا دیکھا۔ میں اسی وقت جان گیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اسی کا نام لکھا ہے جو مخلوق میں سے تجھے سب سے محبوب ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: آدم! تو نے سچ کہا ہے۔ وہ ساری مخلوق میں سے مجھے زیادہ محبوب ہیں۔ چونکہ تو نے مجھ سے ان کے بحق مانگا ہے تو میں نے تجھے معاف کر دیا ہے۔ اگر محمد (ﷺ) نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔" (المستدرک علی الصحیحین للحاکم: 2/614، 615 ح: 4228، دلائل النبوۃ للبیھقي: 5/488، تاریخ دمشق لابن عساکر: 7/437)

تبصرہ: یہ موضوع (من گھڑت) روایت ہے۔ جب امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے "صحیح الاسناد" کہا تو ان کے ردّ میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا: بَلْ مَوْضُوعٌ.

"بلکہ یہ روایت تو موضوع (من گھڑت) ہے۔" (تلخیص المستدرک: 2/615)

احمد رضا خان بریلوی صاحب، شاہ عبدالعزیز دہلوی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسی لیے محدثین نے یہ ضابطہ مقرر کر دیا ہے کہ مستدرکِ حاکم پر ذہبی کی تلخیص دیکھنے کے بعد اعتماد کیا جائے گا۔" (فتاویٰ رضویہ: 5/546)

اور جب حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے باطل (میزان الاعتدال: 2/504، ت: 4604) کہا تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کے اس حکم کو برقرار رکھا۔ (لسان المیزان: 3/359، 360)

امام بیہقی رحمہ اللہ اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

تَفَرَّدَ بِهِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ عَنْهُ، وَهُوَ ضَعِيفٌ.

"اس سند سے اس روایت کو بیان کرنے میں اپنے والد سے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اکیلا ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔" (دلائل النبوۃ: 5/489)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے علامہ سبکی نقل کرتے ہیں:

وَأَمَّا مَا ذَكَرَهُ فِي قِصَّةِ آدَمَ، مِنْ تَوَسُّلِهِ، فَلَيْسَ لَهُ أَصْلٌ، وَلَا نَقَلَهُ أَحَدٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِسْنَادٍ يَصْلُحُ لِلاعْتِمَادِ عَلَيْهِ، وَلَا الِاعْتِبَارِ، وَلَا الِاسْتِشْهَادِ.

"آدم علیہ السلام کے قصے میں ان کے توسل کا جو واقعہ بیان ہوا ہے، وہ بے اصل ہے۔ کسی نے بھی اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی سند کے ساتھ بیان نہیں کیا جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہو یا جسے اعتبار و استشہاد کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہو۔" (شفاء السقام، ص:361، طبع جدید)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ روایت بیان کرنے کے بعد امام بیہقی رحمہ اللہ سے اس کے راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم پر "ضعیف" ہونے کی جرح ذکر کی ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ:393/2)

امام صاحب خود عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَهُوَ ضَعِيفٌ. "یہ ضعیف راوی ہے۔" (تفسیر ابن کثیر:12/3)

حافظ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ (705-744ھ) فرماتے ہیں:

وَإِنِّي لَأَتَعَجَّبُ مِنْهُ، كَيْفَ قَلَّدَ الْحَاكِمَ فِي تَصْحِيحِهِ، مَعَ أَنَّهُ حَدِيثٌ غَيْرُ صَحِيحٍ وَّلَا ثَابِتٍ، بَلْ هُوَ حَدِيثٌ ضَعِيفُ الْإِسْنَادِ جِدًّا، وَقَدْ حَكَمَ عَلَيْهِ بَعْضُ الْأَئِمَّةِ بِالْوَضْعِ.

"مجھے تو حیرانی ہے کہ سبکی نے اس حدیث کو صحیح قرار دینے میں امام حاکم رحمہ اللہ کی بات کو آنکھیں بند کر کے کیوں مان لیا؟ یہ حدیث صحیح و ثابت نہیں، بلکہ سخت ضعیف سند کے ساتھ مروی ہے۔ بعض ائمہ کرام نے تو اسے من گھڑت قرار دیا ہے۔"

(الصارم المنكي في الرد على السبكي، ص:32)

حافظ ہیثمی لکھتے ہیں: وَفِيهِ مَنْ لَّمْ أَعْرِفْهُمْ.

"اس روایت میں کئی راوی ایسے ہیں جنہیں میں نہیں پہچانتا۔" (مجمع الزوائد:353/8)

حافظ سیوطی نے اس روایت کو ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

(مناهل الصفا في تخريج أحاديث الشفا: 96)

ابن عراق کنانی (م: 963ھ) نے اسے ''باطل'' قرار دیا ہے۔ (تنزيه الشريعة: 1/76)

ملا علی قاری حنفی نے بھی اسے ''ضعیف'' کہا ہے۔ (شرح الشفا: 2/224)

قاری محمد طیب مہتمم دار العلوم دیو بند نے بھی اسے ''ضعیف'' کہا ہے۔

(خطبات حکیم الاسلام: 2/125)

غلام رسول سعیدی بریلوی صاحب نے بھی اسے ''ضعیف'' تسلیم کیا ہے۔

(شرح صحیح مسلم: 7/59)

اس کا راوی عبد الرحمن بن زید بن اسلم جمہور کے نزدیک ''ضعیف و متروک'' ہے۔

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وَالْأَكْثَرُ عَلَى تَضْعِيفِهِ.

''جمہور محدثین کرام اس کو ضعیف کہتے ہیں۔'' (مجمع الزوائد: 2/21)

حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضَعَّفَهُ الْكُلُّ.

''اسے سب نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (البدر المنير: 5/458)

اس کو امام احمد بن حنبل، امام علی بن المدینی، امام بخاری، امام یحییٰ بن معین، امام نسائی، امام ابو حاتم الرازی، امام ابو زرعہ الرازی، امام دار قطنی، امام ابن سعد، امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان، امام ساجی، امام طحاوی حنفی، امام جوزجانی رحمہم اللہ وغیرہم نے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رَوَى عَنْ أَبِيهِ أَحَادِيثَ مَوْضُوعَةً.

''اس نے اپنے باپ سے موضوع (من گھڑت) احادیث بیان کی ہیں۔

(المدخل: 154)

یہ حدیث بھی عبد الرحمن بن زید بن اسلم نے اپنے باپ زید بن اسلم سے روایت کی ہے، لہٰذا یہ بھی موضوع (من گھڑت) ہے۔

س کے دوسرے راوی عبداللہ بن مسلم فہری کے بارے میں حافظ ذہبی فرماتے ہیں:

وَلَاأَدْرِي مَنْ ذَا؟ ''میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے؟''

(تلخیص المستدرک:615/2)

تنبیہ ①: یہی روایت اسی سند سے امام ابوبکر آجری نے اپنی کتاب الشریعۃ (ص427) میں موقوفاً بھی ذکر کی ہے۔

تنبیہ ②: یہ روایت بعض الناس کو کوئی فائدہ نہیں دے گی کیونکہ یہی لوگ یہ من گھڑت روایت بھی پیش کرتے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کا نور پیدا کیا۔ اس روایت کو صحیح ثابت کرنے پر تو انہوں نے اپنا پورا زور صرف کر دیا لیکن انہیں اہل حق سے منہ کی کھانا پڑی۔

اگر اس نور والی روایت کو صحیح مانیں تو زیر بحث روایت باطل ہو جائے گی۔ دونوں میں سے کسی ایک کو تو جھوٹ ماننا ہی پڑے گا۔ زیر بحث جھوٹی روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ ابھی میں نے محمد ﷺ کو پیدا نہیں کیا تو تم نے انہیں کیسے پہچان لیا؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت تک محمد ﷺ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ جبکہ نور والی جھوٹی روایت میں ہے کہ ہر چیز سے پہلے محمد ﷺ کے نور کو پیدا کیا گیا۔ اب فیصلہ بعض الناس خود ہی کر لیں کہ وہ دونوں جھوٹوں کو چھوڑیں گے یا کسی ایک جھوٹ کو اپنا لیں گے۔ اگر وہ کسی ایک جھوٹ کو اپنانا چاہتے ہیں تو بتا دیں کہ وہ کس پر اعتماد کریں گے؟

دلیل نمبر ⑮: عبدالکریم قرشی کا بیان ہے کہ:

نَبَتَ اللُّبَانُ مِنْ دُمُوعِ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَالزَّعْفَرَانُ مِنْ دُمُوعِ دَاوُدَ، عَلَى نَبِيِّنَا وَعَلَيْهِمَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، قَالَ: فَلَمَّا اشْتَدَّ جُوعُ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ، فَقَالَ: يَا سَمَاءُ! أَطْعِمِينِي، فَأَنَا آدَمُ صَفِيُّ اللهِ تَعَالَى، فَأَوْحَى اللهُ عَزَّ

وَجَلَّ إِلَى السَّمَاءِ أَنْ أَجِيبِي عَبْدِي، فَقَالَتْ: يَا آدَمُ! لَسْنَا نُطْعِمُ الْيَوْمَ مَنْ عَصَى اللّٰهَ تَعَالٰى، فَبَكٰى آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَيْضًا أَرْبَعِينَ صَبَاحًا، فَلَمَّا اشْتَدَّ جُوعُهُ رَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ، فَقَالَ: أَسْأَلُكَ يَا رَبِّ! بِحَقِّ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي تُرِيدُ أَنْ تُخْرِجَهُ مِنْ صُلْبِي، إِلَّا تُبْتَ عَلَيَّ وَأَطْعَمْتَنِي.

''آدم علیہ السلام کے آنسوؤں سے کانٹے دار بُوٹی پیدا ہوئی، جبکہ داؤد علیہ السلام کے آنسوؤں سے زعفران پیدا ہوئی۔ جب آدم علیہ السلام کو بھوک کی شدت محسوس ہوئی تو انہوں نے آسمان کی طرف اپنا سر اٹھایا اور کہا: اے آسمان! مجھے کھانا کھلا، میں آدم صفی اللہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف وحی فرمائی کہ میرے بندے کو جواب دو۔ آسمان نے کہا: آدم! ہم آج اس شخص کو کھانا نہیں کھلائیں گے جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے۔ اس پر آدم علیہ السلام چالیس دن روتے رہے۔ جب ان کی بھوک مزید بڑھ گئی تو انہوں نے کہا: اے میرے رب! میں تجھ سے اس اُمّی نبی کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں جسے تُو میری نسل سے پیدا کرنا چاہتا ہے کہ تُو میری توبہ قبول کر لے اور مجھے کھانا کھلا دے۔'' (العظمة لأبي الشيخ الأصبهاني: 5/1596,1597، ح:1061)

تبصرہ: یہ کائنات کا بدترین جھوٹ ہے اور اس کی سند باطل ہے، کیونکہ:

① ابو یعقوب یوسف بن دودان کون ہے؟ معلوم نہیں ہو سکا۔

② محمد بن یوسف تیمی کے حالات نہیں مل سکے۔

③ ابراہیم بن محمد سے مراد اگر ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ اسلمی ہے تو وہ جمہور کے نزدیک ''متروک'' اور کذاب تھا۔

④ عثمان بن عبد الرحمن قرشی سے مراد اگر وقاصی ہے تو وہ باتفاق محدثین ''متروک'' اور ''ضعیف'' ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مَتْرُوكٌ، وَكَذَّبَهُ ابْنُ مَعِينٍ.

"یہ متروک ہے۔امام ابن معین رحمہ اللہ نے اسے کذاب کہا ہے۔" (تقریب التہذیب:4493)

④ نہ جانے عبدالکریم قرشی کس مصیبت کا نام ہے؟ اس روایت کو پیش کرنے والے اس راوی کا تعارف کرائیں۔

دلیل نمبر 16: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰی آدَمَ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ عَطَسَ، فَأَلْهَمَهُ اللّٰهُ: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾، فَقَالَ لَهُ رَبُّهُ: يَرْحَمُکَ رَبُّکَ، فَلَمَّا أَسْجَدَ لَهُ الْمَلَائِكَةَ تَدَاخَلَهُ الْعَجَبُ، فَقَالَ: يَا رَبِّ! خَلَقْتَ خَلْقًا أَحَبَّ إِلَيْکَ مِنِّي؟ فَلَمْ يُجِبْ، ثُمَّ قَالَ الثَّانِيَةَ، فَلَمْ يُجِبْ، ثُمَّ قَالَ الثَّالِثَةَ، فَلَمْ يُجِبْ، ثُمَّ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُ: نَعَمْ، وَلَوْلَاهُمْ مَا خَلَقْتُکَ، فَقَالَ: يَا رَبِّ! فَأَرِنِيهِمْ، فَأَوْحَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلٰى مَلَائِكَةِ الْحُجُبِ أَنِ ارْفَعُوا الْحُجُبَ، فَلَمَّا رُفِعَتْ إِذَا آدَمُ بِخَمْسَةِ أَشْبَاحٍ قُدَّامَ الْعَرْشِ، فَقَالَ: يَا رَبِّ! مَنْ هٰؤُلَاءِ؟ قَالَ: يَا آدَمُ! هٰذَا مُحَمَّدٌ نَبِيِّي، وَهٰذَا عَلِيٌّ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ ابْنُ عَمِّ نَبِيِّي وَوَصِيُّهُ، وَهٰذِهِ فَاطِمَةُ ابْنَةُ نَبِيِّي، وَهٰذَانِ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ ابْنَا عَلِيٍّ وَوَلَدَا نَبِيِّي، ثُمَّ قَالَ: يَا آدَمُ! هُمْ وَلَدُکَ، فَفَرِحَ بِذٰلِکَ، فَلَمَّا اقْتَرَفَ الْخَطِيئَةَ قَالَ: يَا رَبِّ! أَسْأَلُکَ بِمُحَمَّدٍ وَعَلِيٍّ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ لِمَا غَفَرْتَ لِي، فَغَفَرَ اللّٰهُ لَهُ بِهٰذَا.

"جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا اور ان میں اپنی روح پھونکی تو انہوں نے چھینک ماری۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں الہام کیا کہ وہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ کہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تجھ پر تیرا رب رحم کرے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے انہیں سجدہ کرایا تو ان میں تکبر آیا اور انہوں نے کہا: اے میرے رب! کیا تو نے کوئی ایسی مخلوق بھی پیدا کی ہے جو تجھے مجھ سے

بڑھ کر محبوب ہو؟ اللہ تعالیٰ نے کوئی جواب نہ دیا۔ انہوں نے دوسری مرتبہ یہی سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے پھر جواب نہ دیا۔ تیسری مرتبہ بھی یہی ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں، اگر وہ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔ آدم نے عرض کیا: اے میرے رب! میری ان سے ملاقات کرا دے۔ اللہ تعالیٰ نے حجاب کے فرشتوں کی طرف وحی کی کہ حجاب اٹھادو۔ جب پردے اٹھ گئے تو آدم نے دیکھا کہ عرش کے سامنے پانچ مورتیاں نظر آئیں۔ انہوں نے عرض کیا: اے میرے رب! یہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ (پہلے) میرے نبی محمد (ﷺ) ہیں، (دوسرے) امیر المومنین اور میرے نبی کے چچازاد اور وصی علی ہیں، (تیسری) میرے نبی کی بیٹی فاطمہ ہیں اور (چوتھے، پانچویں) علی کے بیٹے اور میرے نبی کے نواسے حسن و حسین ہیں۔ پھر فرمایا: اے آدم! یہ تیری اولاد ہیں۔ اس سے آدم خوش ہو گئے۔ جب آدم نے گناہ کا ارتکاب کیا تو کہا: اے میرے رب! میں تجھ سے محمد، علی، فاطمہ، حسن اور حسین کے واسطے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف کر دے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا۔''

(الیقین لعلي بن موسیٰ بن طاؤس الحسني: 174، 175)

تبصرہ: یہ روایت جھوٹ کا پلندا ہے اور کسی مجہول رافضی، شیعہ اور دشمنِ صحابہ کی کارستانی ہے۔ اس روایت میں علی بن ابراہیم قاضی اور اس کے باپ سمیت کئی راوی بالکل مجہول اور نامعلوم ہیں۔ نیز ابواحمد جرجانی قاضی راوی بھی موجود ہے۔ اگر اس سے مراد محمد بن علی بن عبدل ہے تو وہ ''متہم بالکذب'' راوی ہے۔ (الموضوعات لابن الجوزی: 349/1)

اگر یہ محمد بن محمد بن مکی ہے تو وہ بھی ''ضعیف'' راوی ہے۔ اسی طرح حجاج نامی راوی بھی اس میں موجود ہے۔ اگر اس سے مراد حجاج بن ارطاۃ ہے تو وہ بھی ''ضعیف و مدلس'' راوی ہے۔ اسی طرح اس سند میں ابن ابی نجیح ''مدلس'' بھی ہے۔ نیز علی بن موسیٰ بن طاؤس حسنی راوی رافضی ہے۔ اس کی نقل کا کوئی اعتبار نہیں۔

قارئین کرام ہی فیصلہ فرمائیں کہ جس سند میں اس قدر جہالتیں اور قباحتیں موجود ہوں اور

جس روایت میں رافضی عقائد جھلک رہے ہوں، اسے بطور دلیل ذکر کرنا بھلا کسی اہل سنت کو زیب دیتا ہے؟

قارئین کرام! ایک طرف قرآنِ کریم سے صراحتاً ثابت ہے کہ سیدنا وابونا آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو اس کی بلند صفات کا واسطہ دیا تھا۔ جبکہ دوسری طرف قرآنِ کریم کے خلاف بعض لوگ موضوع، من گھڑت اور ضعیف روایات پر اعتماد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو محمد ﷺ، آپ ﷺ کی آل، سیدہ فاطمہ، سیدنا علی اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم کا واسطہ دیا تھا۔ فیصلہ خود کریں کہ آپ کو قرآنِ کریم میں فرمائی ہوئی اللہ تعالیٰ کی بات پر اعتماد کرنا چاہیے یا جھوٹے، بدکردار، رافضی، بددین و بدعقیدہ اور نامعلوم ومجہول راویوں کی بیان کردہ نامعقول داستانوں پر؟

ایسے لوگوں کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَأَمَّا أُولٰئِکَ الضُّلَّالُ أَشْبَاهُ الْمُشْرِکِینَ النَّصَارٰی، فَعُمْدَتُهُمْ إِمَّا أَحَادِیثُ ضَعِیفَةٌ أَوْ مَوْضُوعَةٌ أَوْ مَنْقُولَاتٌ عَمَّنْ لَّا یُحْتَجُّ بِقَوْلِهٖ، إِمَّا أَنْ یَّکُونَ کِذْبًا عَلَیْهِ، وَإِمَّا أَنْ یَّکُونَ غَلَطًا مِّنْهُ، إِذْ هِيَ نَقْلُ غَیْرِ مُصَدَّقٍ عَنْ قَائِلٍ غَیْرِ مَعْصُومٍ، وَإِنِ اعْتَصَمُوا بِشَيْءٍ مِّمَّا ثَبَتَ عَنِ الرَّسُولِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَرَّفُوا الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ، وَتَمَسَّکُوا بِمُتَشَابِهِهٖ، وَتَرَکُوا مُحْکَمَهٗ کَمَا یَفْعَلُ النَّصَارٰی.

''مشرک نصرانیوں سے مشابہت رکھنے والے یہ گمراہ لوگ یا تو من گھڑت وضعیف روایات پر اعتماد کرتے ہیں یا ایسے لوگوں کے اقوال ومرویات پر جن کا قول حجت نہیں ہوتا۔ یہ اقوال یا تو قائل کی طرف جھوٹے منسوب کیے گئے ہوتے ہیں یا قائل کا علمی تسامح ہوتے ہیں۔ یوں یہ اقوال غیر معصوم اشخاص کی غیر مصدقہ مرویات پر مبنی ہوتے ہیں۔ اگر کبھی وہ رسول اللہ ﷺ کی ثابت شدہ احادیث سے دلیل لیتے ہیں تو ان کے معانی ومفاہیم میں تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں اور محکم وصریح کو چھوڑ کر نصاریٰ کی طرح متشابہ الفاظ سے استدلال واستنباط

کرتے ہیں۔" (تلخيص كتاب الاستغاثة المعروف بالرد على البكري، ص:352)

نیز وہ ضعیف حدیث کے نا قابل اعتبار ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں:

لَمْ يَقُلْ أَحَدٌ مِّنَ الْأَئِمَّةِ : إِنَّهُ يَجُوزُ أَنْ يُّجْعَلَ الشَّيْءُ وَاجِبًا أَوْ مُسْتَحَبًّا بِحَدِيثٍ ضَعِيفٍ، وَمَنْ قَالَ هٰذَا، فَقَدْ خَالَفَ الْإِجْمَاعَ.

"ائمہ دین میں سے کسی نے بھی شریعت کے کسی واجب و مستحب امر کو ضعیف حدیث سے ثابت کرنا جائز قرار نہیں دیا۔ جو شخص ایسی بات کرتا ہے، وہ اجماع کا مخالف ہے۔"

(قاعدة جليلة في التوسل والوسيلة، ص:162)

بریلوی بھائیوں کی خدمت میں ان کے امام جناب احمد رضا خان بریلوی کا یہ قول پیش کیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "ضعیف حدیثیں کسی غیر ثابت چیز کو ثابت نہیں کرتیں۔"

(فتاویٰ رضویہ: 29/726)

سیدنا آدم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماء و صفات کا واسطہ دینا قرآنِ کریم سے ثابت ہے۔

ضعیف حدیثیں جو کسی غیر ثابت چیز کو ثابت نہیں کرتیں، کیا اب بھی کوئی ان پر اعتماد کرے گا؟

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

کائنات کی تخلیق کس لیے ہوئی؟ اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ عبادتِ الٰہی کے لیے، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ﴾ (الذاریات 51:56)

''میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔''

معلوم ہوا کہ نظامِ کائنات کو خالقِ کائنات نے اپنے ہی لیے پیدا کیا ہے۔

اس قرآنی بیان کے خلاف گمراہ صوفیوں نے ایک جھوٹی اور من گھڑت روایت مشہور کر رکھی ہے کہ کائنات کی تخلیق رسولِ اکرم ﷺ کے لیے، آپ کے طفیل اور آپ کے صدقے ہوئی۔ اگر آپ نہ ہوتے تو کائنات تخلیق نہ ہوتی۔ یہ نظریہ قرآنِ کریم کے بھی خلاف ہے اور اس سلسلے میں بیان کردہ روایات بھی جھوٹی، جعلی اور ضعیف ہیں۔

اس خود ساختہ عقیدے کے بارے میں بیان کی جانے والی روایات کی ذخیرۂ حدیث میں موجود تمام سندوں کا تفصیلی جائزہ اور ان پر منصفانہ تبصرہ پیشِ خدمت ہے۔ قارئین کرام غور سے اس مضمون کا مطالعہ فرمائیں اور فیصلہ خود کریں کہ کیا ایسی روایات کو دینِ اسلام کا نام دیا جا سکتا ہے اور کیا ایسی روایات کو اپنی تائید میں پیش کرنے والے لوگ اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہو سکتے ہیں؟ ملاحظہ فرمائیے:

روایت نمبر ①: سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔۔۔ اللہ نے فرمایا:

وَلَوْلَاکَ یَا مُحَمَّدُ! مَا خَلَقْتُ الدُّنْیَا.

''اے محمد (ﷺ)! اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو تخلیق نہ کرتا۔''

(تاریخ ابن عساکر: 3/518، الموضوعات لابن الجوزي: 1/288، 289)

تبصرہ: یہ باطل اور جھوٹی روایت ہے۔ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اسے "موضوع" (من گھڑت) قرار دیا ہے۔ حافظ سیوطی نے بھی ان کے حکم کو برقرار رکھا ہے۔

(اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة للسيوطي: 1/272)

اس روایت کے باطل ہونے کی کئی وجوہات ہیں:

① محمد بن عیسیٰ بن حیان مدائنی راوی جمہور محدثین کرام کے نزدیک "ضعیف" (ناقابل اعتبار) ہے۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے "متروک الحدیث" قرار دیا ہے۔ (سؤالات الحاكم: 171)

امام موصوف نے اسے "ضعیف" بھی کہا ہے۔

(العلل: 5/347، سنن الدارقطني: 1/78)

حافظ ابو احمد الحاکم فرماتے ہیں: حَدَّثَ عَنْ مَشَايِخِهِ مَا لَمْ يُتَابَعْ عَلَيْهِ.

"اس نے اپنے اساتذہ سے ایسی روایات بیان کی ہیں جن پر ثقہ راویوں نے اس کی موافقت نہیں کی۔" (تاریخ بغداد للخطیب البغدادي: 2/399، وسندهٔ صحیحٌ)

حافظ لالکائی رحمہ اللہ بھی اسے "ضعیف" کہتے ہیں۔ (تاریخ بغداد للخطیب: 2/398)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے "متروک" قرار دیا ہے۔ (میزان الاعتدال للذهبي: 3/678)

حافظ ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ یہ "ضعیف" راوی ہے۔ (الموضوعات: 1/289)

صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے ثقات (9/143) میں ذکر کیا ہے اور برقانی نے اسے ثقہ کہا ہے۔ (تاریخ بغداد للخطیب: 2/398)

معلوم ہوا کہ اس کا ضعف ہی راجح ہے۔

② محمد بن صباح راوی اگر کوفی ہے تو امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ بِقَوِيٍّ. "یہ ذرا بھی مضبوط راوی نہیں۔"

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 7/290)

③ ابراہیم بن ابی حیہ بھی سخت ''ضعیف'' راوی ہے۔

اس کو امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے ''منکر الحدیث'' قرار دیا ہے۔

(التاريخ الكبير للبخاري: 1/ 283)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے کتاب الضعفاء والمتروکین (17) میں ذکر کیا ہے۔

نیز انہوں نے اسے ''متروک'' بھی قرار دیا ہے۔ (ميزان الاعتدال للذهبي: 1/ 79)

امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' کہا ہے۔

(الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي: 1/ 238، وسندهٔ حسنٌ)

امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ''منکر الحدیث'' راوی ہے۔

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 2/ 149، ت: 491)

امام علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَيْسَ بِشَيْءٍ. ''یہ فضول آدمی تھا۔''

(لسان الميزان لابن حجر: 1/ 52)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: يَرْوِي عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَهِشَامٍ مَنَاكِيرَ وَأَوَابِدَ، يَسْبِقُ إِلَى الْقَلْبِ أَنَّهُ الْمُتَعَمِّدُ بِهَا.

''یہ جعفر بن محمد اور ہشام سے منکر اور من گھڑت روایات بیان کرتا ہے۔ دل کو لگتا یہی ہے کہ اس نے خود ایسی روایات گھڑی ہیں۔'' (المجروحين لابن حبان: 1/ 103، 104)

حافظ ابن الجوزی نے بھی اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔ (الموضوعات: 1/ 289)

البتہ امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ نے اسے ''شیخ ثقۃ کبیر'' (الجرح والتعديل: 2/ 149) کہہ دیا ہے لیکن ان کا یہ قول جمہور محدثین کی جرح کے مقابلے میں ناقابل التفات ہے۔

④ خلیل بن مرۃ نامی راوی بھی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

اس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ''منکر الحدیث'' راوی ہے۔

(سنن الترمذی: 2666، 3474)

نیز فرماتے ہیں: فِیهِ نَظَرٌ. ''یہ منکر الحدیث ہے۔''(التاریخ الکبیر:3/199)

امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ نے اسے حدیث میں غیر قوی قرار دیا ہے۔

(الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم:3/379)

امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔(الضعفاء والمتروکین:178)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے بھی ''ضعیف'' کہا ہے۔

(المجروحین لابن حبان:1/286، وسندهٗ صحیح)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مُنْكَرُ الْحَدِيثِ عَنِ الْمَشَاهِيرِ، كَثِيرُ الرِّوَايَةِ عَنِ الْمَجَاهِيلِ .

''یہ مشہور راویوں سے منکر احادیث بیان کرتا ہے، اس کی زیادہ تر روایات مجہول راویوں سے ہیں۔''(المجروحین لابن حبان:1/286)

حافظ ابن حجر اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ضعیف'' ہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ جمہور کی تضعیف کے مقابلے میں امام ابن شاہین وغیرہ کی توثیق مفید نہیں۔

⑤ اس روایت کی سند میں یحییٰ نامی راوی سے مراد اگر یحییٰ ابن ابی صالح سمان ہے تو وہ مجہول ہے۔(تقریب التہذیب لابن حجر:7569)

امام ابن حبان رحمہ اللہ کے علاوہ کسی نے اسے ثقہ قرار نہیں دیا۔

امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

شَيْخٌ مَجْهُولٌ، لَا أَعْرِفُهُ.

''یہ کوئی نامعلوم شیخ ہے، میں اسے نہیں پہچانتا۔''(الجرح والتعدیل:9/158)

اور اگر یہ یحییٰ بن ابی حیہ ابو جناب کلبی ہے تو پھر ''ضعیف'' ہے اور ''تدلیس تسویہ'' کا مرتکب ہے۔ علامہ زیلعی حنفی لکھتے ہیں: وَأَكْثَرُ النَّاسِ عَلَى تَضْعِيفِ الْكَلْبِيِّ .

''اکثر محدثین کرام نے کلبی کو ضعیف قرار دیا ہے۔''(نصب الرایۃ للزیلعی:2/23)

حافظ عراقی رحمہ اللہ (725-806ھ) فرماتے ہیں: ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

''اسے جمہور محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (تخریج أحادیث الإحیاء: 3708)

لہٰذا یہ سند پانچ وجہ سے باطل ہے۔ اس سے اہل باطل ہی دلیل لے سکتے ہیں۔

روایت نمبر ②: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے:

أَتَانِي جِبْرِيلُ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! لَوْلَاكَ لَمَا خُلِقَتِ الْجَنَّةُ، وَلَوْلَاكَ مَا خُلِقَتِ النَّارُ.

''میرے پاس جبریل آئے اور کہنے لگے: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر آپ نہ ہوتے تو جنت اور دوزخ کو پیدا نہ کیا جاتا۔'' (سلسلة الأحادیث الضعیفة للألبانی: 450/1)

تبصرہ: یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ:

① عبیداللہ بن موسیٰ قرشی راوی کے حالات نہیں مل سکے۔

② فضیل بن جعفر بن سلیمان راوی کی توثیق اور حالات معلوم نہیں ہوئے۔

③ عبدالصمد بن علی بن عبداللہ راوی کی بھی توثیق نہیں ملی۔

اس کے بارے میں امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حَدِيثُهُ غَيْرُ مَحْفُوظٍ، وَلَا يُعْرَفُ إِلَّا بِهِ.

''اس کی حدیث غیر محفوظ ہے اور وہ اسی روایت کے ساتھ معروف ہے۔''

(الضعفاء الکبیر للعقیلی: 84/3)

معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ان تینوں میں سے کسی ایک کی کارستانی ہے۔

روایت نمبر ③: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

أَوْحَى اللّٰهُ إِلٰى عِيسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَا عِيسٰى! آمِنْ بِمُحَمَّدٍ وَأْمُرْ مَنْ أَدْرَكَهُ

مِنْ أُمَّتِکَ أَنْ یُؤْمِنُوا بِہٖ، فَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ آدَمَ، وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّۃَ وَلَا النَّارَ وَلَقَدْ خَلَقْتُ الْعَرْشَ عَلَی الْمَاءِ فَاضْطَرَبَ، فَکَتَبْتُ عَلَیْہِ: لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ، مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ، فَسَکَنَ.

''اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اے عیسیٰ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لایئے اور حکم دیجیے کہ آپ کی امت میں سے جو لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا زمانہ پائیں، وہ ان پر ایمان لائیں۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں آدم (علیہ السلام) کو پیدا نہ کرتا، اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں جنت اور جہنم کو پیدا نہ کرتا۔ میں نے عرش کو پانی کے اوپر پیدا کیا تو وہ ہلنے لگا۔ اس پر لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ، مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ لکھ دیا تو وہ ٹھہر گیا۔''

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم: 2/514، 515، ح: 4227)

تبصرہ: یہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ایک جھوٹی کہانی ہے کیونکہ:

① اس کا راوی عمرو بن اوس انصاری ایک نامعلوم و مجہول راوی ہے۔ اس راوی اور اس روایت کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یُجْھَلُ حَالُہٗ، أَتٰی بِخَبَرٍ مُّنْکَرٍ، أَخْرَجَہُ الْحَاکِمُ فِي مُسْتَدْرَکِہٖ، وَأَظُنُّہٗ مَوْضُوعًا.

''یہ راوی مجہول الحال ہے۔ اس نے ایک منکر روایت بیان کی ہے جسے امام حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں ذکر کیا ہے۔ میرے خیال کے مطابق وہ روایت من گھڑت ہے۔''

(میزان الاعتدال: 3/246، 6330)

حافظ سیوطی (849-911ھ) کہتے ہیں:

قَالَ الذَّھَبِيُّ: فِي سَنَدِہٖ عَمْرُو بْنُ أَوْسٍ، لَا یُدْرٰی مَنْ ھُوَ.

''حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ اس کی سند میں عمرو بن اوس نامی راوی ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ کون

ہے۔" (الخصائص الکبری: 14/1)

② سعید بن ابی عروبہ "مدلس" اور "مختلط" راوی ہے۔

③ قتادہ بن دعامہ راوی بھی "مدلس" ہیں، انہوں نے سماع کی تصریح نہیں کی۔

لہٰذا اس قول کی سند کو امام حاکم رحمہ اللہ کا "صحیح" کہنا نا قابل اعتبار ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے امام حاکم رحمہ اللہ کی اس بات کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

أَظُنُّهُ مَوْضُوعًا عَلَى سَعِيدٍ . "میرے خیال میں یہ سعید پر جھوٹ باندھا گیا ہے۔" (تلخیص المستدرک للذہبی: 415/2)

لسان المیزان میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی حکم کو برقرار رکھا ہے۔

غیر ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ یہ قول شرعی نصوص کے بھی خلاف ہے۔

تنبیہ : طبقات المحدثین باصبہان لابی الشیخ (287/2) میں عمرو بن اوس انصاری مجہول کی متابعت سعید بن اوس انصاری نے کی ہے لیکن اس کی سند میں محمد بن عمر محاربی راوی لا پتہ افراد میں سے ہے۔ لہٰذا اس متابعت کا کوئی فائدہ نہیں۔

روایت نمبر ④:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ عَطَسَ آدَمُ، فَقَالَ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ، فَقَالَ اللّٰهُ: حَمِدَنِي عَبْدِي، وَعِزَّتِي وَجَلَالِي! لَوْلَا عَبْدَانِ أُرِيدُ أَنْ أَخْلُقَهُمَا فِي دَارِ الدُّنْيَا مَا خَلَقْتُكَ، قَالَ: إِلٰهِي! فَيَكُونَانِ مِنِّي؟ قَالَ: نَعَمْ يَا آدَمُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَانْظُرْ، فَرَفَعَ رَأْسَهُ، فَإِذَا هُوَ مَكْتُوبٌ عَلَى الْعَرْشِ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ، نَبِيُّ الرَّحْمَةِ.........

”جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان میں اپنی روح پھونکی تو ان کو چھینک آئی۔ انہوں نے 'الحمد للہ' کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے میری تعریف کی ہے۔ میری عزت اور میرے جلال کی قسم! اگر دو بندوں کو دنیا میں پیدا کرنے کا ارادہ نہ ہوتا تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔ آدم نے عرض کیا: اے میرے الٰہ! کیا وہ دونوں میری ہی نسل سے ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں اے آدم! سر اٹھا اور دیکھ، آدم نے سر اٹھایا تو عرش پر لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ، نَبِيُّ الرَّحْمَةِ لکھا ہوا تھا۔۔۔۔“ (المناقب للموفق الخوارزمي، ص: 318، الجواهر السنية في الأحاديث القدسية للحر العاملي: 292، 293)

تبصرہ: یہ جھوٹی روایت ہے کیونکہ:

① موفق رافضی شیعہ ہے۔ اس کی کوئی توثیق ثابت نہیں۔

② ابو محمد ہارون بن موسیٰ تلعکبری کی اگرچہ شیعہ کتب میں توثیق موجود ہے لیکن اہل سنت کی کتابوں میں اس کی توثیق موجود نہیں، اس کے برعکس حافظ ذہبی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: رَاوِيَةٌ لِلْمَنَاكِيرِ، رَافِضِيٌّ.

”یہ کثرت سے منکر روایات بیان کرنے والا اور رافضی شخص ہے۔“

(میزان الاعتدال: 4/287، ت: 9174)

③ فیحان عطار ابو نصر کا کوئی اتا پتا نہیں۔

④ ربیع بن جراح راوی بھی نامعلوم ہے۔

⑤ سلیمان بن مہران اعمش کی ”تدلیس“ بھی موجود ہے۔

⑥، ⑦، ⑧ عبد العزیز بن عبد اللہ، جعفر بن محمد اور عبد الکریم نام کے راویوں کا تعین اور ان کی توثیق درکار ہے۔

⑨ ابن شاذان کی شیعہ کتب میں تعریف موجود ہے مگر اہل سنت کی کتابوں میں ایسا کچھ

نہیں ہے۔اس کے برعکس حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی ایک روایت کو جھوٹ قرار دیا ہے۔

(میزان الاعتدال:3/466)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے:

وَلَقَدْ سَاقَ أَخْطَبُ خَوَارِزْمَ مِنْ طَرِيقِ هٰذَا الدَّجَّالِ ابْنِ شَاذَانَ، أَحَادِيثَ كَثِيرَةً بَاطِلَةً سَمِجَةً رَكِيكَةً فِي مَنَاقِبِ السَّيِّدِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

''اخطب خوارزم نے اس دجال ابن شاذان کی سند سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں بہت سی باطل، بے تکی اور بے ہودہ روایات بیان کی ہیں۔''

(میزان الاعتدال:3/467)

اس روایت میں اور بھی خرابیاں موجود ہیں۔

روایت نمبر ⑤: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ وَنَفَخَ فِيهِ الرُّوحَ عَطَسَ آدَمُ، فَأَلْهَمَ أَنْ قَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ، فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَيْهِ: يَا آدَمُ! حَمِدْتَنِي، فَوَعِزَّتِي وَجَلَالِي، لَوْلَا عَبْدَانِ أُرِيدُ أَنْ أَخْلُقَهُمَا فِي آخِرِ الدُّنْيَا مَا خَلَقْتُكَ.

''جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا اور ان میں روح پھونکی تو انہیں چھینک آئی۔ان کو الہام ہوا کہ وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ کہیں۔پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اے آدم! تو نے میری تعریف کی ہے۔میری عزت اور میرے جلال کی قسم! اگر میں نے دنیا کے آخر میں دو بندوں کو پیدا کرنے کا ارادہ نہ کیا ہوتا تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔''

(بشارة المصطفى لمحمد الطبري الرافضي، ص: 116، 117، الجواهر السنية في الأحاديث القدسية للحر العاملي، ص: 273)

تبصرہ: یہ سراسر جھوٹی روایت ہے کیونکہ:

① حسین بن حسن اشقر راوی جمہور کے نزدیک "ضعیف" ہے۔ اس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے "فیہ نظر" فرمایا ہے۔ (التاریخ الکبیر للبخاری: 2/385)

نیز فرماتے ہیں: عِنْدَهُ مَنَاكِيرُ. "یہ منکر روایات بیان کرتا ہے۔"

(التاریخ الصغیر: 2/291)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مُنْكَرُ الْحَدِيثِ، وَكَانَ صَدُوقًا.

"یہ تھا تو سچا لیکن روایات منکر بیان کرتا تھا۔" (سوالات ابن هانی: 2358)

امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: هُوَ شَيْخٌ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ.

"یہ شیخ منکر الحدیث تھا۔" (الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم: 3/50)

امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَيْسَ بِقَوِيٍّ فِي الْحَدِيثِ.

"حدیث میں چنداں مضبوط نہیں۔" (الجرح والتعدیل: 3/49)

امام جوزجانی فرماتے ہیں: غَالٍ مِّنَ الشَّتَّامِينَ لِلْخِيَرَةِ.

"غالی رافضی تھا اور صحابہ کرام پر سب وشتم کرنے والوں میں سے تھا۔"

(أحوال الرجال: 90)

امام دارقطنی رحمہ اللہ (الضعفاء والمتروکین: 195) اور امام نسائی رحمہ اللہ (کتاب الضعفاء والمتروکین: 146) نے اسے "لیس بالقوی" کہا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَهُوَ شِيعِيٌّ جَلْدٌ، وَضَعَّفَهُ غَيْرُ وَاحِدٍ.

"یہ کٹر شیعہ تھا۔ اسے کئی ایک محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔" (البدایة والنهایة: 6/86)

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: وَضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

"اسے جمہور محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔" (مجمع الزوائد: 6/82، 9/102)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ضعیف'' کہا ہے۔(فتح الباري:6/467)

حافظ سیوطی کہتے ہیں: حُسَيْنٌ الْأَشْقَرُ مُتَّهَمٌ.

''حسین اشقر متہم بالکذب راوی ہے۔''(ذیل الأحادیث الموضوعة، ص:58)

② اس کی سند میں سلیمان بن مہران اعمش راوی ''مدلس'' ہے۔

③ محمد بن علی بن خلف عطار سے نیچے کے سب راویوں کی توثیق ثابت نہیں ہو سکی، مثلاً عبید بن موسیٰ رویانی، ابوالحسن احمد بن محمد بن اسحاق، ابویعقوب اسحاق بن محمد بن عمران خباز، محمد بن احمد بن یوسف، ابومحمد عبدالملک بن محمد بن احمد بن یوسف، ابوسعید محمد بن احمد بن حسین نیشاپوری خزاعی، ابونجم محمد بن عبدالوہاب بن عیسیٰ سمان رازی۔

کیا اس قدر خرابیاں سامنے آ جانے کے بعد بھی اس روایت کے جھوٹ ہونے میں کسی عقلمند کو کوئی شبہ رہ سکتا ہے؟

تنبیہ: روایت لَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ کو علامہ صنعانی نے ''موضوع'' کہا ہے۔(الموضوعات:51)

دنیا کی کسی کتاب میں اس کی کوئی سند نہیں مل سکی، نہ اہل سنت کی کسی کتاب میں نہ شیعہ کی کسی کتاب میں۔اس کے باوجود بعض لوگ اس پر اپنے عقیدے کی بنیاد رکھے ہوئے ہیں۔ اسے محمد باقر مجلسی رافضی شیعہ نے اپنی کتاب بحار الأنوار (18/15، 54/199) میں ابوالحسن البکری کی کتاب کتاب الأنوار کے حوالے سے بے سند ذکر کیا ہے۔اگر کسی کے پاس اس کی کوئی سند ہے تو ہمیں پیش کرے۔

ہم نے اہل سنت اور روافض کی کتابوں میں موجود چھ مرفوع اور موقوف روایات پر تبصرہ کر کے ان کا باطل ہونا آشکارا کر دیا ہے۔اگر دنیا میں کسی کے پاس ان چھ روایات کے علاوہ کوئی اور باسند روایت ہے تو وہ پیش کرے تاکہ اس کا تحقیقی جائزہ لیا جا سکے۔

فقہ حنفی اور حدیث "لولاک":

حنفی مذہب کی معتبر کتب میں لکھا ہے:

وَفِي جَوَاهِرِ الْفَتَاوٰى: هَلْ يَجُوزُ أَنْ يُقَالَ: لَوْلَا نَبِيُّنَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَا خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ؟ قَالَ: هٰذَا شَيْءٌ يَذْكُرُهُ الْوُعَّاظُ عَلٰى رُؤُوسِ الْمَنَابِرِ، يُرِيدُونَ بِهِ تَعْظِيمَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالْأَوْلٰى أَنْ يُحْتَرَزَ عَنْ مِثْلِ هٰذَا، فَإِنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، وَإِنْ كَانَ عَظِيمَ الْمَنْزِلَةِ وَالرُّتْبَةِ عِنْدَ اللّٰهِ، فَإِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَنْزِلَةً وَمَرْتَبَةً، وَخَاصَّةً لَيْسَتْ لِغَيْرِهِ، فَيَكُونُ كُلُّ نَبِيٍّ أَصْلًا بِنَفْسِهِ.

"جواہر الفتاویٰ میں سوال ہے: کیا یہ کہنا جائز ہے کہ اگر ہمارے نبی محمد ﷺ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو پیدا نہ کرتا؟ جواب یہ دیا گیا: یہ ایسی چیز ہے جو واعظین منبروں پر بیان کرتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد ہمارے نبی محمد ﷺ کی تعظیم کرنا ہوتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ایسی باتوں سے احتراز کیا جائے کیونکہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام اگر چہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بلند مقام اور مرتبہ رکھتے تھے لیکن ہر نبی کو بھی ایک مقام اور مرتبہ حاصل تھا اور ہر نبی کے پاس کوئی نہ کوئی ایسی خصوصیت تھی جو دوسرے کسی کے پاس نہ تھی۔ لہٰذا ہر نبی کا اپنا ایک مستقل مقام ہے۔"

(الفتاوی التاتار خانیۃ:5/485)

قارئین کرام کو معلوم ہو گیا ہے کہ نقل وعقل کے ساتھ ساتھ فقہ حنفی بھی ان روایات کے خلاف ہے، لیکن اس سب کے باوجود بعض لوگ حنفی ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور ان جھوٹی روایات کو اپنے اسباب شکم پروری کو دوام بخشنے اور اکل وشرب کی دکان کو چمکانے کے لیے بر سر منبر بیان بھی کرتے ہیں۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح راستے کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

بعض لوگوں نے دین میں مداخلت کرتے ہوئے ایک نئی نماز گھڑی ہے اور اسے ''نماز غوثیہ'' کا نام دے کر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ یہ نماز بدعات وخرافات اور شرک وکفر کا ملغوبہ ہے۔ دین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کی پیروی کا نام ہے۔ غیر مشروع طریقوں سے تقربِ الٰہی کا حصول ناممکن ہے۔ اگرچہ یہ لوگ اپنے ان کارناموں کو اچھا خیال کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسے طریقوں کو دین وعبادت قرار دینا فساد فی الارض ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ * أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ﴾ (البقرۃ2: 11، 12)

''جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم زمین میں فساد نہ کرو تو وہ کہتے ہیں: بلاشبہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار! حقیقت میں یہی لوگ فسادی ہیں، لیکن انہیں شعور نہیں۔''

بدعات، اللہ کی زمین پر فساد وفتنہ کا باعث ہیں۔ بعض لوگ آئے دن کوئی نہ کوئی بدعت ایجاد کر لیتے ہیں۔ وہ عبادات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر اکتفا نہیں کرتے۔

نمازِ غوثیہ کس نے اور کب ایجاد کی؟ ساتویں صدی ہجری تک مسلمان اس سے ناواقف تھے۔ دنیا میں سب سے پہلے مصری قاری اور گمراہ صوفی ابوالحسن علی بن یوسف شطنوفی (644-713ھ) نے متعارف کرایا۔ یہ صوفی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرف منسوب عبارت یوں ذکر کرتا ہے:

مَنِ اسْتَعَانَ بِي فِي كُرْبَةٍ كُشِفَتْ عَنْهُ، وَمَنْ نَادَانِي بِاسْمِي فِي شِدَّةٍ فُرِجَتْ

عَنْهُ، وَمَنْ تَوَسَّلَ بِي إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي حَاجَةٍ قُضِيَتْ لَهُ، وَمَنْ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بَعْدَ الْفَاتِحَةِ سُورَةَ الْإِخْلَاصِ إِحْدٰى عَشْرَةَ مَرَّةً، ثُمَّ يُصَلِّي عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ السَّلَامِ وَيُسَلِّمَ عَلَيْهِ، وَيَذْكُرُنِي، ثُمَّ يَخْطُوا إِلٰى جِهَةِ الْعِرَاقِ إِحْدٰى عَشْرَةَ خُطْوَةً، وَيَذْكُرُ اسْمِي، وَيَذْكُرُ حَاجَتَهُ، فَإِنَّهَا تُقْضٰى بِإِذْنِ اللّٰهِ.

''جو شخص کسی مشکل میں مجھ سے مدد مانگے، اس کی مشکل دُور کر دی جائے گی۔ جو مصیبت میں مجھے میرا نام لے کر پکارے، اس کی مصیبت دُور کر دی جائے گی اور جو کسی حاجت میں اللہ تعالیٰ کو میرا وسیلہ دے کر دعا کرے گا، اس کی حاجت پوری کر دی جائے گی۔ جو شخص دو رکعتیں اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص گیارہ مرتبہ پڑھے، پھر سلام پھیرنے کے بعد نبی اکرم ﷺ پر درود وسلام بھیجے اور مجھے یاد کرے، پھر عراق کی طرف گیارہ قدم چلے اور میرا نام لے کر اپنی ضرورت کو ذکر کرے، تو وہ ضرورت پوری ہو جائے گی۔''

(بهجة الأسرار ومعدن الأنوار، ص:102، فضل ذكر أصحابه وبشراهم، طبع مصر)

یہ سفید جھوٹ ہے جسے شیخ عبدالقادر جیلانی سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ اس گھڑنتل کا راوی ابوالمعالی عبدالرحیم بن مظفر، جو کہ شطنوفی کا استاذ ہے، اس کے حالاتِ زندگی نہیں مل سکے۔ یہ کون ہے؟ کچھ معلوم نہیں۔ نیز اس سند میں ابوالقاسم بزاز کی واضح توثیق درکار ہے۔ نامعلوم افراد کی باتوں کی دین میں کیا حیثیت ہے؟

جس کتاب میں یہ روایت مذکور ہے، اہل علم نے شطنوفی کی اس کتاب کے بارے میں بھی عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے، بلکہ اسے خرافات کا مجموعہ قرار دیا ہے، جیسا کہ:

① حافظ ذہبی رحمہ اللہ (673-748ھ) فرماتے ہیں:

جَمَعَ الشَّيْخُ نُورُ الدِّينِ الشَّطْنُوفِيُّ الْمُقْرِئُ كِتَابًا حَافِلًا فِي سِيرَتِهِ وَأَخْبَارِهِ

فِي ثَلَاثِ مُجَلَّدَاتٍ، أَتَى فِيهِ بِالْبَرَّةِ وَأُذُنِ الْجَرَّةِ، وَبِالصَّحِيحِ وَالْوَاهِي وَالْمَكْذُوبِ، فَإِنَّهُ كَتَبَ فِيهِ حِكَايَاتٍ عَنْ قَوْمٍ لَّا صِدْقَ لَهُمْ.

''شیخ نورالدین شطنوفی نے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی سیرت اور حالات کے بارے میں تین جلدوں پر مشتمل ایک کتاب لکھی ہے، جس میں اس نے اچھی، بری، صحیح، کمزور اور جھوٹی ہر طرح کی باتیں ذکر کی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اس نے ایسے راویوں سے حکایات نقل کیں جو ہرگز سچے نہیں تھے۔'' (تاریخ الإسلام: 252/12)

④ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ الْكَمَالُ جَعْفَرٌ: وَذَكَرَ فِيهَا غَرَائِبَ وَعَجَائِبَ، وَطَعَنَ النَّاسُ فِي كَثِيرٍ مِّنْ حِكَايَاتِهِ، وَمِنْ أَسَانِيدِهِ فِيهَا.

''کمال جعفر نے کہا ہے کہ شطنوفی نے اس کتاب میں منکر اور عجیب و غریب حکایات ذکر کی ہیں۔ اہل علم نے اس کی بہت سی حکایات اور بہت سی سندوں پر طعن کیا ہے۔''

(الدرر الکامنۃ: 141/3)

⑤ حافظ ابن رجب رحمہ اللہ (736-795ھ) لکھتے ہیں:

وَلٰكِنْ قَدْ جَمَعَ الْمُقْرِىءُ أَبُو الْحَسَنِ الشَّطْنُوفِيُّ الْمِصْرِيُّ، فِي أَخْبَارِ الشَّيْخِ عَبْدِ الْقَادِرِ وَمَنَاقِبِهِ ثَلَاثَ مُجَلَّدَاتٍ، وَكَتَبَ فِيهَا الطَّمَّ وَالرَّمَّ، وَكَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ، وَقَدْ رَأَيْتُ بَعْضَ هٰذَا الْكِتَابِ، وَلَا يَطِيبُ عَلَى قَلْبِي أَنْ أَعْتَمِدَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا فِيهِ، فَأَنْقُلُ مِنْهُ إِلَّا مَا كَانَ مَشْهُورًا مَّعْرُوفًا مِّنْ غَيْرِ هٰذَا الْكِتَابِ، وَذٰلِكَ لِكَثْرَةِ مَا فِيهِ مِنَ الرِّوَايَةِ عَنِ الْمَجْهُولِينَ، وَفِيهِ مِنَ الشَّطْحِ، وَالطَّامَّاتِ، وَالدَّعَاوِي، وَالْكَلَامِ الْبَاطِلِ، مَا لَا يُحْصٰى، وَلَا يَلِيقُ

نِسْبَةُ مِثْلِ ذٰلِکَ إِلَى الشَّيْخِ عَبْدِ الْقَادِرِ رَحِمَهُ اللّٰهُ، ثُمَّ وَجَدْتُ الْكَمَالَ جَعْفَرَ الْأَدْفُوِيَّ، قَدْ ذَكَرَ أَنَّ الشَّطْنُوفِيَّ نَفْسَهُ كَانَ مُتَّهَمًا فِيمَا يَحْكِيهِ فِي هٰذَا الْكِتَابِ بِعَيْنِهِ.

''مقری ابوالحسن شطنوفی مصری نے شیخ عبد القادر رحمہ اللہ کے فضائل و مناقب میں تین جلدوں پر مشتمل کتاب لکھی ہے اور اس میں ہر جھوٹی سچی بات لکھ ماری ہے۔ کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہوتا ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو (بغیر تحقیق) آگے بیان کر دے۔ میں نے اس کتاب کا کچھ حصہ دیکھا ہے۔ مجھے اس میں سے کسی بھی بات پر اعتماد کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ میں اس سے صرف وہ مشہور و معروف چیزیں نقل کروں گا جو اس کتاب کے علاوہ دوسری کتب میں مذکور ہوں گی۔ اس کتاب میں مجہول راویوں کی کثرت ہے۔ اس میں بے تکی باتوں کی بھرمار ہے، نیز یہ جھوٹ طوفان، بلند بانگ دعووں اور باطل باتوں سے اٹی پڑی ہے۔ شیخ عبد القادر رحمہ اللہ کی طرف اس کتاب کی نسبت جائز ہی نہیں۔ پھر میں نے کمال جعفر ادفوی کی یہ بات بھی پڑھی ہے کہ اس کتاب میں جو کچھ مذکور ہے، یہ خود شطنوفی کی گھڑنت ہے۔''

(ذیل طبقات الحنابلۃ:194,195/2)

قارئین کرام! آپ نے نمازِ غوثیہ کے متعلق جان لیا ہے۔ جس کتاب سے اس کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے، اس کے متعلق بھی جان کاری کر لی ہے۔ جو لوگ اس نماز کو دین قرار دیتے ہیں، وہ کتنے بے باک ہیں؟ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا، فَهُوَ رَدٌّ))

''جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا، جس پر ہماری مہر نہیں، وہ مردود و باطل ہے۔''

(صحیح مسلم:77/2، ح:1718)

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ (736-795ھ) فرماتے ہیں:

وَهٰذَا الْحَدِيثُ أَصْلٌ عَظِيمٌ مِنْ أُصُولِ الْإِسْلَامِ، وَهُوَ كَالْمِيزَانِ لِلْأَعْمَالِ

فِي ظَاهِرِهَا كَمَا أَنَّ حَدِيثَ: ((الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)) مِيزَانٌ لِلْأَعْمَالِ فِي بَاطِنِهَا، فَكَمَا أَنَّ كُلَّ عَمَلٍ لَا يُرَادُ بِهِ وَجْهُ اللّٰهِ تَعَالٰى، فَلَيْسَ لِعَامِلِهِ فِيهِ ثَوَابٌ، فَكَذٰلِكَ كُلُّ عَمَلٍ لَا يَكُونُ عَلَيْهِ أَمْرُ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ، فَهُوَ مَرْدُودٌ عَلٰى عَامِلِهِ، وَكُلُّ مَنْ أَحْدَثَ فِي الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ، فَلَيْسَ مِنَ الدِّينِ فِي شَيْءٍ.

''یہ حدیث اسلام کے اصولوں میں سے ایک بہت بڑا اصول ہے۔ یہ اعمال کے لیے ظاہری طور پر ایسی ہی کسوٹی ہے، جیسے اعمال کے لیے باطنی طور پر یہ حدیث کسوٹی ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ جس طرح ہر وہ عمل جس کا مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا نہ ہو، کرنے والے کے لیے باعث ِثواب نہیں ہوتا، اسی طرح ہر وہ عمل جس پر اللہ و رسول کی مہر نہ ہو، وہ مردود ہے۔ جس نے بھی دین میں ایسی چیز ایجاد کی، جس کی اجازت اللہ و رسول نے نہیں دی، اس کی دین میں کوئی حیثیت نہیں۔'' (جامع العلوم والحکم، ص: 8)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ تَصَرُّفَاتِ الْعِبَادِ مِنَ الْأَقْوَالِ وَالْأَفْعَالِ نَوْعَانِ؛ عِبَادَاتٌ يَصْلُحُ بِهَا دِينُهُمْ، وَعَادَاتٌ يَحْتَاجُونَ إِلَيْهَا فِي دُنْيَاهُمْ، فَبِاسْتِقْرَاءِ أُصُولِ الشَّرِيعَةِ نَعْلَمُ أَنَّ الْعِبَادَاتِ الَّتِي أَوْجَبَهَا اللّٰهُ أَوْ أَحَبَّهَا، لَا يَثْبُتُ الْأَمْرُ بِهَا إِلَّا بِالشَّرْعِ.

''بندوں کے اقوال و افعال کی دو قسمیں ہیں؛ ایک وہ جن سے ان کا دین درست ہوتا ہے اور دوسرے وہ جن کے وہ اپنی دنیاوی زندگی میں محتاج ہیں۔ شریعت کے اصولوں کے گہرے مطالعے سے ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ جو عبادات اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں یا انہیں مستحب ٹھہرایا ہے، ان کا معاملہ صرف شریعت ہی سے ثابت ہوسکتا ہے۔'' (القواعد النورانیۃ، ص: 78,79)

اپنی طرف سے نماز گھڑ کر بزرگوں کے وسیلے پر دلیل پیش کرنا، دین نہیں، بلکہ ایجادِ دین ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁

ایک قرض جو اُمتِ مُسلمہ کے کندھے سے چکا دیا گیا

صحیح بخاری پر کیے گئے فنی، تاریخی اور عقلی اعتراضات کا لاجواب جواب

صحیح بخاری اور فتنہ انکار حدیث کا مطالعہ

نظر ثانی

فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ

تقدیم

فضیلۃ الشیخ غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری حفظہ اللہ

تقریظ

فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن ضیا حفظہ اللہ

فضیلۃ الشیخ مُبشّر احمد ربانی حفظہ اللہ

تالیف

حافظ ابو یحییٰ نورپوری حفظہ اللہ

قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں

ڈسٹری بیوٹر

کتاب سرائے

الحمد مارکیٹ، اردو بازار لاہور

دار الاسلام

منہج سلف کا علمبردار

تشنگانِ علوم اسلامیہ کے لیے عظیم خوشخبری

دار التخصّص والتحقیق کا

ایک عظیم منصوبہ

فاضلین علوم اسلامیہ کے لیے حدیث ،اصولِ حدیث، اسماء رجال اور عربی لغت و ادب میں تخصّص کا سنہری موقع

زیرِ سرپرستی: فضیلۃ الشیخ، علامہ، غلام مصطفٰے ظہیر امن پوری

① امیدوار علوم اسلامیہ کا فاضل ہو یا مساوی اہلیت کا حامل ہو۔

خصوصیات

حافظ ابو یحییٰ نورپوری

0345-5556654
0346-5858958

darulaslaf@gmail.com

Monthly **Al-Sunnah** Jhelum

ہمارا عزم

☆ سلف صالحین کے منہج کے مطابق قرآن وسنت کا فہم

☆ سلف صالحین کے طریق پر عقیدۂ توحید کا احیاء

☆ بدعات وخرافات کا علمی اور تحقیقی رد

☆ اصولِ محدثین کے مطابق دفاعِ حدیث

☆ روزمرہ زندگی میں پیش آمدہ مسائل کا قرآن وحدیث کی روشنی میں حل

☆ سلفی المنہج، غیور اور فکری اہل حدیث افراد کی تیاری

☆ اہل القرآن والسنہ والاجماع سے خیرخواہی

جیسا کہ امامِ اوزاعی رحمہ اللہ (۱۵۷ھ) فرماتے ہیں:

اِصْبِرْ نَفْسَكَ عَلَى السُّنَّةِ ، وَقِفْ حَيْثُ وَقَفَ الْقَوْمُ ، وَقُلْ بِمَا قَالُوْا ، وَكُفَّ عَمَّا كَفُّوْا عَنْهُ ، وَاسْلُكْ سَبِيْلَ سَلَفِكَ الصَّالِحِ ، فَإِنَّهُ يَسَعُكَ مَا وَسِعَهُمْ

''سنت پر ڈٹ جا، وہیں ٹھہر، جہاں (سلف) لوگ ٹھہرے ہیں، وہی کہہ جو انہوں نے کہا، جس قول وفعل سے وہ رکے ہیں، اس سے تو بھی رک جا اور اپنے سلف صالحین کی راہ پر چلتا رہ، وہی چیز (قرآن وسنت) تجھے کافی ہو جائے گی، جو ان کو کافی ہوئی تھی۔''

(حلیة الأولیاء لأبی نعیم الأصبهانی: ۱۴۳/۶ وسندهٗ صحیح)

قارئین کرام! ماہنامہ **السنة** آپ کا اپنا رسالہ ہے، خود پڑھیں، دوسروں کو پڑھنے کی دعوت دیں، ہمیں آپ کی قیمتی آراء کا انتظار رہے گا، اپنے گراں قدر مشوروں سے نواز کر شکریہ کا موقع دیں